صبح زندگی

تصنیف

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
منیجر کتب خانہ رضوی بلیماران دہلی

قیمت دو روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

جو کہیں ماں کا بس چلے تو وہ منجھلی کی طرح نسیمہ کا بھی ایسا کھر کھوج کھوئے
ر تو گھر محلہ بھر تھڑی تھڑی کرتا۔ مگر وہ تو خدا بیچاری سنجیدہ کا بھلا کرے۔ بہتیرا
جائی بھاوج نے سر پٹکا۔ لیکن اُس اللہ کی بندی نے ایک نہ سنی۔ دو سوا دو
ا تک تو خیر دُودھ کی مجبوری سے معذور رہی۔ مگر اِدھر دودھ چھٹنا تھا۔ کہ
ھر وہ ایکا کان گونگا اور ایک بہرا کر، بڑا مکان خالی کروا بھتیجی کو ساتھ لے۔
لٹ الگ ہو گئی۔ پھر طرّہ یہ کہ دیوار بیچ گھر اور کیا مجال جو دم بھر کو لڑکی بے پوچھے
ھر چلی جائے۔ دونوں ماں بیٹیوں کا آمنا سامنا ہوتا۔ پاس رکھنے کی اُلفت'
دھ پلانے کی محبت۔ کچھ ہی سمجھ لو۔ برس چھ مہینے تو ماں بہت تڑپی۔ اور پھر تو
یہ پر پتھر رکھ ایسی الگ تھلگ ہو گئی۔ گویا بالکل غیر تھی۔ مزاج میں اثر پیدا کرنے
واسطے وہ دو برس بھی کچھ کم نہ تھے۔ اگر سنجیدہ اکھاڑ کر نہ پھینکے تو ضد کا پیچ
طبیعت میں ابھی سے ایسا پڑ گیا تھا کہ چند ہی روز میں خاصا گھن دار
ہو جاتا۔

سچی بات ہے کہ سنجیدہ نے بھتیجی کو کھلایا سونے کا نوالہ اور دیکھا شیر کی نظر ماں کی گود سے چھوٹی تو ہٹ اور ضد۔ ایڑیاں اور ٹھنیاں۔ ایک چھوڑ چار چار عیب موجود تھے۔ ماں کی کیفیت یہ تھی کہ بچی نے گھٹنوں گود میں لے کر ٹہلنا شروع کیا۔ وہی رنگ اب بھی چھایا ہوا تھا۔ مگر سنجیدہ وہ عورت تھی کہ نسیمہ کیا نسیمہ کا باپ بھی ہوتا تو چار دن میں نکلنے کے سے بل نکال دیتی۔

(۲)

دوپہر کے وقت ایک روز کہیں سے حصہ آیا۔ ماما اٹھا کر دالان میں لائی۔ بریانی متنجن کے دو طباق چوٹی دار بھرے ہوئے۔ نسیمہ خوشی کے مارے اچھلتی ہوئی۔ اُدھر چلی۔ ماں تو شاید پرواہ بھی نہ کرتی۔ مگر سنجیدہ کو بچی کی یہ حرکت اچھی نہ معلوم ہوئی۔ اُٹھی دونوں طباق اٹھا چھینکے پر رکھ، الگ جا بیٹھی حصہ کا سامنے سے ہٹنا تھا۔ نسیمہ لگی ایڑیاں رگڑنے اور ٹھنیاں کھانے۔ بچی نے تو وہ پھیل مچائے کہ گھر سر پر اُٹھا لیا۔ ایک چیخ آسمان اور ایک زمین۔ چاہیئے کہ بھابی ان ڈھکوسلوں میں آ۔ چاول اُتار کر آگے رکھ دیتی۔ تو اس کے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ بلکہ ماما نے تو کہا بھی "بیوی وہ کھائیں گی کتنا؟ ایک نوالہ دے دو بچے کی ضد ہے۔ دیکھو تو رو رو کر خون کر رہی ہے۔"

سنجیدہ "ہوش کی خبر لو۔ یہ شریفوں کی باتیں ہیں کہ چیز آتے دیر نہیں ہوئی اور لڑکی نے بلکنا شروع کیا۔ چھینکنے دو مردار کو۔ میں بھی تو دیکھوں کب تک روتی ہے۔ چاہے رات ہو جائے۔ مگر بھورا تک نہ دوں۔"

نسیمہ بہتیرا ہی روئی اور پیٹی چیخی اور چلائی۔ مگر سنجیدہ جس کا نام تھا۔ وہ اپنی جگہ سے نہ سرکنا تھا۔ اور نہ سرکی۔ نسیمہ گھنٹہ سوا گھنٹے تک دالان میں لوٹیں لگاتی رہی۔ آخر اسی طرح بلک بلک کر سو گئی۔ اٹھی تو چار بج چکے ہوں گے۔ بھوبی

نے کہا۔ اسے ہے نسیمہ، دیکھ تو سہی کپڑے کیسے چکٹ ہو رہے ہیں۔ آ پنڈا دُھلا کر بدل ڈالو۔ اچھی بڑی بی ذرا پانی کی گھڑیا غسل خانہ میں رکھ دینا۔" نہلا دُھلا اُجلے کپڑے بدل چکی تو پاس بٹھا کر کہنے لگی "کیوں لڑکی! شریفوں کی بچی اور پاجیوں کے عمل۔ ایسی بدنیت اور ندیدی کہ بریانی دیکھ کر گر گئی۔ اتنے رونے سے کیا ملا۔ اور سب نے ندیدی ہی ندیدی کہا۔ کیوں بیٹی! کیا تم نے کبھی چاول دیکھے نہیں۔ اگر نہ مانگتیں تو کیا میں تم کو نہ دیتی؟ جو تم نے اپنی جان ہلکان کی۔ توبہ توبہ کس کام کی ایسی نیت۔ موئے چماروں کے بچے بھی اچھے ہوں گے۔ دیکھو سندر کا چھن کے ساتھ اس کی لڑکی سکھیا آتی ہے۔ پھر اہوا چھیبا ہوتا ہے۔ کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھتی ہے۔ آج تو خیر میں نے تم کو چھوڑ دیا۔ اب اگر کسی چیز کو دیکھ کر بلکیں یا مانگی تو ایسا ماروں گی کہ تم کو مزہ ہی آجائے گا۔"

دل کیا گڑا۔ زبان کی میٹھی۔ کام بنا ہوا تھا۔ پھوپی کے منہ سے بات نکلنے کی دیر تھی۔ سیدھی بھتیجی کے دل میں جا کر اُتری۔ وہی نسیمہ جو دو نوالے چاولوں پر یوں ہلکان ہوئی۔ منوں چیز گھر میں آتی۔ اور آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی

(۳)

تخم تاثیر صحبت کا اثر۔ سنجیدہ جیسی عورت۔ پھوپی کی پھوپی۔ ماں کی ماں۔ اُستانی کی اُستانی معلمہ کی معلمہ جس کی رگ رگ میں خدا کی عظمت اور مذہب کی وقعت بھری ہوئی تھی۔ اس کی تربیت کا فیض جو کچھ نہ ہوتا تھوڑا۔ جاڑا پالا۔ گرمی۔ برسات۔ صبح و شام۔ دن رات۔ آندھی جائے۔ مینھ جائے۔ مگر اس کی نماز اور قرآن نہ جائے۔ اتنا وہ ہم سے زیادہ سمجھتی تھی کہ یہ چھ برس کی جان سمجھے گی تو کیا خاک، مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتی تھی۔ اور خوب جانتی تھی کہ کچی لکڑی کے سیدھا کرنے کا یہی وقت ہے۔ ذرا غفلت کی تو سانپ نکل گیا۔

لکیر کو بیٹھی پیٹا کروں۔ پھر ٹھنڈے لوہے پیٹنے سے درست ہونے والے نہیں۔ منجھلی کا نمونہ موجود ہے۔ نیرہ چودہ برس کی لونٹا کیسی نماز اور کہاں کا روزہ۔ کدھر کا خدا اور کس کا قرآن پہر سوا پہر دن چڑھے سو کر اٹھی منہ کو دو چار چھپکے مار، تازہ باسی جو ہاتھ لگا۔ کھانے بیٹھ گئی۔ جھوٹی۔ مکار۔ لڑنی۔ مغرور، خانہ داری سے الگ۔ شرم وحیا سے کوسوں دور۔ ذرا کوئی بات خلاف مزاج ہوئی اور آواز ہے کہ پرَ محلے پہونچ رہی ہے۔ باپ نے کی لاپرواہی۔ اماں کو خیال ہوا نہیں۔ بھلی چنگی لڑکی ہاتھ سے جاتی رہی۔ سنجیدہ کے واسطے یہ افتاد خاصا اچھا سبق تھی۔ اس نے اپنی چھوٹی سی بچی کو اس ڈھرے پر ڈال لیا کہ نماز سے فارغ ہوئی قرآن کھولا اور وضو کر جانماز پر ساتھ لے بیٹھی۔ گرمی کے موسم میں ایک روز صبح کا سہانا وقت تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سنجیدہ، نسیمہ کو پاس بٹھائے قرآن پڑھ رہی تھی۔ کوٹھے کی ممٹی پر شاما نے بولنا شروع کیا۔ بچی کچھ دیر تو چپکی بیٹھی غور سے دیکھتی اور شوق سے سنتی رہی اور پھر کہنے لگی "اے لو پھوپی اماں شاما بول رہی ہے۔"

پھوپی۔ "تم جانتی ہو یہ کیا کہہ رہی ہے"؟

نسیمہ۔ "نہیں تو، کیسے مزے سے بول رہی ہے"۔

پھوپی۔ "یہ صبح ہی اٹھ کر خدا کی تعریف کر رہی ہے۔ اور دعا مانگ رہی ہے کہ سارا دن خیر صلاح سے گذر جائے"۔

نسیمہ۔ "خدا بھی سن رہا ہے کہ یہ کیا کہہ رہی ہے؟ خدا تو آسمان پر ہے"۔ ہاں ہاں پھوپی اماں دیکھو اس کا منہ آسمان ہی کی طرف ہے خدا ہی سب کو کھانا بھی دیتا ہے۔ اچھی پھوپی اماں مجھے بھی رات کو اسی نے آم دیئے تھے"۔

پھوپی۔ "ہاں ساری دنیا کو وہی کھلاتا پلاتا ہے۔ امیر ہو چاہے غریب۔ آدمی ہو چاہے جانور۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ رونگٹا رونگٹا اس کا شکر

ادا کرے تو پورا نہیں ہو سکتا۔ ماں سے زیادہ چاہنے والا۔ باپ سے زیادہ پیار کرنے والا۔ تکلیف کا سننے والا۔ دکھ درد میں کام آنے والا۔ کھانا کپڑا۔ لتا۔ گہنا۔ پاتا۔ گہنا پاتا۔ اوڑھنا۔ بچھونا۔ سب اسی کی برکتیں ہیں"

نسیمہ۔ "اچھی میری پھوپی اماں لاؤ میں بھی خدا کی تعریف کروں"

پھوپی۔ "تم کہاں تک اُس کی تعریف کروگی۔ اُس کی محبت تو دیکھو۔ دیکھنے کو آنکھیں دیں۔ باتیں کرنے کو منہ دیا۔ کام کاج کو ہاتھ دیئے۔ چلنے پھرنے کو پاؤں دیئے۔ کس کس چیز کا شکر کروگی۔ ہماری ہی بہنیں بہت سی ایسی ہیں۔ جن کو گز بھر بھیگی بھی نصیب نہیں جو پہنیں۔ وزیرآباد سے آتی دفعہ دیکھا نہیں تھا؟ بہت سی فقیرنیاں اور فقیر جامع مسجد کی سیڑھیوں پر سکڑے پڑے تھے۔ لحاف نہ رضائی۔ پلنگ نہ چارپائی۔ رحیمن بیچاری کو دیکھو آنکھوں سے اندھی ہاتھوں سے لولی۔ پاؤں سے لنگڑی۔ یہ بھی تو آخر ہماری جیسی آدمی ہے۔ تندرست تھی تو بہتیرا ہی کہا۔ رحیمن کمبخت کبھی تو خدا کو بھی یاد کرلیا کر۔ مگر اس چار دن کی زندگی پر ایسی پھولی کہ کبھی بھول کر بھی اس کے آگے سر نہ جھکایا۔ اب دیکھ لو کسی کو رحم آگیا۔ تو آدھی پاؤ روٹی دے دی۔ نہیں تو کڑاکے کے فاقے۔ جو بویا وہ کاٹے۔ جیسا کیا ویسا بھگتے۔ ہم سب عورتیں اور مرد اللہ کے لونڈی غلام ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہر وقت اس کا شکریہ ادا کرتے رہیں۔ دلوں کے حال کو وہ جانتا ہے۔ جو کہتے ہیں وہ سنتا ہے۔ جو کرتے ہیں وہ دیکھتا ہے۔ ذرا اپنے گملوں کو تو دیکھو۔ کیسے رنگ برنگ کے پھول کھل رہے ہیں۔ یہ سب اسی کی قدرت کا نمونہ ہے۔ چاند۔ سورج۔ دن رات۔ سب چیزیں ہمارے آرام کے واسطے بنائیں۔ دیکھو یہ پھول ہوا سے سرسرا نہیں رہے۔ اپنے خدا کی درگاہ میں سر جھکا رہے ہیں بس اللہ بیوی صبح ہی اٹھ کر گڑیوں کے سنوارنے کی پڑ جاتی ہے کبھی یہ بھی خیال آتا ہے۔

کر اپنے تئیں بنا سنوار کے خدا کے حضور میں حاضر کرو۔ بتاؤ تو سہی دن میں کئے دفعہ وضو کر کے نماز پڑھتی ہو۔ بڑی بی کو دو روپے مہینے اور کھانے پر ہم نے گویا مول لے لیا ذرا کام کو دیر ہو جاتی ہے تو کیسا غصہ آجاتا ہے۔ پرسوں تمھاری ٹکیہ ذرا جل گئی تھی۔ کتنی بگڑی ہو مگر تم کو کبھی اپنے آقا۔ اپنے مالک کا دھیان آتا ہے۔"

نسیمہ ۔" پھوپی اماں! آپ نماز میں اللہ کی تعریف کرتی ہیں۔"

پھوپی ۔" نماز تو ہم پر فرض ہے جس طرح بڑی بی کھانا پکا کر اپنا فرض ادا کرتی ہیں اسی طرح ہم نماز پڑھ کر فرض سے ادا ہوتے ہیں۔ خدا کی عنایتیں اور مہربانیاں اتنی زیادہ ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتیں۔ زمین سے اناج اگائے آسمان سے مینہ برسائے پینے کو پانی دیا۔ سانس لینے کو ہوا دی۔ جب تک چاہے زندہ رکھے۔ جب چاہے مار ڈالے۔ دنیا میں ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ اس کی عبادت کریں۔ جب ہم اس کے پاس جائیں گے۔ اور آمنا سامنا ہوگا اس وقت وہ ہم سے پوچھے گا۔ کہ میرے احسانوں کے بدلے میں تم نے مجھ کو کتنا یاد کیا۔ میں نے تم کو روٹی دی۔ ٹکیہ دی جلوا دیا۔ مگر جب میں بھوکا ہو کر تمھارے پاس آیا تم نے مجھ پر رحم نہ کھایا اور منہ پھیر لیا۔"

نسیمہ ۔" اے ہے پھوپی اماں! تو اللہ بھی بھوکا ہو کر آتا ہے؟"

پھوپی ۔" ٹھہرو پہلے سن لو۔ اور صاحب میں نے تو کانوں میں بالیاں دیں۔ ہاتھوں میں پہونچیاں دیں۔ پاؤں میں چوڑیاں دیں۔ تاروں کی اوڑھنیاں دیں۔ گوٹے کے کرتے دیئے۔ سورینے کا پاجامہ دیا۔ اور بھئی میں نے تم سے مانگا تو تم نے ایک پیسہ بھی مجھ کو نہ دیا۔ بھوکا ہوا تو روٹی نہ دی۔ پیاسا ہوا پانی نہ پلایا۔ میں بھوکا پیاسا۔ تھکا ہارا منہ تکتا رہا۔ اور تم نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

نسیمہ ۔" بس تو پھوپی اماں! آج اللہ کو بلا دینا۔ میں اپنی روٹی

کھلادوں گی۔"

پھوپی۔"توبہ توبہ۔ اللہ کچھ کھاتا نہیں ہے۔ اس کا تو نہ ہاتھ ہے نہ پاؤں، نہ منہ ہے نہ سر۔"

نسیمہ۔"ہائیں واہ اور ابھی کیا کہہ رہی تھیں"؟

پھوپی۔"ہاں سچ تو کہہ رہی تھی۔ جب دکھیارے، مصیبت مارے ہم سے آکر سوال کرتے ہیں تو ان کا دینا ایسا ہی ہے جیسے اللہ کو دیا۔ اللہ نے ہم کو حکم دیا ہے۔ تم ان کو دو جو کو پہنچ جائے گا۔ بن باپ کے بچے کئی کئی وقت کے بھوکے بڑی آس لگا کر ہمارے پاس آتے ہیں۔ ان کو محبت سے کھلانے والا۔ چمکار کر پاس بٹھلانے والا کون ہے سا گر ان کو دیکھ کر ہمارے دل رنجیدہ ہوں۔ اور ہم ان کی خدمت کریں۔ تو اللہ ایسا ہی خوش ہو گا۔ جیسا اس کو مل گیا۔ بیٹی بڑے نالائق اور بیوقوف ہیں وہ لوگ جو دنیا میں آکر خدا سے غافل ہو جائیں۔ بھلا سوچو تو سبھی جانور اپنے پیدا کرنے والے کو یاد کریں اور ہم آدمی ہو کر بھول جائیں۔ اللہ تمھاری عمر میں برکت دے۔ ایمان سب سے بڑی نعمت ہے۔ اور ایمان کے معنی یہ ہیں۔ کہ اللہ ہر وقت یاد رہے۔ جب اس کی درگاہ میں عاجزی سے حاضر ہو گی اور اس کو یاد کرو گی تو وہ سو مہربانوں کا مہربان ہے۔ جو چاہو گی وہ پاؤ گی۔ جو مانگو گی وہ لو گی۔ اچھا آؤ میرے ساتھ مل کر اس کی تعریف کرو۔

حمدِ جناب باری ۔۔۔ رکھو زباں پہ جاری
باقی ہے بس وہی رب ۔۔۔ فانی ہے ما سوا سب
کافی ہے وہ اکیلا ۔۔۔ باقی ہے سب جھمیلا
وہ خالقِ جہاں ہے ۔۔۔ وہ رازقِ جہاں ہے
حاکم ہے بحر و بر کا ۔۔۔ مالک ہے خشک و تر کا

فرش زمیں اسی کا　　عرش بریں اسی کا
از ماہ تا بماہی　　ہے اُس کی بادشاہی
شاہنشاہ جہاں ہے　　معبودِ انس و جاں ہے
حاکم ہے دو جہاں کا　　مالک ہے ایں و آں کا
ہر جا ظہور اُس کا　　ہر شے میں نور اس کا
ہر چیز میں نہاں ہے　　ہر چیز سے عیاں ہے
سب سے قریب تر ہے　　سب سے عجیب تر ہے
خورشید میں نہ آئے　　پَر ذرہ میں سمائے
کھائے پئے نہ سوئے　　بولے ہنسے نہ روئے
بے آنکھ سب کو دیکھے　　بے کان سب کی سن لے
بے ہاتھ پاؤں سب کام　　کرتا ہے وہ بہ آرام
ممکن نہیں کسی سے　　تعریف اُس کی لکھے
توصیف اس خدا کی　　کیا لکھے مشت خاکی
مذکور جلوۂ ذات　　چھوٹا سا منہ بڑی بات
بس کر کہ تیرے بس کا　　یہ اللہ نہیں یہ قصہ

پھوپی نے تو بھتیجی کے سامنے باتوں ہی باتوں میں خاصا چھوٹا سا وعظ کہہ دیا۔ جیسی چھوٹی سی سننے والی۔ ویسا ہی چھوٹا سا وعظ۔ چُپکی بیٹھی مٹر مٹر پھوپی کا منہ تکتی رہی۔ دعا کا وقت آیا تو ننھے ننھے ہاتھ اُٹھا کر خدا کی تعریف بیان کرنے لگی۔ اتفاق کی بات ہے۔ جب تک وعظ ہوتا رہا۔ شاما بھی بیٹھی رہی اِدھر دعا ختم ہوئی اُدھر شاما پھر سے اُڑ یہ جا وہ جا۔ سچ پوچھو تو سنجیدہ کی

نہ یہ غرض تھی نہ یہ یقین کہ آج ہی دین کی باتیں اُسے گھول کر پلا دوں۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات مضمون تھا سچا۔ بات تھی اچھی بچی کے دل پر جم گئی منجھلی بہن کا یہ حال۔ اول تو وہ نو بجے کے بعد سو کر اُٹھے اور پھر چھوٹتے ہی ناشتہ کا سوال، جب تک کلا گرم نہ ہو کسی سے بات کرنی قسم، ذرا دیر ہوئی تو گھر بھر پر آفت۔ یہ توڑ وہ پھوڑ۔ اس کو مار اس کو دھاڑ۔ تن تازہ ہونے سے پہلے ٹھنڈے پیٹوں بات کرنی گناہ، کھا پی پیٹ آباد کیا اور گڑیوں میں جا داخل، کوئی مرے یا جیے اس کو وہاں سے اٹھنا حرام۔ کبھی کبھار بھولے بسرے اُٹھی بھی۔ تو ایک کو جھڑک، دوسرے کو ڈانٹ بہن کو نوچ بھائی کو کھسوٹ۔ غرض جس طرف نکلی تراہ تراہ مچ گئی۔ ماں شاکی، پھوپی نالاں، لونڈیاں حیران۔ مامائیں پریشان۔ لڑکی کیا عذاب تھا۔ جدھر گئی آفت۔ اور جس کی سر ہوئی جھاڑ کا کانٹا۔ خدا کا خوف نہ دنیا کا ڈر۔ ماں کا لحاظ نہ باپ کا وقر۔ ماں کو رہی مامتا۔ باپ رہا بے خبر۔ لڑکی ماشاء اللہ دن دونی رات چوگنی۔ ذرا سی غفلت میں کا بیل اور تل کا پہاڑ بن گئی۔ شروع میں علاج ہوتا تو آج یہ نوبت کاہے کو آتی۔ مرض ہوا لاحق۔ دوا کی نہیں۔ پردہ کھلتا گیا۔ زبان بڑھتی گئی۔ چھوٹی لپاٹن کٹر بے رحم۔ نکمی۔ کام چور۔ گستاخ، بے ادب۔ بے شرم۔ بے حیا۔ غرض پانچوں عیب شرعی موجود تھے۔ اُسی پیٹ کی اولاد اور اسی باپ کی بیٹی نسیمہ تھی۔ کہ ایک وعظ نے کندن بنا دیا۔ صبح منہ اندھیرے اُٹھی لوٹا بھر وضو کیا۔ اور پھوپی کے ساتھ جا نماز پر ہو بیٹھی۔ اِدھر پھوپی نے سلام پھیرا ادھر اُس نے گڑ گڑا کر دعا مانگنی شروع کی۔

(۴)

عید کے دن دوپہر کے قریب محلہ میں ایک موت ہوئی رجب گھر کا قدیم سقہ بڑوں کے زمانہ کا آدمی ایک ٹانگ سے لنگڑا۔ بڈھا پھونس آس پاس کے

ٹھکانوں میں پانی بھر بھر ایال بچوں کے پیٹ میں ٹکڑا ڈال دیتا۔ دو میاں بیوی ایک لڑکی۔ سستا سماں۔ برکت کے دن تھے۔ لشتم پشتم کسی طرح گزار لیتے۔ جاڑے کا موسم ضعیف آدمی۔ چار بجے صبح اٹھ کر پانی بھرتا۔ بخار اور بخار کے ساتھ پسلی میں درد ہوا۔ تل تار ٹوم چھلا جو کچھ موجود تھا۔ بیماری میں خرچ ہوا۔ مرا تو ایسا کہ گور گڑھا اور کفن دفن تو درکنار، ملتانی کے واسطے آدھی کی کوڑیاں بھی گھر میں نہ تھیں۔ نسیمہ خدا جانے کس کام سے کوٹھے پر جانکلی۔ بمایر کے گھر سے رونے کی آواز آئی۔ کھڑکی کھول کر دیکھتی ہے تو سقنی رو رو کر دیواروں سے ٹکریں مار رہی ہے۔ رو چکی تو خالہ سے کہنے لگی "اب کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں۔ کہاں کہاں بھیک مانگوں۔ برس کا برس دن۔ تہوار کا روز اپنی اپنی جگہ سب خوشیاں منا رہے ہیں۔ کون کس کی سنتا ہے۔ بڑے نواب صاحب کے ہاں گئی تھی۔ بیگم صاحب تو میری جان کو آگئیں میں نے تو بپتا سنائی۔ وہ لگیں خفا ہونے کہ تُو امیر ہے دل میں وہم آتا ہے۔ گھر کے مرد اللہ رکھے نماز کو سدھارے ہیں۔ تہوار کے دن میرے ہاں بیٹھ کے تو تُو رو نہیں۔ وہاں سے اٹھ حکیم جی کے ہاں آئی۔ وہ پوری طرح ابھی سننے بھی نہ پائی تھیں۔ چھوٹتے ہی کہنے لگیں۔ واہ ری خوب بی واہ! میرا بال بچوں کا گھر۔ تو بے نہائے دھوئے اندر گھس آئی۔ یتیم خانہ میں چلی جا۔ وہاں سے گور گڑھا ہو جائے گا۔ اپنا سا منہ لے کر چلی آئی۔ رستے میں تھی مسجد۔ ملا جی سے کہا پہلے تو وہ سمجھے سوئیاں لائی ہے۔ جھوری چینی کا بڑا سا پیالہ لے کر لپکے۔ میں نے حال سنایا تو اس طرح للکارا جیسے کوئی کتے کو دھتکارتا ہے۔ بچی کے کان میں چاندی کی بالیاں ہیں۔ ان کو بے جاتی ہوں مگر وہ بکس ہی کی کتنے کی۔ دو روپے کی تو جمع میں خریدی تھیں۔ اتنی دیر کا مردہ پڑا ہوا ہے۔ اور اس مسلمانوں کے محلہ میں کوئی اتنا نہیں کہ اول منزل کر دے"۔

اتنا کہہ کر خوبن کا جی بھر آیا۔ ہچکی بندھ گئی۔ بچی کو پاس بلا کر بالیاں اُتارنے لگی۔ تازہ چھدے ہوئے کان پک کر چھپے گئے تھے۔ پہلی بالی نے کان لہولہان کر دیا۔ نسیمہ کچھ دیر تو چپکی بیٹھی ٹھنڈے سانس بھرتی رہی۔ دل تو خوبن ہی کے بیان نے ہلا دیا تھا۔ لڑکی کے کان نے بالکل ہی بے قابو کر دیا۔ عیدی کے چھ روپے رکھے تھے۔ آئی صندوقچی کھول پانچ روپے نکال اوڑھنی کے کونے میں باندھے اوپر جا پیچھے پردے سے لٹکا کر کہنے لگی :۔ "یہ گرہ کھول لو" روپے دے آئی۔ تو پھوپی نے کہا :۔ بیٹی کیا لے گئی تھیں "؟

نسیمہ :۔ "جی کچھ نہیں۔ ایک چیز لے گئی تھی"۔

پھوپی :۔ "جب لے گئیں تھیں تو کچھ نہیں کیسا؟ اسی چیز کو تو پوچھتی ہوں کیا لے گئی تھیں"؟ نسیمہ نے پہلے تو کچھ تامل کیا۔ مگر جب پھوپی نے زیادہ اصرار کیا۔ تو سارا حال ڈرتے ڈرتے بیان کر دیا۔ سنتے ہی سنجیدہ نے نسیمہ کو کلیجے سے لگا لیا۔ اور کہنے لگی :۔ "میں اپنی بچی کے قربان نسیمہ بیٹی تم نے اچھا کام کیا۔ میرا دل بہت ہی خوش ہوا"۔ یہ کہہ کر کوٹھری میں گئی۔ تین اشرفیاں پانچ روپے لا کر دیئے اور کہا :۔ "تم اپنی صندوقچی میں رکھو۔ بتاؤ یہ کتنے روپے ہوئے۔ ایک اشرفی کتنے کی ہوتی ہے"؟

نسیمہ :۔ "پندرہ روپے کی ہوتی ہے"

پھوپی :۔ "پندرہ تیئے کتنے ہوئے؟ پندرہ کا پہاڑہ پڑھو"

نسیمہ :۔ "پندرہ تیئے پینتالیس"

پھوپی :۔ "اور پانچ"؟

نسیمہ :۔ "پچاس"

پھوپی :۔ "بس تو پانچ کے بدلے میں اللہ نے تم کو پچاس دیئے

ایک کے بدلے دس ہو گئے یا نہیں"؟

نسیمہ :- "جی ہاں پھوپی اماں! وہ ورونیا ستر ور عاقبت کے الگ رہے۔"

پھوپی :- "ہاں ہاں، شاباش شاباش۔ اچھا ایک بات تو تم بتاؤ۔ تم نے یہ روپے خوبن کے خوش کرنے کے لئے دیئے یا اللہ کو"؟

نسیمہ :- "پھوپی اماں میں نے فقط اللہ کے واسطے دیئے ہیں۔"

پھوپی :- "آؤ پھوپی کے گلے سے لگ جاؤ۔ اس سے زیادہ پاجی کوئی نہیں جو دے کر احسان جتلائے تم کو بھی معلوم ہے کہ رجب نے تمہاری کتنی خدمت کی۔ اور اس کا تمھارے اوپر کیا حق تھا۔ اس دکھ اور بیماری میں کہ ایک ٹانگ سے معذور تھا لکڑی ٹیکتا کنوئیں پر جاتا اور تمھارے لئے مشک بھر کر لاتا خود تکلیف اٹھا کر تم کو آرام دیتا۔ نگوڑا آج کل کا بھی تو نہیں چالیس برس کا سقہ گرمی کے دنوں میں جب پانی مٹکے میں اَدھن صراحی میں میل ہوتا تھا۔ کوس بھر سے اندارے کی ٹھنڈی مشک بھر کر لاتا تھا۔ چلے کے جاڑے میں جب دانت سے دانت بجتے تھے۔ ٹھنڈا پانی کندھے پر ڈھو کر لانا آسان کام نہیں ہے۔"

نسیمہ :- "مگر پھوپی اماں اس کو مہینہ بھی تو اسی کا ملتا تھا۔"

پھوپی :- "ضرور ملتا تھا۔ اور اس کا کام بھی یہی تھا۔ مگر پھر بھی جس طرح یہ لوگ ہماری خدمت کرتے ہیں ہم کو لازم ہے کہ ان کے وقت پر ہم کام آئیں۔ ہمارے اوپر بھی تو ان کا حق ہے اور خدا نہ کرے کہ کسی حق دار کا کوئی حق مارے تم نے جو کچھ کیا تم کو کرنا چاہیئے تھا بھی خیرات اسی کا نام ہے۔ یہ ہٹے کٹے موٹے تازے مسٹنڈے خنگر سے جو دن بھر بھیک مانگنے کی عادت

سکھانی ہے۔ خیرات کے قابل صرف وہ لوگ ہیں۔ جو سچ مچ کمانے سے بالکل معذور ہیں۔ اور خدا کا حکم بھی یہی ہے کہ مستحقوں کو دو۔ نالفتوں کو کھلانا اور حاجت مندوں کے حق مار کر ان بدمعاشوں کو دینا سخت گناہ ہے۔ ہم کو خدا نے دیا ہے۔ تو اسی لئے دیا ہے کہ بھوکوں کو کھلا کر کھائیں۔ نہ یہ کہ بھوکے بیچارے تو پیٹ سے پٹی باندھ کر پڑ رہیں اور یہ فیلسوف صبح سے شام تک سیروں آٹا اکٹھا کر لیں کہیں دلی بن جائیں کہیں پیرانی جی ہو جائیں۔ کسی کو راگ کسی کو ڈھو کہ خدا ایسے دغا باز فقیروں اور فقیرنیوں سے سب کو بچائے۔ یہ خالہ رحمت انہی کی ماری ہیں جو آج تک نہ پنپیں۔ ایک ٹھگنی کے ڈھب پر چڑھ کر دینی بہن بنیں۔ خدا تھی تو وہ رسول تھی تو وہ، اس کٹنی نے ہاتھ لگا سب اینٹھا اور مہینہ ڈیڑھ مہینہ خدمت کروائی سو الگ۔ میں ان مکاروں کے نام سے جلتی ہوں۔ اچھی خاصی ہاتھ پیروں سے تندرست صحیح ہوئی اور بھیک مانگنے نکل کھڑی ہوئیں۔ مفت کی روٹیوں کا مزہ پڑ گیا۔ نوکری کرے۔ اُن کی جوتی اور کام کرے اُن کا صدقہ۔ اُن کو دینا کنوئیں میں پھینکنا ہے۔ میں بہت خوش ہوئی کہ تم نے سچی خیرات کی۔ خدا تم کو ہمیشہ خوش رکھے۔ حق داروں کے حق اسی طرح سمجھنا اور کبھی اس بات کا خیال نہ کرنا کہ کسی کے ساتھ سلوک کرو۔ تو وہ احسان مانے۔ چلو ابا جان کو بھی سلام کر لو عید گاہ سے آ گئے ہوں گے۔

(۵)

آگے آگے پھوپی پیچھے پیچھے بھتیجی۔ کھڑکی میں سے نکل بڑے گھر میں آئے دیکھتی ہیں۔ تو وہاں عجیب تماشا ہو رہا ہے۔ منجھلی نے ایک کتیا کے گلے میں رسی کا ٹکڑا ڈال در سے باندھ رکھا ہے۔ اور لکڑیوں پر لکڑیاں مار رہی ہے۔ کتیا غریب در سے بندھی ہوئی کہیں بھاگ سکتی تھی نہ چھپ سکتی تھی۔

صبح سے جو مار پڑنی شروع ہوئی ہے۔ تو دوپہر قریب آگئی۔ بیالنس کی ہوئی کھیچی کے پرزے پرزے اُڑ گئے مگر مار دھاڑ ختم نہ ہوئی۔ مارتے مارتے تنگ آگئی۔ تھوڑی دیر دم لے لیا۔ اُٹھی اور پھر مارنا شروع کر دیا۔ بے زبان جانور نہ کچھ کرنے کے قابل نہ کہنے کے لائق۔ ایک ایک کا منہ حسرت سے تک رہی تھی۔ کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ ایسا رحمدل آجائے جو مجھے مصیبت سے بچا لے۔ ماماؤں بیچاریوں کی تو ہستی ہی کیا جو دم مار سکتیں۔ خود بدولت اماں جان کا یہ حال کہ ایک دفعہ منع بھی کیا تو جانور پر رحم کھا کر نہیں بلکہ اپنی تکلیف سے اکتا کر اور وہ بھی اس طرح "اسے ہے منجھلی بس چھوڑ دے، کیا موئی ہاروفی کتیا ہے۔ آواز ہے کہ کان کے پار ہوئی جا رہی ہے۔"

منجھلی "میں تو اس کی کھال اڑا دوں گی۔"

پھوپھی "اور تم نے اس کو پکڑا کیوں کر؟"

منجھلی "اور تم نے پہچانا بھی؟ ممانی جان والی کتیا ہے۔ میں تو اس سے بہت جلی ہوئی ہوں۔ اس دن میں تو اُن سے ہنسی ہنسی میں چھاپے چھین رہی تھی۔ آپ آئی مجھ پہ وہاں سے بھونکتی ہوئی میں تو اسی دن سے اس کی فکر میں تھی۔ بڑی مشکل سے ہاتھ آئی ہے۔ کیا لپالپ کر کے قلمی ٹکڑا کھایا ہے یہ چھچھی کتنا ہے یہ لو دیکھو"! اتنا کہہ کر لڑکی نے پھر مارنا شروع کیا۔

پھوپھی "بیٹی برس کے برس دن اچھا ثواب کما رہی ہو۔ یہ تو کوئی ایسا قصور نہیں ہے۔ تم نے اُن سے چھاپے چھینے وہ سمجھی یہ میری مالک سے لڑ رہی ہے۔ اپنے آقا کا دشمن سمجھ کر تم پر بھونکی، گناہ کیا کیا؟ تم زبردست ہو یہ کمزور تمہارے قبضہ میں ہے۔ اور پھنسی ہوئی۔ جتنا جی چاہے مار لو۔ مگر جس طرح آج تم اس پر حاوی ہو اسی طرح کوئی، تمہارا اور اس کا دونوں کا مالک بھی ہے۔ جو تم

سے بھی شہ زور ہے۔ مگر تم پر ترس نہیں آتا۔ تو طاقتور سے تو خوف کرو۔ جانوروں کا بنانے والا بھی وہی ہے جو آدمیوں کا۔ ان کو اس لئے نہیں بنایا کہ تمھارے ہاتھوں ایسی ایسی اذیتیں بھگتیں۔ کل دوپہر سے مار رہی ہو اور دل ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ کیا جانور بد دعا نہیں دیتے۔ اس سچے دربار میں جو ایک زبردست بادشاہ کا ہے۔ آدمی ہو یا جانور سب یکساں ہیں۔ جس طرح تمھاری سنتا ہے اسی طرح اُن کی سُنے گا۔ شاباش ہے تمھاری طبیعت کو کس دل سے تم ایک بے زبان جانور کو تکلیف پہنچا رہی ہو۔ تم نے تو سینکڑوں کھپچیاں ماریں اور بس نہیں۔ اگر کھپچی ایک کھپچی میں تمھارے لگادوں تو کیسی کہے۔ جانور پر رحم کرنا انسانیت کی ایک صفت ہے۔ آدمی کو ستاؤ گی تو وہ ایک کے بدلے چار سنائے گا۔ اور ہزار آدمیوں میں بات پہنچائے گا۔ کتیا بد نصیب تو اتنا بھی نہیں بتا سکتی کہ اتنی دیر کہاں رہی۔ ہمارے رسول مقبول صلعم نے تو ایک دفعہ اپنے ہاتھ سے ایک کتے کو جو پیاس کے مارے ہانپ رہا تھا۔ پانی پلایا۔ بلکہ ایک دفعہ کسی شخص نے چیونٹیوں کو جلا کر اُن کے بلوں میں بھوبل ڈالدی۔ آپ کو خبر ہوئی تو بہت ناخوش ہوئے۔ تم مسلمان ہو کر ایسی کٹر کہ جانور پر اتنا ظلم روا رکھا اور ہنستی پھر رہی ہو سبکتگین بادشاہ کا حال تم نے کیا خاک سنا ہو گا۔ بادشاہ تو وہ پیچھے ہوا ہے۔ پہلے تو بے چارا نرا سپاہی تھا۔ ایک دن جنگل میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک ہرنی اپنے بچے کو ساتھ لئے چرتی پھر رہی ہے۔ بچہ کو دیکھ کر سپاہی کا جی للچایا اور دل میں آیا کہ کسی طرح اس کو پکڑ لوں۔ بچہ بھاگ نہ سکتا تھا ہاتھ آ گیا۔ لے کر چلا تو پیچھے سے رونے کی سی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھتا ہے تو ممتا کی ماری اپنے بچہ کے واسطے چنچتی چلی آتی ہے۔ یہ دیکھ کر سبکتگین کا دل بھر آیا۔ فوراً بچہ کو چھوڑ دیا۔ ہرنی ہنسی خوشی اچھلتی کودتی۔ اپنا بچہ لے کر جنگل کو چلی۔ تھوڑی دور چلی تھی اور پھر پلٹ کر دیکھتی

تھی۔ گویا اس احسان کا شکریہ ادا کرتی تھی۔ اور دُعا دیتی تھی کہ جس طرح تو نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کیا تو بھی ہمیشہ خوش وخرم رہے۔ بات گئی گذری ہوئی۔ رات کو خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص کہہ رہا ہے سبکتگین تو نے آج خدا کی مخلوق پر رحم کیا۔ اور ہرنی کا بچہ چھوڑ دیا۔ یہ خدا کی درگاہ میں پسند آیا۔ اس کے بدلے غزنی کی بادشاہت تجھ کو عطا کی۔ مگر دیکھ بادشاہ ہو کر اپنی ہستی کو نہ بھول جائیو"

تم نے تو ایسا برا کام کیا جس کا اب کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ آدمی ہوتا تو معاف کروا لیتیں بے زبان جانور سے کیوں کر معاف کراؤ گی۔ کیسی چپکی بیٹھی دُم ہلا رہی ہے۔ کمبخت ڈر رہی ہے کہ دیکھئے اب کتنی دیر میں لکڑیاں پڑنی شروع ہوتی ہیں تم نے ایسے جانور پر ستم کیا جو آدمی سے بہتر ہے۔ نمک حلال وفادار۔ مر جائے مگر نمک حرامی نہ کرے۔ ایک دفعہ روٹی کا ٹکڑا دے دو، عمر بھر احسان مانے کتے کو تو خدا نے اس لئے بنایا ہے کہ آدمی اس سے عقل سیکھیں۔ عبادی دھوبن ایک دفعہ کا ذکر کرتی تھی۔ کپڑوں کی لادی رکھ بچے کے ہاتھ میں روٹی دے۔ لکڑیاں چننے چلی گئی۔ درخت پر بیٹھا تھا بندر روٹی دیکھ نیچے اتر آیا۔ چاہتا تھا کہ روٹی لے اُچکے۔ کتے نے دیکھا اور لپک کر بندر کو جا دبوچا۔ بندر تھا جُگادری، روٹی اور بچہ کو چھوڑ کتے کو لپٹ گیا۔ اور سارا لہولہان کر دیا۔ مگر کتے نے ایسی گردن پکڑی کہ نہ چھوڑنی تھی نہ چھوڑی۔ اسی طرح زمین پر پٹخنیاں دے دے کر مار ڈالا۔ ایسے جانور سے جس کے دل میں اپنے آقا کا اتنا درد ہو سبق سیکھو۔ ایک یہ جانور ہیں کہ اپنے مالک پر اس طرح جان چھڑکتے ہیں۔ ایک ہم آدمی ہیں کہ کبھی بھول کر اپنے آقا کا خیال نہیں آتا"

سنجیدہ بھائی اور بھاوج کی اولاد سب سے الگ تھلگ رہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ میاں اور بیوی اور بیٹے بیٹیاں ایک سرے سے آدے کا آوا ہی بدتمیز ہے۔ کیوں اس سے زبان ملائی اور دل جلایا۔ یہی وجہ تھی کہ ابھی تھوڑی بہت عزت یا بزرگی

شرم یا لحاظ اس کا قائم تھا۔ بھائی رشتہ میں چھوٹا۔ بھاوج برابر کی ہیلی۔ ساتھ کی کھیلی۔ چاہیئے تھا کہ وہ ان سے بلا تکلف ملتی، ہرگز نہیں۔ تیسرے، چوتھے، آٹھویں، دسویں۔ کھڑی کھڑی آئی، بیٹھی اٹھی چلی گئی۔ میاں بیوی کے معاملہ میں وہ دخل نہ دیتی۔ اولاد کے جھگڑے میں وہ نہ پڑتی اور اس لحاظ سے اس کی احتیاط نہایت درست اور بجا تھی کہ اپنی عزت اپنے ہاتھ ہے۔ کیوں ایک کہی اور دو سنیں۔ یہ کچھ تھوڑا سا وقر یا اور واقعی یا برائے نام باقی ہے۔ چار دن میں ختم ہو جائے گا۔ آج بھی خدا جلائے اس نے کیا جاتی دنیا دیکھی تھی کہ اتنا کچھ بولی۔ اور اگر سچ پوچھو تو اس میں بھی اس کی مصلحت تھی کہ "دھی رہی میں تجھ کو کہوں، بہوری تو کان دھر" منہ منجھلی کی طرف ضرور تھا۔ مگر کن انکھیوں سے نسیمہ کو دیکھتی جاتی تھی۔ وہ خوب سمجھتی تھی کہ منجھلی کی اصلاح میں بے چاری تو کس گنتی میں ہوں میرے فرشتوں کے بس کی نہیں۔ بڑھا ہوا دل۔ کھلی ہوئی زبان۔ پھٹا ہوا دیدہ۔ چھوٹے ہوئے ہاتھ، برسوں کے جمے ہوئے رنگ ایسے تھوڑی ہیں۔ کہ پوئے ہاتھوں صاف ہو جائیں۔ یہ امید کہ پھوپی کی اس جھک جھک کا منجھلی پر کچھ اثر ہوتا بالکل غلط، کیسا خوفِ خدا اور کس کی ندامت، وہ تو یہ انتظار کر رہی تھی کہ پھوپی کی باتیں ختم ہوں۔ اور میں جواب دوں۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ ماں تھوڑی دیر تک تو تند کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی۔ مرنے کا ذکر سنتے ہی تھرا اٹھی شامت جو آئی منہ سے اتنا نکل گیا۔ "آپا تم دیکھتی ہو۔ میرا تو کچھ بس نہیں۔ تہوار کا دن کوئی خیرات کر رہا ہے۔ کوئی خیر منا رہا ہے۔ اس نیک بخت نے صبح سے یہ اودھم مچا رکھی ہے۔ میری تو اتنی مجال نہیں کہ دم مار سکوں۔ چپکی بیٹھی دیکھ رہی ہوں۔ اور جل رہی ہوں۔" پھوپی کا تو خیر وہ سچ یا جھوٹ زیادہ یا کم کچھ نہ کچھ لحاظ کرتی یا نہ کرتی۔ گفتگو کے ختم کا انتظار اور جواب میں کچھ سوچ بچار کرنا ہی پڑتا۔ مگر ماں غریب تو ایک بات کہہ کر گنہگار ہوگئی۔ سب کو چھوڑ چھاڑ پیچھے جھاڑ چوماں کے پیچھے پڑی تو جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔ زبان تھی کہ الامان۔ ایک

منہ بلبیوں کوستے ۔ اور ایک سانس میں سینکڑوں فضیحتیاں :"آئیں بڑی بچاری وہاں سے ۔ مارتے ہیں تو ہم ، کٹتے ہیں تو ہم ۔ دوسرا حمایت لینے والا کون ؟ اسی واسطے میں کسی سے بولتی نہیں چالتی نہیں ، پھر کوئی مجھے کیوں کہے ۔ اس کتیا کے تو میں آج پرخچے اڑا دوں گی دیکھوں تو سہی کون روکتا ہے ۔"

اتنا کہتے ہی جو کُتیا پر پلٹی تو مارے کھیچیوں کے بھُرکس نکال دیا ۔ انگنائی میں پھوپی بھتیجیاں چبوترے پر کُتیا اور منجھلی ۔ دالان میں ماں ۔ باورچی خانہ میں ماما سب دم بخود کھڑے تھے ۔ ماں نے تو جیسا کہا ویسا پایا ۔ مگر پھوپی کو تو گویا سانپ سونگھ گیا ۔ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی ۔ کتیا اتنی پٹی کٹی ۔ مگر پھر بھی زندہ رہی ۔ اتنے میں میرزاہد بھی آگئے ۔ بھائی کو آتا دیکھ کر سنجیدہ بچی کا ہاتھ پکڑ اپنے ہاں چل دی ۔ تہوار کا لحاظ ماں باپ کی شرم ۔ اتنا اثر بیٹی پر ہوا کہ کُتیا کو چھوڑ کمرے میں گھس گئی ۔ مگر میرزاہد بہرے نہیں ، اندھے نہیں ، بیٹی کے بنکارنے کی آواز سات گھر پرے پہونچ رہی تھی ۔ وہ یا ہر ہی سمجھ گیا تھا ۔ کہ کہیں روزہ چمکتا ہے ۔ میرے ہاں عید چمک رہی ہے ۔ خدا خیر کرے ، خبر نہیں کیا آفت آئی ۔ سنجیدہ اس وقت تو بھتیجی کا ہاتھ پکڑ ساتھ لے گئی ۔ مگر وہاں پہونچ کر جو خیال آیا تو کہنے لگی :" نسیمہ جاؤ باپ کو سلام کر آؤ ۔ دیکھو ! ادب سے بیٹھنا ، جو کچھ پوچھیں اس کا جواب دینا ، خبردار جو کسی معاملہ میں دخل دیا ۔ نیچی نگاہ کر کے ایک طرف بیٹھ جانا ۔

(۶)

پھوپی کا حکم پاتے ہی نسیمہ ماں کی طرف چلی تو پھوپی نے کہا :" یہاں تو آؤ میں تو فقط تم کو دیکھ رہی تھی کہ خود بھی خیال آتا ہے یا نہیں ۔ اس طرح چھم چھم کرتے باپ کے آگے جاتا ۔ تم کو شرم نہیں آتی ۔ اب تم ایسی نادان نہیں ہو ۔ جو اتنی موٹی بات بھی نہ سمجھ سکو ۔ باپ کے سامنے اس جھنکار سے جانا ۔ شاباش بیٹی شاباش وہ تو مرد ہیں اور میں عورت ،

پھر ایک لحاظ سے پھوپی۔ ایک لحاظ سے ماں۔ مگر خدا کی قسم تمہارا یہ چھنکا مجھ کو زہر معلوم ہوتا ہے۔

پھوپی کی زبانی اتنا سنتے ہی نسیمہ پانی پانی ہوگئی۔ جھانجن چوڑیاں اتار پلنگ پر ڈالیں اور باپ کے سلام کو چلی۔ سنجیدہ، نسیمہ کے ایک ایک قدم کو نگاہ میں رکھتی تھی۔ جب تک وہ کھڑکی کے پاس پہونچی غور سے دیکھتی رہی۔ اترنا چاہتی تھی کہ پھوپی نے وہیں سے کہا: "نوج ایسی بے ڈھنگی بیٹی ہو کہ کسی چیز کا ٹھیک ٹھور ہی نہیں۔ جہاں چاہا اتار پھینکی۔ تم تو چھینک پھانک لبی ہو اور میں میٹھی رکھوالی کروں۔ تہوار کا دن آنے جانے والوں کا تانتا لگا ہوا ہے۔ دھوبن، بہشتن، ماما، بھنگن، بیسیوں انہاں خنیاں آجا رہی ہیں۔ ذرا نگاہ چوکی اور کوئی بغل میں رکھ چلتا ہوا تو بیٹھی رو تا۔ بیٹی ذات اور ایسی بدتمیز کہ کسی چیز کی سُرت ہی نہیں۔ لونگیاں لو قفل میں رکھو"۔ نسیمہ کو ٹھڑی کھولی چیزیں رکھنے چلی تو ایک ڈانٹ اور پڑی "کے دفعہ بتا چکی ہوں کہ اوڑھنی کا بکل سیدھی طرف لگایا کرو۔ مگر جب دیکھو وہی بیہودہ پنے سے بیٹی اُلٹی طرف کا پلا زیادہ رکھتے ہیں۔ سیدھی طرف کا بکل لگا اُلٹی طرف کا کندھے پہ ڈال لیا۔ مردوں کے سامنے تو ان باتوں کا خیال رکھا کرو۔ بے شرم باپ کے سامنے جا رہی ہے۔ اور سارا بازو کھلا ہوا ہے۔ آج باپ بھائی سے لحاظ کرو گی۔ تو کل دیور جیٹھ سے شرم آئے گی یہیں سے دیدہ ہوائی کیا تو وہاں کیا خاک ہوگا۔"

اوڑھنی ٹھیک کر کے ماں کے ہاں پہونچی۔ تو دونوں میاں بیوی سر جوڑے منجھلی کی بے تربیتی پر افسوس کر رہے تھے۔ میرزاہد بیوی پر الزام تھوپ رہے تھے۔ اور بیوی میاں پر سارا چھپر رکھ رہی تھیں۔ اتنے میں نسیمہ گلابی ململ کی ریشمی اوڑھنی آگے ٹھپا پیچھے چھپا کی توئی۔ بیچ میں گوکھرو کی پٹیاں۔ سبز ساٹن کا پاجامہ۔ موریوں پر چنبیلی کے جال کا ٹھپہ۔ آگے پانمڑی۔ گلابی ریشمین کرتہ گھیر میں توئی ٹھپا۔ کلیوں پر

ایک تاری پمپک گلے میں چمپا کلی۔ ہاتھ میں ٹھوس کڑے۔ لونگ ہیں ایک ایک پتہ بالی۔ دبے پاؤں۔ جھکی جھکائی سامنے آ باپ کے سلام کو جھکی، سلام کر چکی تو الگ کھڑی ہو گئی۔ باپ کو دیکھا تو پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ پنکھا ہاتھ میں لے پیچھے کے پیچھے جھلنے لگی۔ باپ نے عادی پانی مانگا۔ نسیمہ نے قلعی دار کٹورا لے جا کر پہلے خوب دھویا۔ پھر صراحی میں سے پانی الٹ اوپر نیچے ہاتھ رکھ سامنے لا کھڑی ہو گئی۔ بیٹی کی یہ تمیز داری دیکھ کر باپ کا دل خوش ہوا۔ پانی پی چکا تو اپنے پاس بلا کر کہنے لگا "او ہو بیٹی! تمھارے کپڑے تو ماشاء اللہ خوب ہیں۔ عید تو اصل میں تمھاری ہی ہے کہو عیدی کے کتنے روپے جمع ہوئے"؟

نسیمہ:۔ "چھ روپے ہوئے تھے جس میں سے پانچ اُٹھ گئے۔ اللہ نے مجھے پچاس اور دیئے۔ اب اکیاون ہیں"۔

باپ:۔ "پچاس روپے تم کو کس نے دیئے"؟

نسیمہ:۔ "پھوپی اماں نے۔ لیجئے وہ بھی آ گئیں"۔

پھوپی:۔ "پچاس کیا اگر پانسو ہوتے تو میں اپنی بچی پر قربان کر دیتی۔ رجب سقہ کا مردہ بے کفن پڑا تھا۔ اپنی عیدی میں سے اس نے پانچ روپے دیئے میرا دل اتنا خوش ہوا کہ بس میں ہی جانتی ہوں"۔

دونوں ماں باپ یہ سنکر دعائیں دینے لگے۔ باپ نے اسی وقت دس، ماں نے پانچ روپے نکال کر اور دیئے۔ پھوپی نے پوچھا "ہاں تو اب بتاؤ تمھارے پاس کل کتنے روپے ہوئے"؟

نسیمہ:۔ "اکیاون تو پہلے ہیں۔ دس ابا جان کے اکسٹھ پانچ اماں جان کے کُل چھیاسٹھ ہوئے"۔

باپ:۔ "سو میں کتنے کم رہے"؟

لنسیمہ:۔ "چھیاسٹھ اور چار ستر۔ ستر اور تیس سو۔ تیس یہ چار وہ۔ کل چونتیس رہے۔

باپ:۔ "تمھارے پاس سو روپے ہو جائیں۔ تو بس دھوم سے گڑیا کا بیاہ کر ڈالو۔"

ماں:۔ واہ اچھا دھوم سے کیا۔ وہ تو ایسی سوم ہے کہ خدا کی پناہ نگوڑی مٹھائی کی وو ڈلیوں کی بھی کچھ اصل ہے۔ آٹھ دن سُکھا کر رکھیں اور پھر بھی خبر نہیں کھائیں یا نہیں۔ وہ ایک ایک پیسہ جوڑ کے روپے کرتی ہے۔"

پھوپی:۔ "واہ بوا! سُوم کیوں ہونے لگی۔ کس کام کی وہ لڑکیاں کہ پیسہ ہاتھ آیا۔ اور چیل پیٹ ہیں۔ ایسے کھانے سے خاک نہ کھائے۔ خدا نہ کرے کہ کنواری بیٹی کو چک چک لونڈوں کا مزہ پڑ جائے۔ ہونا نہ ہونا تو سب ہی کے ساتھ ہے۔ لپکا پڑ گیا تو پھر نہیں چھوٹتا۔ چوری کرو یا قرض لو۔ میکے میں میا کا دوپٹہ سسرال میں میاں کی پگڑی بیچ باچ چٹ کر لو۔ دُور کیوں جاؤ۔ پڑوس ہی دیکھ لو نا۔ ادھر کا چھبن بار آنے کو جھینکا رہی ہے۔ اُدھر کچوری والی ڈیڑھ روپیہ کو پیٹ رہی ہے۔ کنجڑا الگ رو رہا ہے۔ کس کام کی وہ بیٹی جس کی وجہ سے دروازے پر تقاضا آئے۔ ان کو کھلانے والے ہم کیا مر گئے۔ بھلی بُری تازی، باسی جو میسر ہو پہلے یا پیچھے ہم! بیشک وہ تو کبھی اَدھی بھی نہیں اُٹھاتی میں خود ہی دو پیسہ روز کا سودا منگا دیتی ہوں۔ اس کے ہاتھ میں پہونچ جائیں تو وہ ان کو بھی جمع ہی میں ڈالے۔"

ماں:۔ "بی آپا تمھارا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ مگر یہ بات تو بتاؤ۔ ان گوٹے ٹھپوں پر تم تو ہمیشہ ناک بھوں چڑھاتی ہو۔ پھر یہ بچی کو کیوں مصالحہ میں لاد دیا اب یہ بوجھوں نہیں مر رہی ہے۔

پھوپی:۔ "میں اب بھی وہی کہتی ہوں۔ اور سچ کہتی ہوں تمھارے سمجھنے

ہیں۔ تم سب مجھ کو دیوانی سمجھو یا نہ سمجھو۔ میں تو کہوں۔ ہانکے پکارے کہوں۔ کھلے
خزانے کہوں۔ اور پنچوں میں کہوں کہ تم سب بے ایمان۔ خدا نے تو مرنے کے بعد بھی ان کا
آدھا حصہ رکھا تھا۔ تم نے جیتے جی ان کو لونڈیوں سے بدتر بنا دیا۔ سنا ہے کہ عرب میں
جیتی لڑکیوں کو گاڑ دیتے تھے۔ بلا سے وہ اچھا تھا یہ روز روز کے کچوکے اور ہر وقت
کی آفت تو نہ تھی کہ انار کا سالن تو بیٹوں کو۔ ڈھبر ڈھبر قلیا بیٹیوں کو۔ روغنی روٹیاں
اور تر بتر پراٹھے بیٹوں کے۔ بچا کھچا، رکھا رکھایا ان بچاریوں کے واسطے۔ کپڑوں کو
دیکھیے اپنی اپنی حیثیت کے بموجب اُجلے مہین نئے ثابت جو کچھ ہیں۔ پہلے بیٹے۔ وہ
نہ بچیں پھر چیتھڑا۔ یہ ماں کے گھر بیٹی گو وہ لینٹی۔ میں نے اپنی آنکھ سے بڑی حمانی جان
کے ہاں دیکھا ہے۔ اور آج تک یاد ہے۔ کہ برف والا بولا۔ بڑے نے سات اور چھوٹے
نے چھ قلفیاں چٹ کیں اور تینوں لڑکیاں بیٹھی منہ دیکھتی رہیں۔ جب وہ اچھی طرح
کھا چکے۔ نیت اور پیٹ دونوں بھر گئے تو حمانی جان نے کہا ایک ایک قلفی ان تینوں
کو لا دے۔ خدا کی قسم میرا کلیجہ کٹ گیا۔ جب بڑے نے آکر کہا "قلفیاں ہو چکیں" بُوا یہ
تو ساون کی چڑیاں ہیں۔ بیگ چہکا کر اڑ گئیں۔ جب تک ان کی تقدیر کا آب و دانہ ہے
بیٹھی ہیں جب اٹھ گیا۔ دوسرا گھر جا بسایا۔ پھر طرح طرح کی تکلیفیں اور مصیبتیں،
ذرا تو انصاف کرو۔ یہ جانوروں سے بدتر نکلیں۔ یہاں بھی ان کی خاطر مدارات نہ ہوئی۔ تو
یہ بھی کیا یاد کریں گی۔ کہ ہم دنیا میں پیدا ہوئے! ان کی تقدیر کا سکھ چین تو بس میکے
ہی تک سمجھو۔ سسرال جا کر بڑی بڑی رئیس زادیوں کو دیکھ لیا۔ ایمان نہ نگلو۔ ایک
دن خدا کو منہ دکھانا ہے۔ جیسے ان بچاریوں کے من مارے ہیں۔ اور ان کی مٹی پلید
کی ہے۔ خدا دشمن کی نہ کرے۔ کیسے ظلم کی بات ہے۔ جو سدا کے رہنے بسنے والے۔
گھر کے مالک و مختار۔ اُن کی تو یہ عزت کہ آنکھ تک میلی نہ ہو۔ اور وہ بیچارے مسافر
جو رستہ چلتے چلتے تھک کر رات کی رات دم لینے آ ٹھہریں۔ ان کی بات بھی نہ

میں فرق ہے۔ سینکڑوں روپے مصالحہ میں اینڈ کرنا۔ بیوی میری سمجھ میں تو آتا نہیں۔
میں یہ نہیں کہتی کہ دھوبی کے دھوئے ہوئے سفید کپڑے پہنو۔ مگر ہاں یہ ضرور کہتی ہوں
کہ مصالحہ سے لپسے ہوئے جوڑے صندوقوں میں سینت کر رکھنے حاصل دین نہ حاصل
دُنیا۔ تم ہی کہو تم کو کتنے جوڑے ملے کتنے کام آئے اور کتنے کیڑوں کی نذر ہوئے؟ میرا
ساڑھے چار سو کا چوتھی کا جوڑا یوں ہی رکھا رکھا غارت ہو گیا۔ اس ڈھائی ڈھوئی
میں ادھر تو دیمک کا ٹپکا اُدھر صندوق تھا پرانا۔ درازوں اور درزوں میں سے سارا پانی
اندر پہونچا۔ دوپٹہ اور پاجامہ دونوں گل کر آٹا ہو گئے۔ میں یہاں تھی نہیں۔ اماں جان
کو اللہ بخشے خیال نہیں رہا دھوپ دینے کی بھی نوبت نہ آئی۔ ایک تو وہ اور اس کی
لپیٹ میں سات اور سب اسی مینہ کی بھینٹ چڑھے۔ مصالحہ ٹانکو میں منع نہیں کرتی۔
مگر یہ ضروری نہیں کہ گرمی میں ایک تو ڈھائی پاٹ کا دوپٹہ اُوپر سے مصالحہ انبار وں،
پورے ایک ٹاٹ کا بوجھ ہو جائے۔ اور جو کہیں خدانخواستہ بیچنے کی نوبت ہوئی۔ تو
روپوں کا مال کوڑیوں کے مول۔ یہ سترہ اور اکیس جوڑے تم کو ہی پسند ہوں گے۔ میں اس
کو فرض نہیں سمجھتی کہ چاہے جان تک بک جائے۔ مگر جوڑے لپے ہوئے ہوں۔ تم ہنسو گی
تو سہی مگر میں سچ کہتی ہوں۔ یہ وضع وضع کی بیلیں اور طرح طرح کے کنارے تمھاری ان
کناریوں یا نکڑیوں سے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ خوبصورت سے خوبصورت صوفیانے
کے صوفیانے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے۔ کہ کنواریوں' بیاہیوں میں بھی کچھ فرق
ہو گا یا نہیں؟ وہ اپنی گھر والی گھر بیٹھیں برتیں آزاد مختار۔ جتنا چاہیں اوڑھیں جو چاہیں
بنائیں یہ بیچاریاں ماں کی محتاج باپ کی دست نگر جو ہاتھ اٹھا کر دے دیا وہ لے لیا۔
اُن کے دل رکھنے کا وقت تو یہی ہے۔ چار پانچ برس کی مہمان سمجھ لو۔ پھر خدا جانے تقدیر
میں کیا لکھا ہے۔ کوئی بھلا مانس مل گیا۔ عزت آبرو سے گزر گئی۔ کسی بدذات سے پالا
پڑا۔ ہر وقت کی سوختنی میکے میں بھی ان کی بات نہ پوچھی گئی۔ تو سو بدنصیبوں کی بدنصیب

پُوچھو۔ لو! بیٹیوں کے لئے تو میکہ سرائے سمجھو۔ چڑیاں رین بسیرا ہے۔ صبح ہونے کی دیر ہے۔ ادھر نقارہ بجا اُدھر کوچ۔ پھر یہ کہاں اور تم کہاں؟ تم کو تمھارے بیٹے مبارک۔ تمھارا گھر نصیب۔ بیاہی بیٹی پروسن داخل! بیٹے تو جو بتاں ماریں گے اور لیں گے۔ اور عمر بھر لیں گے۔ زندگی کی کمائی بیٹے۔ ہزار برس کی ہیو ہو۔ گھر کا کوڑا بیٹی جھاڑو دی نکال پھینکا۔ اللہ رکھے تم بھی اولاد والی ہو۔ خدا بچوں کی عمر میں برکت دے۔ ایمان سے کہنا جتنی رفاقت کی بُو ان بے زبانوں سے آتی ہے۔ لڑکوں میں بھی پاتی ہو؟ پھر اس مجبوری اور بے بسی کو دیکھو جس کے سر چاہا چپیک دیا۔ جہاں جی چاہا پٹخ دیا۔ ہر حال میں راضی ہر جگہ خوش۔ بی سعیدہ ہی کو دیکھ لیا۔ سینکڑوں کوس دُور جا پڑیں۔ کس میں اتنا بوتا ہے کہ تین سو روپے خرچ کرے اور بُلائے۔ بال بچوں کے جھگڑوں میں ایسی پھنسیں کہ سب بھول بسر گئے۔ آرام کے دن اور سُکھ کا وقت تو بس وہی تھا جو میکے میں کٹ گیا۔ اماں باوا کی صورت دیکھنے کو دل نہ تڑپتا ہوگا؟ بہن بھائیوں سے ملنے کو جی نہ چاہتا ہوگا؟ مگر کس سے کہے اور کیا کہے؟ نہ آنے والی میں اتنی ہمت نہ بلانے والوں میں اتنی طاقت۔ ہم یوں گئے۔ وہ یوں گئیں۔ ہم یہاں تڑپیں وہ وہاں تلملائے۔ چلو چھٹی ہوئی۔"

(۷)

بھاوج غریب نے تو آمد سخن ایک بات کہہ دی تھی۔ اُس کو کیا خبر کہ نند ایک داستان شروع کر دے گی۔ کچھ دیر تو بیٹھی سنتی رہی۔ مگر نند کی باتیں تھیں۔ ایک چھوڑ تین تین بیٹیاں آگے۔ کچھ ایسا ممتا کا جوش ہوا کہ بے اختیار ہو گئی۔ نسیمہ سے چار آنکھیں ہونا تھا کہ آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ دوڑ کر گلے لگا لیا۔ اور لگی بلائیں لینے۔ میر زاہد بیچارے سیدھے سادھے بھولے بھالے۔ ادھر تو بہن کی لچھے دار تقریر۔ اُدھر بیوی نے شروع کیا رونا۔ نرم دل تو تھا ہی دل بھر آیا پہلوٹی

کی بیٹی سعیدہ کالے کوسوں حیدر آباد بیٹھی تھی۔ کچھ اس کی جدائی کا خبد کچھ منجھلی کی شرارتوں کا ملال، دل ایسا بے قابو ہوا کہ ہچکی بندھ گئی۔ بھائی کو رو۔ بگیھ بہن کو بھی تاب نہ رہی۔ اِدھر بھائی بہن اُدھر ماں بیٹیاں چاروں دیر تک روتے رہے مگر صد آفریں اس کتر منجھلی کو یہ کچھ ہوا کہ مامائیں تک پسیج گئیں۔ مگر وہی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس پر طرّہ یہ کہ ماما کی لڑکی کو دیا پیسہ کہ لونگ چڑے لا دے۔ چھ برس کی جان۔ عید کا دن۔ کبابوں کا دونا ہاتھ میں۔ اِدھر اُدھر دیکھتی بھالتی چلی آتی تھی۔ نکڑ پر آئی تو اوپر سے چیل نے ایسا جھپٹا مارا کہ کباب پنجہ میں اور دونا موری میں ہاتھ میں خون نکلا سو الگ۔ غریب روتی بسورتی گھر میں آئی۔ صاحبزادی بلند اقبال کے دربار میں تو کس کی مجال تھی کہ دم مارتا۔ لڑکی ڈر سے لگی ٹسوں ٹسوں کرتی اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ پوچھا "کباب لائی۔" جھپٹے کا نام سنتے ہی ایک ایسا دھکا دیا کہ بچی لڑکھتی پڑکتی انگنائی میں پہونچی۔ اُدھر منجھوں کی کھڑ بیچ اِدھر دھکے کی چوٹ اُوپر سے بڑا دھتڑ۔ بلبلا اُٹھی۔ ماما تو امیر اور غریب سب ہی کی ہوتی ہے۔ بیٹی کی یہ کیفیت دیکھ کر ماما سے صبر نہ ہوسکا گھبرا کر اٹھی۔ اور بگڑ کر کہنے لگی "اے ہے منجھلی وہ تو بھی گیر ا ہی ہے چیلیں نامرادیں تو بڑے بڑے مردوں کے ہاتھوں سے چیزیں لے جاتی ہیں۔ ایک پیسہ کے واسطے آپ نے بچی کو ہلکان کر دیا۔ اس کا ہاتھ تو پہلے ہی لہولہان ہو رہا ہے۔ برس کے برس دن نگوڑا اتنا سا راجبتا جیتا خون نکل گیا۔

منجھلی:- "لہولہان کیا۔ میں تو اس کو جان سے مار ڈالوں گی میرا پیسہ مفت کا تھوڑی ہے کہ کباب کھا۔ دونا چاٹ جھوٹ موٹ لسوے بہانے چلی آئی۔ بڑی سوٹھیا مراف ہو تو میرا پیسہ دے دو۔"

دن دھاڑے کا معاملہ بیچ انگنائی کا ذکر۔ ٹھیک دوپہر کی بات اماں اور بیٹی انا اور ماما کون تھا جس نے یہ سیر نہ دیکھی اور غل نہ سنا۔ چور کی ماں گھٹنوں

میں سر دے اور روئے۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر چپ ہو گئے کس کے سر پر اتنے بال تھے کہ الف سے بے کرتا۔ دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ کسی نے ہنس کر کہا۔ کسی نے رو کر بٹوہ کھول پیسہ نکال آگے ڈال دیا۔ اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ باورچی خانہ میں چلی گئی۔

گرمی تڑاقے کی پڑ رہی تھی میر صاحب عیدگاہ کی تھدکان۔ رونے کی کوفت پلنگ پر بیٹے اور لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ باپ کو سوتا دیکھ نسیمہ پنکھا لے پاس بیٹھ گئی اور جھلنے لگی۔ آنکھ کھلی تو ظہر کا وقت تھا۔ اذان کی آواز آتے ہی سنجیدہ بھتیجی کو ساتھ لے اپنے ہاں آئی۔ دونوں نے وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ پڑھ چکی تو سنجیدہ نے کہا۔ "بیٹی نسیمہ تم میری باتوں پر پھول نہ جانا وہاں تو میں تمہارے ابا کے سامنے لڑکیوں کی حمایت لے رہی تھی۔ لیکن سچ پوچھو تو اچھی یا بری جیسی بیٹی ہو گی۔ ماں باپ بھر پا ہی گے۔ گائے کو سینگ وو بھر نہیں ہوتے۔ پھر بیٹے سے منہ ان لڑکیوں پر مر بچا جاتی ہیں کہ ماں باپوں کے پاس چند روز کی مہمان ہیں۔ اور وہ ماں کی گردیا اماں جیسی چیز کہ اگر دنیا چھان مارو اور زمانہ ڈھونڈ ڈالو کہیں میسر نہیں۔ نام سے بیزار ہو جائے۔ کیسی محنت اور مصیبت سے پالا پوسا۔ پڑھایا لکھایا۔ اتنا بڑا بوجھ گھنٹوں بھی تو نہیں مہینوں پیٹ میں رکھا۔ گو دیں عیش و آرام سب حرام کیا۔ کھایا تو پرہیز سے۔ پیا تو احتیاط سے۔ دنیا میں منوں اور انباروں میوے اور ترکاریاں بکیں اور آئیں۔ مگر بچی والی کے دل سے پوچھو کیا کھایا۔ آم وہ نہیں کھاتی۔ برف وہ نہیں چکھتی۔ کھیرے۔ ککڑی خربوزے تربوز اس کی طرف سے ہوتے نہ ہوتے دونوں یکساں۔ لوگوں کے کہنے سننے سے ارادہ بھی کرتی ہے۔ پھر خیال آتا ہے۔ "ثقیل" ہیں۔ قربان کئے خربوزے۔ چولہے میں گئے۔ تربوز۔ خدا میری گود بھری رکھے۔ اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو گی۔ پھر ذرا یہ کہ نہ کسی کا ظلم ہے نہ

زبردستی۔ جو کچھ ہے وہ اپنی خوشی سے اور دلی محبت اور مامتا سے۔ بستی کو دیکھو چکی کا ہتھا ہاتھ میں ہے۔ بچہ برابر میں پڑا ہے۔ اور دیکھ دیکھ کر نہال ہوئی جاتی ہے۔ نہ اپنی تکلیف کا خیال نہ اپنی مصیبت کی پرواہ۔ برابر پنکھا جھلے جا رہی ہے۔ جب پیس کر فارغ ہوئی۔ اور بچہ کو کلیجہ سے لگا کر دودھ پلایا۔ اس وقت اس کا دل دیکھو یہ بادشاہ سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی گود میں ایسی نعمت ہے کہ سلطنت ہو تو اس پر قربان کر دے۔ یہ مامتا ہی کا جوش تھا کہ اس وقت بیچاری بلاقن نے تمھاری منجھلی آپا کے آگے پیسہ نکال پھینک دیا۔ لو سامنے اس چڑیا کو دیکھو تم کو معلوم ہو جائے گا۔ مامتا کیا چیز ہے موکھے میں بچہ بیٹھا ہے۔ ادھر اُدھر سے جو کچھ دانا دُنکا ہاتھ لگتا ہے۔ چگ چگا کر لاتی ہے اور اس کے پوٹے میں ڈالتی ہے۔ اے ہے نسیمہ ذرا دیکھو تو سہی بچہ کس طرح ماں کے آگے بازو اور پر پھیلا کر چیں چیں کر رہا ہے۔ جانتا ہے کہ مامتا کی ماری کہیں نہ کہیں سے چُرا چھپا اپنی جان جوکھوں میں ڈال کچھ نہ کچھ ضرور لے کر آئی ہے۔ تم بڑی خوش نصیب ہو اور خدا تم کو سدا ایسا ہی خوش نصیب رکھے کہ تمھارے پاس یہ نعمت موجود ہے۔ ہمارے چاہنے والے جن پر ہر طرح کا زور تھا۔ جنت میں جا سوئے۔ جب تک زاہد میاں باہر رہتے تھے۔ اماں جان اللہ بخشے بیسیوں ہی دفعہ خیر صلاح سے لوٹنے کی تسبیح پڑھتی تھیں۔ اب جہاں چاہیں خاک اڑاتے پھریں۔ کون پوچھنے والا بیٹھا ہے۔ یوں تو جس کے ساتھ سلوک کرو۔ وہی فرماں بردار اور عاشق زار بننے کو موجود۔ مگر ایسے دُعا گو کہاں ؟ سوتے جاگتے" اٹھتے بیٹھتے پاس ہوں یا دُور۔ یہی ارمان کہ اقبال میں ترقی۔ عمر میں برکت اگلے ہی برس کی تو بات ہے تم کو کیا یاد نہ ہوگا۔ جب شام کو بکری چر کر آتی تھی۔ دن بھر کے چھوٹے ہوئے بچے کس طرح ماں کو لپٹتے تھے۔ اور کیسی محبت سے وہ اُن کو چاٹتی تھی۔ جس وقت وہ کُھلوا سے بچے اُچھل اُچھل کر دودھ پیتے تھے۔ اس وقت جیسا بکری کا دل باغ باغ ہوتا ہوگا۔ اس کی قدر مامتا ہی والے

کر سکتے ہیں۔ جب غدر پڑا۔ او ہم سب لوگ بھاگ کر وزیر آباد گئے ہیں۔ کیسی حویلی اور کس کے مکان۔ ایک ٹوٹے ڈھنڈے تکیہ میں رات کو بسیرا کیا۔ خدا وہ وقت دشمن کو نہ دکھائے مت ہی سرت پر جان تھی۔ ان کھنڈروں میں جہاں جہاں رات بھر اُلو اور گیدڑ بولتے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے چبوترے اور کچی پکی قبروں پر اپنے دوپٹے بچھا اینٹیں سرہانے رکھیں۔ اور بھوکے پیاسے پڑے رہے۔ بوا تم بھی ساتھ تھیں۔ ان کی ایک بچی سلمہ جو اسی کمبخت غدر کی بھینٹ چڑھی۔ گو دیر تھی۔ وٹیھو پوتے دو برس کی ہو گی جس مصیبت سے ان بیچاری نے رستہ طے کیا ہے میں کیا بتاؤں۔ ڈھیلے پائنچوں کا پاجامہ چار پانچ کوس کی ربڑ گود میں بچی۔ ایک ایک قدم بھاری۔ ہماری بیویاں لپک لپک کر آگے بڑھی جا رہی تھیں اور وہ بیچاری کبھی پائنچے اٹھاتیں کبھی بچی کو سنبھالتیں۔ یوں تو ہم سولہ سترہ بیویاں تھیں۔ مگر سب کی سب کچھ ایسی گھبرائیں اور سٹ پٹائیں کہ جو تھا وہ اپنے سے بدتر کیسی سخت مصیبت کا سامنا تھا۔ ادھر تو کالے اُدھر سے گورے۔ اور بے تحاشا گولیوں کا سن سن کر کے کانا۔ جانو کا خدا حافظ اور دلوں پھر کان کے برابر سے گولیوں کا سن سن کر کے کانا۔ جانو کا خدا حافظ اور دلوں کا اللہ بیلی تھا۔ مامتا کا حال معلوم کرنے کا وہ وقت تھا۔ گرمی کے دن تھے۔ دوپہر کا وقت دھوپ اس شدت کی کہ چیل انڈا چھوڑے۔ سلمتی بدہب کی جوتی بھی اس بھاگڑ میں گر پڑی۔ لو کے وہ جھکڑ کہ الٰہی توبہ۔ مامتا کی ماری بچی کو گلے سے لگائے چلی جا رہی تھی۔ آپ ننگی ہوئی دوپٹہ اتار چار تہہ کیا۔ اور لڑکی کو اوڑھایا۔ کہ لو کے جھونکوں سے کچھ بچے۔ دونوں ہاتھوں سے چھپائے کلیجے سے لگائے جھکے جھکے پڑھ پڑھ کر پھونکتی جاتی تھی۔ اور کہتی جاتی تھی کہ "الٰہی میری ننھی" کی خیر "کس وقت اور آفت سے وہ کٹھن رستہ طے کیا ہے کہ خدا کی پناہ چھٹ پٹا وقت ہو گا۔ جب ہم یہاں پہنچے قبروں کے ڈھیر اور خاک کے تودوں کے سوا کھانے پینے کو اللہ کا نام۔ بچی ہر تو پڑی چار پہر کی دھوپ اُدھر پیاس کا جلنا بھلتا دودھ، گرمی کے دن، رات وقت،

ہوا بند، بچے یوں ہی پھول پان ہوتے ہیں۔ کوڑھ میں کھاج۔ مفلسی میں آٹا گیلا۔ لڑکی کو پیاس ہو گئی۔ اب پانی کے واسطے اس بچی کا بلبلانا۔ ایک تجنج آسمان اور ایک زمین۔ تم ابھی بچہ ہو کیا سمجھو گی۔ مگر مجھ کو آج کی گھڑی تک یاد ہے کہ اس ڈیڑھ برس کی چھنگلی کی ماںتا نے ماں کی جان پر بنا رکھی تھی۔ چاروں طرف پریشان پھر رہی تھیں۔ اور ایک ایک سے پوچھتی تھیں "کیوں بھئی یہاں کہیں پانی بھی مل جائے گا" بھلا وہاں پانی کہاں۔ وہی بی سلتی جو دن دہاڑے کوٹھری میں اکیلی جاتی ڈرتی تھیں۔ اندھیرا گھپ جنگل بیابان جدھر منہ اٹھا نکل کھڑی ہوئی۔ اس ننھی سی جان پر اپنی جوان جان قربان تھی۔ چور کا کھٹکا نہ سانپ کا ڈر۔ بچی کو کندھے سے لگا گاؤں کی طرف پڑیں۔ کسی اللہ کے بندے نے رحم کھا کر پانی دیا۔ جب وہاں سے لوٹیں ہیں۔ گود میں بچی ایک ہاتھ میں مٹی کا لوٹا پانی بھرا ہوا۔ بیٹھ بیٹھ کر یہاں پہنچیں۔ بچی اتنی دیر جو بالکل ہلکان ہو گئی۔ ادھر ملا پانی اُدھر سے ٹھنڈی ہوا اور سب سے بڑا ماں کا پکھوا۔ آنکھ لگ گئی۔ ہم سب پڑ کر سو گئے مگر اس اللہ کی بندی کو پلک جھپکانی حرام تھی۔ ٹانگیں شل ہاتھ پاؤں تختہ۔ کمر پھوڑا۔ ایک رُخ بیٹھے بیٹھے گود بھی تھک گئی۔ بہتیرا ہی کہا۔ مگر اس کے دل نے گوارا نہ کیا کہ بچی بے چین ہو۔ وہ آفت اور مصیبت کچھ بھی یاد نہ رہی۔ بچی گود میں کیا تھی گویا خدا کی نعمت تھی جھک جھک کر پیار کرتی تھی۔ اور بلبلا کر دعائیں مانگتی تھی۔ رات بھر تو لڑکی خاصی اچھی طرح سوتی رہی۔ صبح کو بھی اچھی تھی۔ دوپہر سے بگڑ گئی۔ خدا جلے لو لگی۔ پیاس ہوئی۔ شام تک تو ہاتھوں میں تھی۔ ماں کی نگاہ بچی کے چہرے پر تھی۔ جب بے بسی کے عالم میں کراہتی تھی تو کلیجہ پر ماںتا کی چھریاں چلتی تھیں۔ منہ پر منہ رکھ دیتی تھی رو رو کے بھینچتی اور کہتی تھی۔

"میرے اللہ مجھ دکھیاری پر رحم کر اے میرے اللہ میری بچی کو اچھا کر دے دُعا مانگ کر پیٹ پر دَم کر رہی تھی۔ کہ لڑکی نے آنکھ کھولی۔ اس وقت کی حالت

بیان کے قابل نہیں۔ کس محبت سے چمٹی اور رو کر کہا: "اے سلمہ میں ماں نہیں لونڈی ہوں۔" ابھی ماں کی التجا ختم نہ ہوئی تھی کہ لڑکی کو ایک ہچکی آئی۔ اور ماں کی صورت تکتی ہوئی ہمیشہ کے واسطے گود خالی کر دی۔ اِدھر اُدھر کی عورتیں تو دن ہی میں گاؤں کو چلی گئی تھیں۔ بس ہم گنتی کے پانچ آدمی وہاں تھے۔ ہر چند سب نے سر پٹکا کر۔ مگر اس مصیبت زدہ نے بچی کو گود سے نہ اُتارا اور رات بھر مردے کو کلیجے سے لگائے رہی۔ میں نے جب صبح کی نماز کا سلام پھیرا ہے۔ دیکھتی کیا ہوں۔ گُم سُم بیٹھی لڑکی کے منہ کو ٹکٹکی باندھے تک رہی ہے۔ میرا پاس جا کر بیٹھنا تھا کہ ایک چیخ ماری اور یہ کہہ کر بے ہوش ہو گئی، ہائے آپا اُٹھو۔ میری بیگم کو جنگل میں سلا دو۔

سمجھیں بیوی نسق! یہ ہے ماں کی مامتا۔ ماؤں ہی کا دل جانتا ہے۔ جیسی جیسی مصیبت اُٹھانی پڑتی ہے۔ بچہ کا پنڈا پھیکا ہوا۔ اور ماں کا خون خشک۔ ہاتھ پاؤں مارتے لئے ہُمک کر گود میں آگیا۔ اور خون چلوؤں بڑھ گیا۔ اپنے تئیں گیلا، اُسے سوکھا۔ آپ دُکھ، اسے سکھ۔ ذرا جی بے مزہ ہوا اور جان پر بن گئی۔ دوائی ٹھنڈائی چھانٹی اور بنائی پیسی اور پلائی کیا کیا بتاؤں۔ ایسی خدمت گزار عورت جس کو ماں کہتے ہیں۔ اسی لائق ہے کہ جب بیٹیاں پل پلا کر بڑی ہو جائیں۔ تو سامنے کھڑی ہو کر زبان چلائیں؟ زمین کا پیوند ہو جائیں۔ ایسی ناگنی اور کمینی بیٹیاں! دنیا میں روپیہ پیسہ عیش و آرام گہنا پاتا۔ کپڑا لتہ سب چیزیں میسر آجاتی ہیں۔ مگر نہیں ملتے تو ماں باپ، آؤ تم کو ایک کہانی سناؤں!

ایک دن لڑتی ہوئی دو عورتیں — آئیں عادل شاہ کے دربار میں
ایک ننھے بچے پر تکرار تھی — دونوں اس معصوم کی تھیں مدعی
شاہ نے ہر چند سمجھایا انھیں — تاکہ جو قصہ ہو وہ سچ سچ کہیں
پھر بھی لیکن یہ کہا ہر ایک نے — "میرا بچہ ہے، عنایت ہو مجھے"

آخرش کچھ سوچ کر شہ نے کہا
"ہم ابھی آتے ہیں تم ٹھہرو ذرا"

کہہ کے یہ تشریف اندر لے گئے
اور اس بچہ کو بھی لیتے گئے

کوئی دس بارہ منٹ میں لوٹ کر
آ کے بیٹھے بادشاہ پھر تخت پر

ایک خادم کی بغل میں ساتھ تھا
ایک صندوق آبنوسی خوش نما

شہ نے وہ صندوق رکھا روبرو
اور یہ کی عورتوں سے گفتگو

"اب بھی گر دونوں ہی نے دعویٰ کیا
تو بڑا نقصان ہوگا دونوں کا

بند ہے وہ بچہ اس میں دیکھ لو
کس کا ہے تم دونوں میں سے سچ کہو

جس کا ہے لے لے وہی ایمان سے
ورنہ پھر کیا فائدہ نقصان سے"

باوجود اس کے کہا ہر ایک نے
"میرا بچہ ہے مجھ ہی کو دیجئے"

نزد دربار ایک دریا بہتا تھا
بادشاہ نے خادموں سے یہ کہا

"پھینک دو دریا میں اس صندوق کو
اور پھر ان دونوں کو بھی ڈال دو"

پھینک کر صندوق شاہ کے حکم سے
آئے خادم عورتوں کے واسطے

ایک تو بس جیتے جی ہی مر گئی
ایک خود دریا میں فوراً جا پڑی

اور جا لپٹی اسی صندوق سے
تاکہ اس کو ڈوبنے بہنے نہ دے

شاہ نے فوراً نکلوایا اسے
اور یہ تاکید کی خدام سے

"لاؤ اس بچہ کو اندر سے ابھی
اصل میں اس بچہ کی ماں ہے یہی"

شہ نے اس کا بچہ اس کو دے دیا
اور اس میں یہ سنایا فیصلہ

"مستحق بچہ کی ہے یہ نیک بخت
دوسری کو دس برس کی قید سخت"

دے کے بچہ ایک کو رخصت کیا
دوسری کو قید میں ڈلوا دیا

دس ٹکیاں آگے ڈال کر کہا "حروف بناتی جاؤ" اور کھاتی جاؤ ایک مہینہ ہی بھر میں الف سے لیکر ی تک سارے حروف ایسے ذہن نشین ہوئے کہ دس بیس کیا ایک ہزار میں چھپا دو تو جو حرف کہو الگ نکال لائے۔ حرف اچھی طرح پہچان چکی تو سنجیدہ نے اپنے ہاتھ سے گڑیا بنائیں۔ ماتھے پر نام لکھے۔ چمنی کا نام خانم۔ گڈے کا احمد۔ گڑیا کا رحمت کسی کا کلن۔ کسی کا سوسن۔ کسی کا مریم کسی کا اسلم۔ گھر بنایا تو ایسا کہ اس اتنی سی خانم منزل میں ضرورت کی تمام چیزیں، سرکنڈے کی تیلیوں کا پنکھا۔ ٹاپی کے پردے۔ نواڑی پلنگ۔ بان کی چارپائی۔ مٹکا گھڑونچی۔ لوٹا۔ صراحی۔ توا۔ پھکنی۔ کرچھا۔ کڑھائی۔ گرمی کا سامان الگ جاڑوں کا اسباب جدا۔ ہر چیز پر نام لکھا۔ ڈھنگ سے رکھی۔ قرینے سے لگی۔ غرض پڑھنے پڑھانے کا تو اس نے نام بھی نہ لیا۔ اور کھیل ہی کھیل میں کمال کیا کہ چار حرف تک لفظ کیسے مشکل کیوں نہ ہوں مجال نہیں کہ اٹک جائے۔ رات کو ساتھ لے کر لیٹتی تاروں کا ذکر کرتے کرتے دوزخ جنت زمین آسمان سب کے معنی بتا دیئے۔ دن کو پاس لے کر بیٹھتی کھانا پینا۔ ملنا جلنا۔ ہر ایک کے متعلق تمام حالات سناتی گئی۔ لڑکی ذہین ایسی کہ جو بات ایک دفعہ سن لی۔ ایسی ذہن نشین ہوئی کہ پھر نہ بھولی۔ سات برس کی نسیمہ تو اردو کی تیسری اور چوتھی ماشاءاللہ فرفر پڑھتی تھی۔

تصویروں کا شوق بچوں کو قدرتی طور پر ہوتا ہے۔ سنجیدہ یہ نئی ترکیب کرتی تھی۔ رسالوں پر سے چھپیاں اتاریں اور چٹھی کے نیچے موٹی موٹی تین چار سطریں لکھ دیں۔ دو ایک باتیں منہ زبانی بتا کر ایسی چاٹ لگا دی کہ جب تک سارا حال نہ پڑھ لیتی چین نہ پڑتا۔ تصویروں کا شوق۔ نئی کتابوں کا ذوق۔ نسیمہ تو کتابوں کو ایسی لپٹی کہ سنجیدہ کا بھی جی اکتا گیا۔ دن ہو یا رات، صبح ہو یا شام جب دیکھو کتاب ہاتھ میں نگاہ حروف پر۔

تم نے دیکھا؟ کیسی کودی دوڑ کر — مامتا کا ایسا ہوتا ہے اثر
جان کا اپنی نہیں بالکل خیال — لیکن اس بچہ کا تھا از بس ملال
ماں کے رشتہ سے بڑا رشتہ نہیں — ماں سے بڑھ کر چاہنے والا نہیں
جاگنا راتوں کو بچہ کے لئے — اور پھرانا گود میں لے کے اُسے
بے مزہ ہو کچھ اگر بچہ کا جی! — پھر نہ پوچھو اس کے دل کی بے کلی
اور بچہ دودھ پیتا ہو اگر — اور اس کے پیٹ میں ہو کچھ کسر
یا اگر ہو جائے بچہ کو زکام — تو اسے دنیا کی سب چیزیں حرام
کھانے میں پینے میں دن اور رات میں — جاگتے میں سونے میں ہر بات میں
الغرض ہر وقت ہے اس کو خیال — یہ نہ ہو تکلیف پائے میرا لال

کس کو ہے ماں کی محبت میں کلام
بس یہاں سا اشکل کرو قصہ تمام

(۸)

دن آرہے ہیں اور جا رہے ہیں۔ عمروں کو وفا نہ زمانہ کو قیام۔ روز روز صبح اور روز روز شام۔ کل کی بات ہے۔ بی نسیمہ کے دودھ چھٹنے کی تیاریاں تھیں۔ آج ماشاءاللہ سات بھر کر آٹھ لگنے میں پڑھنے اور یاد رکھنے کا وقت اصل میں اب ہی تھا۔ مگر سنجیدہ سمجھدار اور ہوشیار عورت جس کے پرچھاواں پڑنے سے آدمی تمیز دار ہو جائے بھتیجی کو پڑھانے لکھانے سے غافل نہ تھی۔ پانچ ہی برس کی تھی۔ اس نے ایسے رستہ پر لگا لیا کہ جو دیکھتا واہ واہ کرتا۔ اس نے اپنی بنگالے کی مینا کچھ ایسے ڈھنگ سے اٹھائی اور ایسے رنگ سے سدھائی کہ خدا ساری دنیا کی بیٹیوں کو ایسی اُفتاد نصیب کرے۔ پورے پانچ برس کی بھی نہ ہوئی تھی۔ کہ اس نے لیکٹ کی ننھی ننھی سی ٹکیاں بنا کر حروف لکھوا لئے۔ صبح ناشتہ کا وقت آیا اور آٹھ

ایک دن صبح کے وقت نسیمہ بیٹھی پھوپی کو سبق سنا رہی تھی۔ اتفاق سے ماں بھی نکل آئی۔ وہ دودھ پیتا بچہ گود میں تھا۔ بیٹی کو پڑھتا دیکھ پاس آ بیٹھی۔ نسیمہ نے بان بنا کر دیا۔ بیٹی نے پڑھنا شروع کیا۔

با ادب با نصیب۔ بے ادب بے نصیب۔ خوش نصیب ہیں وہ لڑکیاں جو بڑوں کا ادب کرتی ہیں۔ اور رشتہ تک کی بوڑھیوں کا کہا نہیں ٹالتیں۔ گھر بھر میں ان کی واہ واہ اور کنبہ بھر میں اُن کی تعریف ہوتی ہے۔ جو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے کیسی سعادت مند بچی ہے۔ کیسے ہی خفا ہو کتنی ہی فضیحتیاں کرو۔ جا بیجا کچھ ہی کہو۔ مگر کیا مجال جو کسی بات کا بھی جواب دے۔ اماں ہو یا ماما، دادی ہو یا نانی۔ بزرگوں کا ادب عین شرافت کی نشانی ہے۔

حیف ہے اس لڑکی پر کسی بڑی بوڑھی نے کوئی بات کہی اور اس نے ٹکڑا توڑ جواب دے دیا۔

لڑکیو! اگر آج تم بزرگوں کا ادب کرو گی۔ تو کل تمھارے چھوٹے تمھارا ادب کریں گے۔ اگر اس وقت تم نے نالائقی اور ناہنجاری سے ان کی بے توقیری کی تو یاد رکھو۔ اس سے زیادہ تمھاری بے عزتی ہو گی۔

اے اس کتاب کی پڑھنے والی بچیو! بڑوں کی خدمت کرو۔ ان کا ادب کرو۔ دعائیں لو۔ مرادیں پاؤ۔ پھولو گی۔ پھلو گی۔ خوش و خرم رہو گی۔

جب کسی بزرگ کے سامنے جانے کا اتفاق ہو۔ یا وہ کسی ضرورت سے نکل آئے۔ اس سے اوجھل ہو کر اپنی اوڑھنی سنبھال کر اوڑھو۔ بکل ٹھیک طرح سے لگاؤ۔ یہ نہیں کہ بازو کھلا، سر ننگا۔ اور اوڑھنی کا چیتھڑا کندھے پر۔ لڑکیوں کا سب سے بڑا جوہر شرم و حیا ہے۔

بعض لڑکیوں میں بدتمیزی اسے پان لگا۔ ان کا سخت عیب ہوتا ہے۔ کپڑے

ٹھیک کر لینے کے بعد دیکھو کہ پان کی سرخی باچھوں تک تو نہیں۔ ہونٹ پر بہوتی ہو رہی ہیں تو کلّی کرو۔ منہ صاف کرو اور نہایت ادب سے آہستہ آہستہ چل کر سامنے آؤ۔ جھک کر سلام کرو۔ اور سامنے سے ہٹ جاؤ۔ یہ بھی عیب کی بات ہے کہ بس ادبیں گھل گئے۔ وہ بلائے تو پاس جاؤ۔ سوال کرے تو جواب دو۔ بغیر بلائے سر پر سوار ہونا اور گھس کر بیٹھنا بڑی بے ہودہ بات ہے۔ اگر کسی بات کے جواب دینے کی ضرورت ہو تو نیچی نگاہ کر کے ادب سے جواب دو۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تڑاق پڑاق باتیں کرنی بھی عیب میں داخل ہیں۔ پاس بیٹھنے کا اتفاق ہو تو ایسی احتیاط ضرور کرنی چاہیئے۔ کہ پوپلے میں چھینٹیں منہ سے نہ اڑیں۔

اگر کسی مجلس میں کوئی بزرگ کسی کام کو کہے تو اس کے حکم کی تعمیل شرافت کی عین دلیل ہے۔

اگر چند بیویاں بیٹھی کسی کا ذکر کر رہی ہوں تو سُنی اَن سُنی کر دو۔ خواہ مخواہ دخل دینا اور فضول باتیں کرنی سخت نالائقی ہے۔

ایک بہت بڑا عیب لڑکیوں میں لترے پن کا دیکھا گیا ہے۔ اس کی بُرائی اتنی ہو اور اُس کی اس سے۔ خدا بھلے مانسوں کی بیٹیوں کو اس سے بچائے۔ پہلے پہل تو لوگ بہت عزت کرتے ہیں کہ یہ مخبر ہے۔ اِدھر اُدھر کا حال معلوم ہو گا۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں جہاں قلعی کھلی۔ بس وہ جھوٹی عزت رخصت ہوئی۔ بلکہ الٹی ذلت حاصل ہوتی ہے۔

کھانا کھانے میں بہت سی باتوں کی احتیاط چاہیئے۔ خصوصاً آواز سے چپڑ چپڑ کر کے کھانا پرلے سرے کی بدتمیزی ہے۔ نوالہ اس طرح چبانا چاہیئے کہ برابر والے کو بھی آواز نہ آئے۔ یہ نہیں کہ منہ میں نوالہ لینے کے واسطے زبان آدھ گز آجائے۔ جس برتن میں کوئی دوسرا شخص کھا رہا ہو۔ اس میں بھی کھانا اچھا نہیں۔ لیکن اگر ضرورت مجبور کرے تو تمیز کے یہ معنی ہیں کہ اپنے آگے سے کھاؤ۔ نہ یہ کہ دوسرے کے آگے سے اُٹھا

اس پر اودھی کاجل کی ڈبیہ۔ جگہ جگہ غلطے بڑے بڑے کالے چکتے پڑ گئے۔ چاہیئے کہ لڑکی اپنی اس نادانی پر کچھ پشیمان ہوتی۔ لاحول ولاقوۃ خیال تو یہ تھا کہ دستور کے موافق ڈولی یا پالکی سے اتر پہلے سب سے مل ملائی ہوگی۔ مگر بی بی کی صحنک کے وقت معلوم ہوا کہ کمبخت کو اتنی بھی توفیق نہ تھی کہ کسی بڑے کے واسطے دو انگلیاں بھی ماتھے پر رکھتی۔ بیگم صاحب کے پاس گئی تو کس کا سلام اور کیسا ادب، دیدہ ہوائی آنکھ میں صفائی۔ انگنائی سے آواز لگائی۔

"پھوبی، ممانی اچھی ہو"؟

کھلکھلاتی چلی۔ جھومتی آئی اور آلتی پالتی مار برابر میں آن بیٹھی۔

اسی عمر کی ایک اور لڑکی رشتہ میں بیگم صاحب کی دور پرے کی بھتیجی۔ غریب تھی مگر باحیا سلیقہ شعار چاندی کی بالیاں ننگے ہاتھ۔ خالی ہاتھ پاؤں ہوں تو ہوں۔ مگر ایک جوہر شرافت اس کے پاس ایسا تھا کہ لاکھوں کا زیور قربان ہو جائے ایک کونہ میں دبکی سکڑی کونڈے پر بیٹھی تھی۔ اس شیخی خوری مغرور لڑکی کو اتنی تاب کہاں کہ غریب لڑکی برابر بیٹھ جائے۔ پاؤں کا ایک ٹھوکا ایسا دیا کہ مسکین سرک کر الگ ہو بیٹھی، اس پر بھی ٹھنڈک نہ پڑی تو کہنے لگی۔

"ئے ہے، ممانی یہ کیا ست بھیڑا کارخانہ کر رکھا ہے۔ پہلے ہم لوگوں کو کھلا دیا ہوتا۔ پھر ان بیچاریوں کو بٹھاتیں۔ دیکھو تو سہی اس لڑکی کے کپڑوں میں سے کیسی بُو آرہی ہے۔ میرا تو جی بھی متلانے لگا۔ ماشہ دو ماشہ عطر بھی نصیب نہیں تھا۔ تو شادی میں آنے کی کیا ضرورت ماری جاتی تھی۔ اور پھر یہ بے حیائی کہ برابر گھس کر بیٹھنا۔"

بیگم صاحب کو بھانجی کا کہنا ناگوار تو بہت معلوم ہوا۔ مگر سسرال کا معاملہ۔ سگی نند کی لڑکی۔ اپنے گھر کی مہمان۔ کچھ سوچ سا رچ دم بخود رہ گئیں۔

اٹھا کر اپنا پیٹ بھر لیا۔ ایسے کھانے سے بہتر نہ کھانا جو دوسرے نام رکھیں۔ مانگے تانگے پر فخر کرنا اکثر لڑکیوں میں دیکھا ہے۔ اور یہ ایسا بڑا عیب ہے۔ کہ خدا کی پناہ دوسرے کی چیز پر غرور اور پرائی چیز پر ناز کرنا محض بیوقوفی ہے۔ اپنے پاس چیز نصیب نہیں۔ مگر دوسروں کی لے کر اترانا عام دستور ہو گیا ہے۔ جو سخت بے شرمی اور بے حیائی کی بات ہے۔ اگر کسی کی کوئی چیز کھوئی گئی تو نقصان کا نقصان ہوا۔ اعتبار کا اعتبار گیا۔ شرمندگی ہوئی سو الگ۔ دوسروں کے پلاؤ قورمے اور زردہ بریانی سے اپنی روکھی سوکھی، دال دلیہ ہزار درجہ بہتر۔ جو کچھ خدا نے دیا اس پر قناعت، اور جس حال میں رکھا اس پر صبر۔ سب سے بڑی انسانیت اور سب سے بڑی نعمت ہے۔

بنارس سے کوئی چودہ کوس پر ایک بستی ہے۔ وہاں کے نواب صاحب کے ہاں بیٹے کا بیاہ رچا۔ دُور دُور سے لوگ آنے شروع ہوئے۔ رئیس کے ہاں کی خوشی بیٹے کا بیاہ رچا۔ روپیہ۔ ارمان۔ دل۔ ساچق والے۔ روز تو تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ صدر دالان میں نواب کا کنبہ۔ اور بغلی کمروں میں بیگم صاحبہ کی میکہ والیاں اُتری تھیں۔ نواب صاحب کی سگی بھانجی تھی تو لڑکی۔ مگر لڑکی کیا آفت کا پرکالہ تھی۔ جب دیکھو کلا گرم۔ منہ میں گلوری ٹھسی۔ کنواری لڑکی کو یوں تک کا جل۔ آئینہ سامنے رکھا۔ اِدھر اُدھر بھری اور شکل دیکھنے بیٹھ گئی۔ چلنے کا دھما کہ وہ آفت کہ جدھر نکل گئی۔ قیامت۔ عطر اتنا غضب کہ ذرا سی دیر برابر بیٹھنا مصیبت۔ چال ایسی۔ حال ایسا۔ سب بیویوں نے منہ جوڑنا شروع کیا۔ مگر وہ شیخی خوری اسی طرح چاروں طرف اتراتی پھرتی تھی۔ دو ماما ئیں ساتھ ایک کے ہاتھ میں خاصدان، دوسری کے پاندان۔ دم پر دم اور گھڑی پہ گھڑی آئینہ۔ بدتمیزی کی یہ کیفیت کہ سفید انڈا سی دیوار پیک کے دھبوں سے گلنار بنا دی۔ اُجلی سفید۔ صاف شفاف چاندنی۔ پانی جو گرا تو میلی چڑا۔

ماں اور بیویوں کو یہ ٹکنوڑے بہت ہی زہر معلوم ہوئے۔ مفلس غریب بے ماں کی بچی وہاں سے اٹھ الگ کونہ میں جا بیٹھی۔ اس کی حسرت، دبیکسی دیکھ کر ایک بڑی بی کو غصہ آگیا کہنے لگیں۔

"لڑکی ذرا اپنی ہستی کو دیکھ کر بات کر، تو نے تو موئے کافروں کو بھی مات کیا۔ امیری اور گہنا کسی کی ذات نہیں ہے جس جگہ سے تو نے اس وقت ایک بے ماں کی بچی کو اٹھا دیا ہے۔ تجھے خبر ہے یہ کس کا دربار ہے۔ اور یہ صحنک کس بیوی کے نام کی ہے۔ یہ اس باپ کی بیٹی ہے۔ جو مسلمانوں کی سرتاج۔ یہ وہ بیوی ہے جس کا نام فاطمہ زہرا رضؓ جو خود دکھیاری مصیبت کی ماری تھی۔ دو دو تین تین وقت کے فاقوں میں بھی جو کچھ میسر آیا وہ حاجت مندوں اور مسکینوں پر سے قربان کر دیا۔ اور اپنی نیکیوں کا نمونہ ایک ایسی یادگار چھوڑ گئیں۔ کہ آج مسلمان بیویاں اس نام پر فخر کرتی ہیں۔ اسے شیخی میں چور اور دولت میں مغرور لڑکی تو نے سچے دربار سے ایک ایسی اصل سیدانی کو اٹھا دیا جو تجھ سے زیادہ حق دار ہے دنیا فانی اور یہ دولت آنی جانی ہے۔ اری نادان کس چیز پر پھولی خدا سے ڈر۔ مرنے کو مرنا سمجھ اس یتیم بچی کا دل کیا کہہ رہا ہوگا۔ اگر اس کو راضی نہ کیا تو برباد ہو جائے گی۔"

بڑی بی کی باتیں درد بھری تھیں کہ سب کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے، مگر نہ لٹس سے مس ہوئی تو وہی کمبخت بہتیرا ہی ممانی نے کہا۔ مگر اس کے کان پر جوں نہ چلی۔ اٹھی اور منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی سیدھی ہولی۔ سب گنوں پوری کوئی نہ کھولنڈوری۔ اتنا کچھ اللہ نے دیا تھا۔ مگر شیخی کہاں جاتی وہ تو بغل ہی میں تھی۔ چلتی دفعہ پھوپی زاد بہن سے اینڈ دی کے کنگن لے کر ہاتھوں میں ڈال لئے۔ رات کو پڑ کر سوئی تو نہ کڑوں کا خیال نہ گہنے کی احتیاط۔ یونہی

پہنے پہنے ڈھیر۔ بڑے ہاتھوں کے کنگن ڈھیلی کیلیں۔ ایک کھل کر گر پڑا۔ صبح اٹھی تو ہاتھ منہ کنگھی چوٹی سرمہ کاجل سب ہی چیزوں کا ہوش اور نہ تھا تو گہنے کا۔ ماما نے دیکھ کر جتایا تو ڈھونڈیا پڑی۔ شادی کا ہنگامہ سینکڑوں آدمی بھرے کنگن کیا خاک ملتا۔ ستم یہ ہوا کہ اس دبنے والی بدنصیب کے بھی کنگن میکے کے نہ تھے سسرال کے کنگن چڑھاوے کے آئے ہوئے نقصان ہوا وہ الگ شرمندگی ہوئی سو جدا۔

بیٹیو! اس واقعہ سے تم کو سبق لینا چاہیئے۔ کبھی کسی کے مانگے کی چیزوں کا استعمال نہ کرو۔ کہیں شادی میں جاؤ تو بڑوں اور چھوٹوں سے مل کر جو جگہ تمھارے واسطے تجویز ہوئی ہے۔ وہاں اپنا بچھونا بچھاؤ۔ اس بات کی سخت احتیاط کرو کہ تمھاری وجہ سے مکان میں دھبے وغیرہ نہ پڑیں۔ میزبان کا بچھونا خراب نہ ہو۔ جو کچھ خدا نے تم کو دیا ہے۔ وہی پہن اوڑھ کر جاؤ۔ ملو تو اس طرح کہ جو دیکھے وہ خوش۔ رہو تو اس طرح کہ جو بلائے وہ باغ باغ۔ جدا ہو تو اس طرح سے کہ دوبارہ ملنے کی آرزو باقی رہے۔ جو کچھ تار تنکا ٹوم چھلا میسر ہے۔ اس کو نگاہ رکھو۔ سوتے وقت سب چیزیں اتار کر کسی بڑی بوڑھی کے سپرد کر دو۔ بالیوں کی گوبجیں۔ پونچیوں کی گھنڈیوں۔ کڑوں کے موگرے۔ بازوبند یا جوشنوں کے ڈورے۔ مگر مرکیوں کا کانٹا ان سب چیزوں کی طرف سے اطمینان کر لو کہ ٹھیک ہیں۔ اور گرنے والی نہیں۔ صبح اٹھتے ہی منہ ہاتھ دھونے کے بعد جن زیورات کو پہنا ہے۔ ان کی جانچ کرو۔ بدصورت لڑکیوں پر کبھی نہ ہنسو۔ ممکن ہے۔ کہ ان کی سیرت تم سے اچھی ہو۔ کسی کو حقارت اور نفرت سے دیکھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔

ایک لڑکی کا ذرا کالا تھا رنگ اور اس کے بھائی کا گورا تھا رنگ۔

کھیلتے رہتے ہل کے وہ دونوں بہم
کچھ نہیں تھا اُن کے دل کو رنج و غم

ایک دِن اُن کو کہیں گھر میں پڑا
اتفاقاً ایک آئینہ ملا

دیکھی صورت اس میں دونوں نے جونہی
کھلکھلا کر ہنس پڑا لڑکا وہیں

اس کے ہنسنے کا سبب وہ پا گئی
اور اپنے دل میں شرمندہ ہوئی

آئی پھر روتی ہوئی وہ ماں کے پاس
اور یہ یوں کہنے لگی ہو کر اُداس

"بھائی کو بلوا کے اماں جان ابھی
کہہ دو آئینہ نہ دیکھیں وہ کبھی

ماں نے اُس کی جو بہت تھی ہوشیار
پونچھ کر آنچل سے آنسو کر کے پیار

اُس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر یہ کہا
"کون اس صورت کو کہتا ہے بُرا

خاصی اچھی شکل ہے اے میری جان
کچھ نہ کرنا اپنے دل میں اس کا دھیان

اور اگر ایسا ہی تم کو ہے خیال
اور صورت کی بُرائی کا ملال

تو کرو بیٹی ہمیشہ نیک کام
تاکہ ہو دونوں جہاں میں نیک نام

صورت اچھی گر نہیں تو شرم کیا
سیرت اچھی چاہیئے۔ اے باجیا"

اور پھر بُلوا کے لڑکے سے کہا
"تم کو دعویٰ ہے بہت کچھ حُسن کا

کیوں ہنستے رہتے تم بہن کی شکل پر
کیا بُرائی اس میں آئی تھی نظر

یہ جو صورت ہے تمھاری چاند سی
ہے انھیں باتوں سے کچھ کچھ ماند سی

گر کسی کی شکل ہو سچ مچ بُری
تو بھی اس میں کیا خطا اس شخص کی

اور جس کو اچھی صورت دے خدا
اس کو بھی کچھ ہے نہیں حق فخر کا

ہاں مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے
اپنی صورت کو بنائے آپ سے

شرم کبھی جائز ہے بیشک فخر بھی
یہ نہیں ممکن مگر بیٹا کبھی

کام اچھے کر کے تم اے میرے چاند
اپنی صورت کو لگاؤ چار چاند

اس کو بخشا ہے خدا نے جو شرف
یہ نہ ہو لگ جائے اس میں کچھ کلف

(۹)

یہاں تک پہنچ کر نسیمہ ٹھٹکی تو ماں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور نند سے کہا۔

"اے ہے آپا! اس غریب لڑکی کا حال سنکر تو میرا جی بہت ہی کڑھا مگر ایک بات کہتی ہوں۔ لڑکیوں کے پڑھانے لکھانے سے کیا فائدہ۔ ان کو کہیں نوکری نہیں کرنی۔ روٹی نہیں کمانی۔ سارے جہان کا حال بتا کر اور دیدہ دلیر کرنا ہے۔

نند:۔ "اللہ کا شکر ہے۔ میں بھی مسلمان ہوں اور تم بھی۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ علم ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔ نسیمہ کی ماں تم بھی کیا بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ پڑھنے سے اور عقل آئے گی یا دیدہ دلیر ہوگا"؟

بھاوج:۔ "حضرتؐ کے فرمانے کی تو مجھے خبر نہیں۔ مگر میرے والد اللہ بخشے اتنے بڑے مولوی تھے۔ لیکن ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ لڑکیوں کو پڑھانا بہت ہی بری بات ہے"۔

نند:۔ "تمھارے والد کی شان میں تو کچھ نہیں کہتی۔ مگر جن بزرگوں کا یہ خیال تھا۔ وہ غلطی پر تھے۔ وہ بات کی تہ کو نہ پہونچے اور مسلمانوں کو جان بوجھ کر کنوئیں میں دھکیل دیا۔ مائیں رہیں جاہل، بچوں کی تربیت اچھی نہ ہوئی۔ خاصی بھلی چنگی قوم کا ناس ہوگیا۔ پیغمبر زادیاں اور پیغمبر صاحبؐ کے زمانہ کی مسلمان عورتیں علم کا دریا تھیں۔ موٹی سی بات ہے۔ کہ علم آدمی کو آدمی بنا دیتا ہے پڑھ کر عورتیں خدا کو خدا سمجھنے لگیں گی۔ گناہ سے بچیں گی۔ برائی سے پرہیز کریں گی۔ ایمان کو ایمان عزت کو عزت۔ بڑوں کو بڑا چھوٹوں کو چھوٹا۔ ہر چیز کی اصلیت معلوم ہو جائیگی۔

دیدہ دلیری کی جو کہتی ہو۔ تو کیا ان پڑھ عورتیں چلتی ہوئی نہیں ہوتیں۔ جاہل تو ایسی چلتر باز ہوتی ہیں کہ بڑی بڑی پڑھی لکھیوں کے کان کاٹیں۔ تم کو کچھ لسننا کی بھی خبر ہے۔ کبھی اخبار دیکھو اور دنیا کا حال سنو تو معلوم ہو کہ "مسلمان کتنے ذلیل ہو گئے۔ روز بروز بدتمیز نالائق جھوٹے کمینے ہوتے جاتے ہیں۔ یہ کیوں۔؟ صرف اس وجہ سے کہ عورتیں جاہل ہیں اور گود ہی میں دنیا بھر کے عیب بچوں میں پیدا کر دیتی ہیں۔

بھاوج :۔ "واہ لو! واہ! عورتیں جاہل ہیں تو مردوں سے واسطہ۔؟ وہی کہاوت ہے کہ کمہار پر بس نہ چلا۔ گدھیا کے کان اینٹھے۔"

نند :۔ (ہنس کر) ہاں ہاں بہت بڑا واسطہ ہے۔ سب سے پہلا مدرسہ سمجھو جو کچھ بھی ہے ماں کی گود ہے۔ جو سنیں گے وہ جانیں گے۔ جو دیکھیں گے وہ سیکھیں گے اماں کی یہ حالت کہ خدا کی نہ رسول کی۔ تہذیب سے کوسوں دور جہالت میں چکنا چور عقل نہ ہوش برکت نہ نور چہرہ پر پھٹکار، صورت پر خدا کی مار۔ نالائق طریقے۔ بیہودہ اطوار۔ وہی اثر بچہ پر ہوگا۔ یا کچھ اور۔؟ بچپن کی پڑی ہوئی عادتیں قبر تک ساتھ جاتی ہیں۔ اور کسی طرح چھٹائے نہیں چھٹتیں جھوٹ۔ مکر۔ دغا۔ بے ایمانی بس اسی کا نام مسلمانی رہ گیا ہے۔ تم بھی مسلمان ہو۔ تمھارا دل یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان دنیا میں عزت حاصل کریں اور اس مصیبت سے چھٹکارا پائیں۔ کل ہی تو میں نے اخبار پڑھا ہے۔ جیل خانہ کے قیدیوں میں ۸۰ فی صدی مسلمان ہیں یعنی سو میں اسی۔ باقی بیس میں اور سب قومیں یوں سمجھو۔ اگر شہر میں پانچ آدمی پکڑے جائیں جو چور۔ بے ایمان ہوں تو ان میں چار مسلمان ہیں کیسے شرم کی بات ہے۔ اگر آج لڑکیاں پڑھ لکھ کر ان دقیانوسی ڈھکوسلوں سے کسی طرح چھٹی پا جائیں تو چاہے ہم ہوں یا نہ ہوں۔ مگر ایک پچاس برس بعد جو جیتا رہے گا۔ وہ دیکھ لے گا۔ کہ ایمان جس پر انسانیت کا دارومدار ہے۔ کیسا درست ہوتا ہے۔ اور جب ایمان یعنی آدمی کی طینت ٹھیک

ہے تو دنیا اور آخرت دونوں اچھے۔ مجھ کو تعجب اور افسوس ہوتا ہے۔ کس طرح لوگ دوسروں کو دھوکا دے کر اپنا کام کر لیتے ہیں۔ انسانیت کے یہ معنی ہیں کہ جو بات آدمی اپنے واسطے پسند نہ کرے دوسرے کے لئے بھی روا نہ رکھے۔ نہیں تو وہی کہاوت ہوگی "اپنا پوت اور کا ڈھینگرا" تعلیم سے بچے کے خیالات چاہے لڑکا ہو یا لڑکی کچھ نہ کچھ کیا۔ بہت کچھ درست ہو سکتے ہیں۔ خدا وہ دن کرے کہ مسلمانوں کی لڑکیاں پڑھنے لکھنے لگیں۔ پھر تم دیکھنا کہ ان ہی گودوں سے ایسے بچے نکلیں کہ واہ واہ سبحان اللہ کہو۔ کیا سمجھیں۔ سچ ہے یا جھوٹ"؟

بھاوج :۔ "سچ جھوٹ تو میں جانتی نہیں۔ مگر ہاں یہ ضرور کہوں گی۔ سو میں کہوں ہزار میں کہوں کہ ایسا ہی پڑھانا ہے تو قرآن شریف پڑھا دو۔ نماز سکھا دو۔ بس اس کے آگے ٹھیک نہیں۔ لکھنا سکھانے کی تو میری صلاح ہرگز نہیں ہے۔ کون سے دفتر لکھنے ہیں۔ لکھنا آتا ہے تو جس کو جی چاہا لکھ بھیجا"۔

نند :۔ "جی نہ ہوا پاگل ہوا کہ جس کو چاہا لکھ بھیجا۔ جہاں چاہا نکل کھڑے ہوئے۔ اس ایک بے ہودہ خیال نے ہم کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ بیوی علم تو اور بری باتوں سے روکتا ہے۔ یا الٹا تم اور یہ الزام لگاتی ہو۔ میرا اتنا سمجھانا بیکار گیا۔ اچھا اور ایک بات بتاؤں میاں بیوی کا رشتہ کیسا ہوتا ہے۔ سینکڑوں باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ کہ دوسروں کے بتانے کے قابل نہیں۔ اگر میاں پردیس میں ہے۔ اور لکھنا نہیں آتا۔ تو اول ایک ایک کی منت خوشامد کرو۔ دوسرے تمام دنیا میں اپنے بھیدوں کا ڈھنڈورا پیٹو۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ اپنی ضرورت کے وقت کچھ نہ معلوم ہوا۔ جب سر پر آپڑی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"بولو۔ ہاں ناں کا کچھ تو جواب دو۔ چپ رہنے کی صحیح نہیں ہے۔"

بھاوج :۔ "ہاں یہ تو سچ ہے۔ مگر آپا پڑھنے لکھنے سے ذرا عقل تیز

ہو جاتی ہے۔ اور پھر دور ہی کی سوجھتی ہے؟"

نند :۔ "پھر عقل زیادہ ہونا بھی عیب ہے! بُرا تو ماننا نہیں۔ اس اپنے گوشت کے لوتھڑے سجھلی کو ہی دیکھ لو۔ کیا چیز نہیں ہے۔ آنکھ ناک کان ہاتھ پاؤں۔ انگلیاں۔ کسی کی ہوں۔ پانچ اس کی چھ۔ خفا ہو گی ۔ ایک نہ پڑھنے کی وجہ سے جانور ہو گئی۔"

بھاوج :۔ "اس کی تقدیر کا کیا کروں۔ میں آپ اس کے ہاتھوں نالاں ہوں۔ باتوں ہی باتوں میں سب کچھ کہہ دیتی ہوں۔ مگر وہ ہے کہ اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا۔ چکنا گھڑا بوند پڑی پھسل گئی۔ موئے کتے کی بھی ادر ہو گی۔ اور اس کی نہیں۔ غیرت ہے تو سب کچھ ہے۔ جب اتار لی منہ کی تو کیا کرے گا کوئی۔ مسلمان کی بچی اور کبھی خدا کو سجدہ نہ کرے۔ کرے کہاں سے، دل میں خوف ہو تو کرے۔ کوڑی کوڑی پر قسم بات بات پر قرآن۔ جوان لڑکی، ہٹی کٹی۔ موٹی تازی۔ کھانے کو سب سے پہلے موجود۔ کام کے نام موت۔

بس بی آپا۔ اب میں جاتی ہوں۔ دیکھو کتنی دیر ہو گئی۔ اب ان کے آنے کا وقت ہو گیا۔ جاؤں کھانے کا ٹھیک ٹھاک کروں۔"

(۱۰)

بھاوج مزاج کی کیسی ہی ضدی کیوں ہو۔ مگر نند نے آج ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ دو ہی باتوں میں سٹی بھول گئی۔ کچھ بات کی پیچ کچھ مرے ہوئے باپ کی غیرت کا خیال۔ منہ در منہ قائل نہ ہوتی تو کیا۔ دل میں اتنا سمجھ ہی گئی کہ نند جو بات کہہ رہی ہے وہ باون تولے پاؤ رتی کی۔ دور کیوں جاؤں پہلے اپنی ہی لڑکیوں کو نہ دیکھوں۔ کہنے کو تو دونوں ایک ہی پیٹ کی اولاد ہیں۔ ایک ہی ماں کا دودھ پیا۔ ایک ہی گھر میں رہیں سہیں۔ ایک ہی محلہ میں پلی بڑھیں۔ مگر زمین آسمان کا فرق

ہے۔ وہ بیگم یہ گستا نگر۔ وہ آدمی یہ جانور۔ کہنے کو جو جی چاہے سو کہہ لوں۔ مگر ایمان کی بات یہ ہے قصور میرا ہی ہے۔ ایک تربیت اچھی نہ ہونے سے لڑکی ہاتھ سے جاتی رہی۔ ڈیڑھ گز کی زبان۔ ساتویں آسمان پر مزاج۔ لڑکی کیا فرعون بے سامان ہے۔ نرگس کی دشمن سوسن کی قاتل۔ باکھی ہے وہ شاکی۔ تاباں ہے وہ نالاں۔ پھوپی ناخوش۔ باوا بیزار خدا کی قسم اس مردار نے تو میرا دم ناک میں کر دیا۔ ننھیال اور ددھیال ایک بھی تو خوش نہیں۔ پھر یہ کیسی آفت ہے کنبہ تو کنبہ اور محلہ تو محلہ شہر بھر میں نام اچھل رہا ہے بیچاری دھوبن لینے میں نہ دینے میں۔ آس نہ پاس پرسوں بیٹھے بٹھائے اس کی جان کو آ گئی۔ زبان ہے کہ الاماں الحفیظ۔ سینکڑوں کوسنے اور ہزاروں فضیحتیاں بچہ نہیں نادان نہیں۔ پاگل نہیں سڑن نہیں۔ یہاں تو خیر جیسی گزرنی تھی گزر گئی۔ اور جیسی گزرنی ہوگی گزر جائے گی۔ مجھے تو آگے کا اندیشہ ہے۔ کون بھرے گا اور کیا کرے گی۔

نسیمہ کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے۔ الٰہی دنیا بھر کی خوبیاں اس کو دودھوں نہائے پوتوں پھلے۔ باپ کی اچکن میں کھرڑے ایسا بخیہ کیا۔ کہ میرے تو باپ سے بھی نہ ہو۔ سگھڑ پے زبان مسکین۔ تمیز دار۔ بڑی بی تک جو چاہیں کہہ دیں۔ کیا مجال جو الٹ کر جواب دے کیسا دل خوش ہوا ہے۔ جب بھری محفل میں ملانی جی نے کہا ہے کہ میرا تو منہ نہیں جو نسیمہ کی تعریف کروں۔ مجھ اندھی دھندی کا جیسا خیال رکھتی ہے۔ رُوں رُوں دعا دیتا ہے۔ محلہ بھرا پڑا ہے۔ اور ایک سے ایک افضل اور اعلیٰ۔ اللہ رکھے کھاتے پیتے مگر کوئی بات کبھی نہیں پوچھتا لیکن وہ اتنی سی بیگم، دلی کہوں، فرشتہ کہوں۔ جب تک مجھ کو کھانا نہ بھیج دے گی۔ اپنے منہ میں ڈالنا حرام۔ کون کسی کو پوچھتا ہے۔ اس عمر میں وہ دل ہے کہ میں نے تو اتنی عمر میں دیکھا نہیں۔ یہ کرتا اور پاجامہ اسی کے ہاتھ کا ہے۔ جان سے مال سے پاؤں

سے ہر وقت اور ہر لحظہ تیار اور موجود۔ گھڑی بھر کو نکل جاؤں تو زردہ پر زردہ۔ پانچوں وقت نماز کے بعد دعا مانگتی ہوں۔ الٰہی دنیا کا عیش اس بچی کو نصیب ہو۔ عزت آبرو تو خدا کے ہاتھ ہے۔ مگر میرے ساتھ تو اس نے ایسا سلوک کیا کہ مرے ہوئے باپ دادا کی لاج۔ بڑوں کی عزت، سادات کی شان اس کے دم سے باقی رہ گئی۔ در در بھیک مانگتی تو ٹکڑا نصیب ہوتا۔

رات کا وقت گھر بھر پڑا سوتا تھا۔ اور نیک بخت پلنگ پر لیٹے لیٹے کبھی ہنس رہی تھی۔ کبھی رو رہی تھی۔ ان دونوں کے جھگڑوں سے چھٹی پائی تو بڑی کا دھیان آیا۔ پردیس کا خیال آتے ہی ایک جھکڑ بندھ گیا۔ سوچنے لگی کہ جمعہ جمعہ پندرہ۔ جمعہ بائیس ہفتہ تئیس اتوار چوبیس پیر پچیس منگل چھبیس آج ستائیسواں دن ہے۔ خط نہ پتر۔ خبر نہ خبر۔ کس سے پوچھوں۔ کیا کروں پَر ہوتے اُڑ کر جاتی دیکھ کر آتی۔ ننھے کا جی بے مزہ لکھا تھا۔ خبر نہیں۔ اب کیسا ہے۔ خراب خراب باتیں برُے برُے وہم دل میں آ رہے ہیں۔ خدا کرے اچھی ہو۔ گرمی کا موسم دن ایسے پہلی گرمی۔ بچہ کا ساتھ خدا اپنا فضل رکھے۔ دو حرف لکھوا کر بھیج دیتی تو یہ پریشانی نہ ہوتی۔ مگر اس بیچاری کا قصور ہی کیا۔ پرائے ہاتھ کی محتاج۔ کہاں جائے۔ کس سے لکھوائے۔ میاں دورے پر گیا ہوگا۔

غریب اسی اُدھیڑ بن میں تھی کہ لوٹھا بیٹی نے بلبلانا شروع کیا۔ سات دن سے آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ بہتیرا اسی سب نے کہا۔ دو دن گھر انگائے تیسرے دن تارا سی آنکھیں ہو جائیں گی۔ مگر وہ کس کی سنتی تھی۔

پھوپی نے ہر چند سمجھایا کہ ادھی کی پھٹکری کر چھے میں رکھ کر بھون لو۔ بھُن جائے تو سرمہ سی پیس کر گلاب میں حل کرو۔ اور چھان کر شیشہ میں بھر لو۔ پَر کا قلم میں بھیج دوں گی۔ دو تین ہی دفعہ کے ڈالنے میں دیکھنا کتنا فرق

معلوم ہوتا ہے۔ آلکسی معلوم ہو تو اس کو بھی جانے دو۔ ایک پیسہ میں پوست، پھٹکری چھوٹی ہر۔ بہیڑہ۔ یہ چار چیزیں منگوا کر دو پوٹلیاں باندھ پانی میں ڈال لو۔ وہ پھیرتی رہو۔ دیکھنا ایک ہی دن میں آنکھیں چندن سی ہو جائیں گی۔ چاکسو تو لگتا بہت ہے۔ کہو میں رات کو آ کر سفیدہ بھر دوں ذراسی تکلیف تو ہوگی۔ صبح اُٹھتے ہی یہ کھٹک ڈنک کچھ بھی نہ رہے گی۔ اگلے برس میری آنکھیں کیسی ٹوٹ کر آئی تھیں۔ ڈاکٹر کی دوا دو تین دفعہ ڈالی تھی۔ بالکل صاف ہو گئیں۔ آنکھوں کا معاملہ ہے کھٹائی میں نہ ڈالو۔

غرض اپنی اپنی جگہ سب ہی نے سمجھایا۔ مگر منجھلی بیگم کی سرکار میں کہنا بے سود اور بے کار۔ کیسا علاج اور کس کی دوا چاہیئے کہ لون مرچ بادی ثقیل کسی چیز کا تو پرہیز کرتی۔ تو بہ سب ہی کچھ کھایا اور سب ہی کچھ پیا۔ ستم یہ کیا کہ ادھر تو کھائی بریانی اوپر سے پیا ڈٹ کر پانی۔ دوپہر کو آئی کا چھین۔ اس سے بنوائے کچالو۔ اور وہ بھی امرود کے۔ کھانا تھا کہ آنکھوں میں روہے پڑ گئے۔ سوئے لگی تو آنکھوں کا حال کچھ اور ہی تھا۔ دم بھر کو چین نہ آیا۔ لیٹی، اُٹھی، بیٹھی، تڑپی۔ آخر رونا شروع کیا۔ ماں پہلے ہی لیٹی بیٹی کی تقدیر کو جھینک رہی تھی۔ غصہ تو آ گیا تھا۔ مگر خدا نے ہی کچھ سمجھ دے دی۔ کہ چپکی پڑی رہی۔

رات تو خیر جوں توں گزر گئی۔ صبح کو نسیمہ کی ماں خاصی اچھی طرح اٹھی۔ منہ دھویا زردہ کھایا۔ ترکاری بیٹھی بنا رہی تھی کہ سر چکرانے لگا۔ سمجھی زردہ ہے۔ رامپوری گھمس کا دھت۔ دماغ کو چڑھ گیا۔ مگر سر نے تو وہ گھمیری لی کہ خدا کی پناہ۔ گود کے بچے نے ضد شروع کی تو ایسی کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ وے ایڑیاں اور ٹھنیاں ہر چند دودھ پلایا۔ بہلایا۔ کھڑی ہوئی۔ لیئے لیئے پھری۔ سیٹیاں بجائیں۔ کنڈیاں کھٹکھٹائیں۔ چمکارا پیار کیا۔ میاں کہا، دلہا کہا۔ سب ہی کچھ کیا۔ مگر وہ ہار دتی کس کی سنتا تھا۔ گھر بھر کو سر پر اٹھا لیا۔ چکردوں نے پہلے ہی جان پر بنا رکھی تھی۔

بچہ کی ضد اور رہے سہے کو مارے شاہ مدار ہوگئی۔ کھڑی ہو کر ٹہلے تو ذرا تالو سے زبان لگ جائے۔ جہاں بیٹھی اور بھروہی چیخم دھاڑ۔ سر کہے کہ ذرا ہلی اور دَم نکلا بچہ کہے کہ ذرا دم لیا تو جینا دوبھر کردوں گا۔ بھائی کا چیخنا بلکنا سُن نسیمہ آئی دیکھتی کیا ہے کہ بچہ بچھاڑیں کھا رہا ہے اور ماں سے ہلا نہیں جاتا۔ بیٹی کی صورت دیکھ کر ماں کی جان میں جان آئی، کہنے لگی۔

"نسیمہ دیکھ تو سہی میری تو جان نکلی جا رہی ہے۔ اور یہ ہے کہ کسی عنوان نہیں مانتا۔ کیوں کر کھڑی ہوں۔ ذرا ہلتی ہوں تو بھیجا نکلا پڑتا ہے۔ خدا کے واسطے اس کو اپنے ہاں لے جاؤ۔"

نسیمہ :۔ "میرے تو سبق کا وقت ہے۔ ذرا قرآن شریف پڑھ لوں، تو پھر لوں گی۔"

پھوپی بھی بھتیجی کے یہ بین سنکر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ بھتیجی کا جواب سنکر دنگ رہ گئی۔ اس سے تو کچھ نہ بولی۔ مگر آپ آکر لڑکے کو لے لیا۔ بچہ کی فقط ضد تھی۔ پھوپی نے جو کندھے سے لگا کر لگاتار پھیرے کیے، منہ رکھ کر سو گیا۔ الگ سے جھولے میں لٹایا۔ چار پانچ جھونٹے دیئے۔ بھاوج پاس آبیٹھی۔ درد بدستور تھا۔ ماما کو بلا پیسہ دیا۔ ڈھیلے کے مچکن کے پھول منگوائے۔ ہیں کر لگائے نہ تھے کہ درد کا پتہ بھی نہ تھا۔ سبق پڑھ پڑھا چکی تو نسیمہ بھی ماں کے ہاں آئی مگر پھوپی اس کی صورت دیکھتے ہی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کھڑکی کھول اپنے ہاں۔ بچہ تو سو ہی گیا تھا۔ نسیمہ بیٹھی ماں کا سر دباتی رہی۔ کھانے کا وقت آیا تو ماں کہنے لگی۔

"بس بیٹی تو ٹھنڈی رہ۔ اب جا کر کھانا کھا۔ پھوپی راہ دیکھ رہی ہوں گی۔"

گھر آئی تو پھوپی کا منہ پھولا ہوا۔ کچھ دیر تک تو سوچتی رہی۔ جب کوئی بات

سمجھ میں نہ آئی تو کہنے لگی "کھانا تیار ہے نکالوں"؟

پھوپی۔ "تم کو بھوک ہو تو کھالو۔ میں تو ابھی نہیں کھاؤں گی۔"

نسیمہ۔ "کیوں؟ آپ کو بھوک کیوں نہیں ہے۔"؟

پھوپی۔ "اس بحث سے کیا حاصل۔ میں تم سے بات بھی کرنی نہیں چاہتی۔ تم برابر بولے جاتی ہو۔"

نسیمہ۔ "مجھے اپنا قصور معلوم ہو جائے کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی۔"؟

پھوپی۔ "مجھے کیا خبر نہیں۔ میں سب سُن رہی تھی۔ ایسی کڑ بیٹی الٰہی دشمن کو نصیب نہ ہو۔ ماں کی یہ حالت کہ درد کے مارے بات تک نہ کی جائے۔ کتنی خوشامد سے اس نے کہا بیٹی ذرا اس کھلے اور نیرا دل نہ پسیجا۔ بے سود ہیں وہ بیٹیاں جو اس طرح مُنہ بھر ماں کے ہاتھ میں ٹکا سا جواب دے دیں۔"

نسیمہ۔ "آپ نے خیال نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا تھا وہ سبق کا وقت تھا اس لئے میں نے کہا "پڑھ کر لے لوں گی۔"

پھوپی۔ "ہاں ہاں میں نے سُن لیا تھا۔ سبق تھا نماز تو نہ تھی۔ کہ قضا کا ڈر ہو۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر پڑھ لیتیں۔ ہاں کھلانے کو ذرا دیر ہو جاتی۔"

نسیمہ۔ "لے ہے پھوپی اماں! مجھے تو کھانے والے کا بالکل خیال نہ تھا۔ اگر یہ قصور ہے تو اماں جان سے ابھی معاف کرا لیتی ہوں۔ میں سچ عرض کرتی ہوں۔ صرف پڑھنے کی وجہ سے اس وقت عذر کیا۔ ورنہ ایسی خطا ہرگز نہ ہوتی۔"

پھوپی۔ "پڑھنے کا تو میں جواب دے چکی۔ تم کو یہ سوچنا چاہیئے تھا۔ کہ اس وقت کی تعمیل ماں ہی کا حکم نہیں ایک حاجت مند کی مدد بھی ہے۔ تم نے اپنا ذاتی فائدہ ان دونوں باتوں سے بہتر سمجھا۔ کس کام کا وہ آدمی جو اپنے فائدہ کی وجہ سے دوسروں کی پرواہ نہ کرے۔"

نسیمہ وہ لڑکی جس نے آج تک کسی کی آدھی بات نہ سُنی ہو۔ پھوپی کا اعتراض سنتے ہی بے اختیار ہو گئی۔ بس نوالہ توے دسے کر اپنی آنکھوں پر، کھانا چھوڑ چھاڑ الگ کونہ میں جا بیٹھی۔ اور لگی پھُوٹ پھوٹ کر رونے۔ ماں سے زیادہ چاہنے والی پھوپی، جس نے آٹھ نو برس میں کبھی بھتیجی کو ہُوں تک نہ کی۔ کہنے کو تو اتنا کہہ گئی۔ مگر بچی کی آنکھ سے آنسو نکلنا تھا۔ کہ اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ مگر سمجھدار عورت دور اندیش آدمی۔ دل بہت تڑپا۔ اور جی بہت بلبلایا۔ لیکن خوب جانتی تھی۔ کہ اگر اس وقت اس کو چمکارتی ہوں۔ تو یہ ناز برداری میرے واسطے نہیں۔ اسی کے واسطے اندھیر ہو گی۔ طبیعت بھر آئی تو کمرہ میں جا آپ بھی رو آئی۔ مگر اس کے سامنے آئی تو خاصی اچھی طرح۔ نسیمہ رو دھو چکی تو آ کر پھوپی کے قدموں پر گر پڑی۔ اور کہنے لگی۔

"میرا قصور معاف کر دیجئے"۔

بھتیجی کا آ کر گرنا تھا کہ تڑپ اٹھی سر اُٹھا کر کلیجہ سے لگایا۔ اور کہا۔

"میرا تو کچھ قصور نہیں۔ جاؤ اپنی ماں سے معاف کراؤ۔ میں بھی پیچھے پیچھے آتی ہوں"۔

ماں غریب ان قرینوں سے کیا واقف۔ وہ تو اس بیٹی کی ماں تھی جس نے آج تک کبھی کہا ہی نہیں مانا۔ اس کو یاد بھی نہ تھا کہ میں نے کیا کہا۔ اور اس نے کیا کیا مگر نسیمہ کی فرماں برداری سے دل باغ باغ ہو گیا۔

(۱۱)

بات رفع دفع ہو گئی۔ وقت گذر گیا۔ سنجیدہ اس وقت تو چپ ہو گئی۔ مگر رہی تاک میں کہ کب موقع ملے۔۔ اور میں اس کو ٹٹولوں! برسات شروع ہو گئی تھی۔ ایک دن رات کے وقت لڑکیاں۔ لیاں جھولا جھول رہی تھیں۔ پہلے بیاہی لڑکیوں نے

ملہار گائے۔ پھر چھوٹی چھوٹی بچیوں نے یہ گیت شروع کیا۔

نیم کی بنولی پکی ساون بھی کبھی آوے گا
جیوے میری ماں کا جایا دولی بھیج بلاوے گا

دونوں پھوپی بھتیجیاں برابر لیٹی سن رہی تھیں اور جھبوے کی لڑکیاں لہک لہک کر گا رہی تھیں۔ دیوار بیچ گھر تھا صاف آواز آ رہی تھی۔ سنجیدہ نے بھتیجی سے کہا۔ "نسیمہ تم نے یہ گیت سنا"؟

نسیمہ:۔ "جی ہاں مجھے پہلے ہی معلوم ہے۔"

پھوپی:۔ "کچھ اس کا مطلب بھی سمجھتی ہو۔ کہنے کو تو معمولی سا گیت ہے۔ مگر ذرا غور کرو۔ بہن بھائیوں کی محبت کا اندازہ لگاؤ۔ بھائی جیسی چیز بھلا کہیں دنیا میں نصیب ہوتی ہے۔ یہ بیچاری لڑکی اپنی سسرال میں ہے۔ جہاں میکے کی چڑیا تک نصیب نہیں۔ نیا نیا بیاہ۔ اجنبی آدمی، غیر لوگ، رہتے رہتے جی اُکتا گیا ہے۔ اور میکے والوں کی صورت دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں۔ ماں باپ دونوں کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہے۔ جن کے دم سے میکہ تھا جب یہ ہی چل بسے تو اب کون بات پوچھنے والا رہا۔ بچپن کے دنوں کو یاد کر رہی ہے۔ گھر چھوٹا، گھر والے چھوٹے۔ جن کے ساتھ کھیلی بڑھی، اُٹھی بیٹھی۔ ان کی باتیں خواب وخیال ہو گئیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ وہاں والوں کی خبر تو لا دے۔ جس گھر میں اس وقت ہے۔ وہاں نیم کا درخت لگا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھی پچھلے زمانہ پر آنسو بہا رہی ہے۔ اس رنج وغم کی حالت میں جب کلیجہ پر چھریاں چل رہی تھیں۔ چاروں طرف نظر دوڑا رہی تھی۔ جہاں آیا ماں مرگئی تو ماں جایا موجود ہے۔ ساون کے مہینے میں جب بھاوج کے واسطے جھولا پڑے گا۔ اس وقت تو بھائی مجھ کو یاد کرے گا۔ نند بھاوجیں بیٹھ کر جھولیں گی۔ اتنا سوچتی تھی جو اُدھر نگاہ گئی تو پکی پکی بنولیاں دکھائی دیں۔ یہ کسی

سے سن رکھا تھا کہ بنولی ساون کے قریب پکتی ہے۔ بے اختیار ہو کر کہتی ہے۔
نیم کی بنولی پکی۔ ساون بھی کبھی آوے گا
یہاں تک تو وقت آ گیا کہ بنولی پک گئی۔ کبھی نہ کبھی تو ساون بھی آوے گا۔ یعنی
میں کب تک اس طرح ترسوں گی۔ اور اپنے عزیزوں کے دیدار سے محروم رہوں گی۔
ساون آیا اور میکے پہونچی۔ اس یقین کے ساتھ ہی بھائی کی محبت کا جوش دیکھو پہلے
اس کی درازیٔ عمر کی دعا مانگی۔ پھر اپنی خواہش ظاہر کی۔
جیوے میری ماں کا جایا ڈولی بھیج بلا دے گا
تم نے یہ مثل سنی ہوگی۔ بہن سو برس کی اور بھائی پانچ برس کا؟ بہن کتنی
بڑی کیوں نہ ہو چھوٹا سا بھائی بھی اس سے رشتہ میں بڑا ہے۔ اس کا مان رکھنے
والا۔ اس کی ناک بڑھانے والا۔ کیسی خوش نصیب ہیں وہ لڑکیاں جن کو اللہ نے
یہ نعمت دی۔ اور کیسی بدنصیب ہیں وہ لڑکیاں جو اس نعمت سے نفرت کریں۔ بھائی
جیسی چیز بھلا کہیں نصیب ہوتی ہے۔ آدم ہے تو سب کچھ میسر آجائے گا۔ مگر
یہ چیز کہاں؟ شاید ہی کوئی دن جاتا ہوگا۔ کہ میں تمھارے چھوٹے چچا کو نہ یاد
کرتی ہوں۔ کیسے ہنستے ہوئے دروازے میں گھستے تھے۔ اور وہیں سے کہتے
تھے "آپا کدھر ہیں"؟
ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ برسات کے دنوں میں سارو مال بھر کر امرود لائے۔
کنجڑے کو کیا غرض تھی۔ کہ وہ دھو دھلا کر دیتا۔ کیچڑ میں تھڑے مٹی بھرے نئے
سنائے حوالے کئے۔ میں حکیم جی کے ہاں چھٹی میں جا رہی تھی۔ کارچوبی دوشالہ
سر پر تھا۔ انھوں نے رومال الٹا۔ میں نے جھولی میں امرود لے لئے سچ کہتی ہوں۔ وہ
کیچڑ کارچوب سے زیادہ عزیز تھی۔ دوشالہ خراب ہو گیا۔ اب بھی اس جیسے چار
موجود ہیں۔ مگر اس محبت سے لانے والا پیدا نہیں۔ نہ اماں، باوا قبر میں سے اٹھ کر

آئیں گے نہ بھائی پیدا ہوگا۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی خدمت توعین سعادت ہے
ہم کو پال پوس کر اس لئے بڑا کیا ہے کہ ہم ماں کا ہاتھ بٹائیں۔ دکھ درد میں ساتھ
ہوں۔ جیسی ہماری خدمت کی ہے اس کا بدلہ ممکن نہیں ۔ مگر انسانیت کے معنی
یہ ہیں کہ چل پھر کر اٹھ کر بیٹھ کر جس طرح بھی ممکن ہو ان کے شریک ہوں۔ مجھے تعجب
نہیں سخت رنج ہوا۔ اس روز تم جیسی سعادت مند بیٹی اور ایسی کٹر ماں کا حکم
بھائی کی خدمت اور انکار۔ وہ بیچاری تو اس معاملہ میں پہلے ہی بدنصیب ہے۔
ایک ہے وہ ہزاروں کوس پڑی ہے۔ مہینوں خیر صلاح کی خبر نہیں۔ دوسری
صاحب ہیں وہ نورٌ علیٰ نور۔ ماں مرتے مرجائے اور اس کی بات پوچھنی حرام۔ بہن
بھائی تو دوسرے درجہ پر ہیں۔ اس کا بس چلے تو ایک کو سنکھیا۔ دوسرے کو زہر
آج ہی گھر بھر کا صفایا کردے۔ رہیں تم، سو خیر کبھی امرت کبھی زہر۔ مہربان ہوئیں
ماماؤں تک کی دعائیں لے لیں۔ قہر دان ہوئیں تو ماں جائے تک کی پروا نہیں۔
بات کرو تو ایسی کہ دنیا بھر تعریف کرے۔ اور کام کرو تو ایسا جو دیکھے وہ خوش ہو۔
چند روز میں یہ میکہ کا زمانہ خواب و خیال ہو جائے گا۔ نہ ماں خدمت کی طلب گار
ہوگی۔ نہ بہن بھائی عنایت کے خواستگار۔ ماشاء اللہ سمجھدار ہو اس وقت کی
قدر کرو۔ اور موقع کو ہاتھ سے نہ دو۔ یہ وقت پھر آنے والا نہیں۔ بہت جلد ختم
ہونے والا ہے۔ ایسے کام کر جاؤ کہ تمہاری محبت کا سکہ سب کے دلوں میں
بیٹھ جائے۔ دلوں میں گھر کرو۔ اور منجھلی بہن کی ریس نہ کرو۔ جو ماں جیسی عاشق زار
کی دشمن اور باپ جیسے شفیق کی قاتل۔ اگر احتیاط نہ کرو گی۔ تو آج کی میری
بات یاد رکھنا روؤ گی۔ بس اب رات زیادہ آگئی سو رہو۔"

(۱۲)

برسات نکل چکی تھی۔ گلابی جاڑا شروع تھا۔ شبرات سر پر آئی۔ محلے کے

لڑکے لڑکیوں نے صلاح کی کہ ہر سال بیسیوں روپے آتش بازی میں اُٹھتے تھے۔ اب کے سب سے پہلے اکھٹے کرلیں اور قاضی جی کے ہاں سے آتشبازی بنوالیں۔ کسی نے روپیہ، کسی نے اٹھنی، کسی نے چونی۔ کسی نے دُونی۔ جمع کر کے گندھک بارود، کوئلہ، لوچُون سب چیزیں وزن سے منگوالیں۔ تین چار دن سے سب لڑکیاں صلاح کر رہی تھیں۔ کہ کچھ نہ کچھ چندہ نسیمہ سے بھی وصول کرنا چاہیئے۔ مگر اُدھر سنجیدہ کا خوف اِدھر نسیمہ کے مزاج سے ڈر ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخر ایک دن دل کڑا کرکے دوپہر کے وقت اِدھر تو پھوپی بھتیجیاں کھانے سے فراغت پا، سینا پرونا لے کر بیٹھیں۔ اُدھر تین لڑکیاں بھاڑی جوتی۔ ٹوٹے کنے۔ گنے کے چھلکے چوستی آئیں۔ دعا نہ سلام۔ بات نہ کلام۔ کچھ دیر تک تو گُم سُم کھڑی رہیں۔ اور پھر کہنے لگیں۔

"لاؤ بی نسیمہ آتشبازی میں چندہ دو۔"

ابھی نسیمہ کچھ جواب نہ دینے پائی تھی کہ پیچھے سے دو اور آدھمکیں۔ محلہ کا محلہ گمراہ اور آوے کا آوا اندھا۔ پچھلی دو پہلی سے بھی بڑھ گئیں۔ چبوترے پر پھسکڑا مار لگیں چندہ مانگنے۔

نسیمہ "تم اندر آجاؤ۔ میں سمجھی نہیں کیسا چندہ"؟

ایک لڑکی "اب کے ہم سب لڑکیوں نے مل کر یہ تجویز کی ہے۔ کہ باہر سے منگوانے کے بدلے گھر ہی میں آتش بازی بنالیں۔ ایک روپیہ کی کمی ہے تم بھی شریک ہو جاؤ۔"

نسیمہ "مجھے ان چیزوں سے بالکل رغبت نہیں اور الٹی نفرت ہے"!

سنجیدہ "تعجب ہے کہ تم لوگ ایسی محنت سے تو گھر گھر پھر کر چندہ وصول کرو۔ اور ایسے فضول کام میں صرف کردو۔ بہت سی ضرورتیں ایسی ہیں۔

کہ وہاں بھیجو آتشبازی تو نہایت خوفناک چیز ہے۔ ہر سال دو ایک آدمی اس کی نذر ہو جاتے ہیں۔ یہی روپیہ اگر کسی نیک کام میں لگایا جائے تو کیسی اچھی بات ہے۔ ہمیں تو خالی بھی بلاؤ تو مشکل سے آئیں۔ اگلے برس اخبار میں دیکھا تھا کہ اسفند یار خاں وزیر سردار پور کی اکلوتی بچی انا کے ساتھ ڈیوڑھی میں آ رہی تھی۔ انّا تھی نمک حرام۔ لڑکی کو اکیلا چھوڑ داروغہ سے باتیں کرنے لگی۔ ڈیوڑھی میں جل رہی تھی ڈبیا، طاق تھا نیچا، بچی ہاتھ میں اٹھا اندر لے آئی۔ انگنائی تک پہونچی ہو گی تو کرتہ میں لگ گئی۔ مہین پھوار کا کرتہ چکی بجائے بجانے بھر بھر ہو گیا بلبلا اٹھی۔ جب تک لوگ آئے چربی نکل چکی تھی۔ میں تو کہتی ہوں کہ ڈبیا تک ایسی جگہ جلاؤ کہ بچوں کا ہاتھ نہ پہونچے۔ نہ یہ کہ آتشبازی میں چندہ دینے دوں۔"

(۱۳)

ادھر تو یہ گزری اور اُدھر ماں بیٹیوں میں اچھی خاصی جھوڑ ہو گئی۔ کمبخت کچھ معاملہ بھی تو نہیں۔ فقط اتنی سی بات کہ سندر گھر کی لگی بندھی کا چھن چھپیا بھر کر ترکاری لائی چاروں طرف سے بچے ٹوٹ پڑے۔ منجھلی بیگم بھی تشریف لائیں۔ چھوٹے بچے تو صورت دیکھتے ہی فقرہ ہو گئے۔ بیچ کی راس کے ادھر اُدھر دبک گئے۔ جو رہ گئے ان میں سے کسی کے تھپیڑ، کسی کے چٹکی، کسی کے گھونسہ، کسی کے لپٹر۔ غرض جھٹ چھٹا کر دو تین بچے ہوں گے۔ وہ بھی سہمے ہوئے اور ڈرے ہوئے۔ صاحبزادی نے پہلے تو دس بارہ گُھلی گھلی جامنیں چکھ کر دیکھیں۔ پھر ان کا بھاؤ پوچھا۔ کا چھن نے کہا۔

"بیگم جو چاہے دے دو۔ بھلا میں تم سے بڑھتی لوں گی۔"

منجھلی ۔ "پھر بھی آخر معلوم تو ہو۔"

کا چھن ۔ "دو آنے سیر بک رہی ہیں۔ وہی دوں گی۔"

منجھلی ۔ "چھوٹی پیاسن لوٹنے کو یہی گھر رہ گیا ہے۔ دنیا جہان میں بکیں

ٹکے سیر۔ تو کہے دو آنے۔ ایسی ایسی نامرادیں یہاں آن مرتی ہیں جن کو رزق نہ موت۔ بہت دنوں تک اسامی بناتی رہی۔ اب یہ داؤں یہاں چلنے والا نہیں۔ بے ایمانی تو دیکھو ڈگنے نہ تگنے اکٹھے چوگنے۔ اور موئی جامنوں میں، جامنیں بھی تو نہیں۔ اینٹ پتھر کچی کچی اٹھا لائی۔ ٹکے سیر کے بھی لائق نہیں۔"

کاچھن "سرکار زبردستی تھوڑی ہے۔ نہ لو"

منجھلی "چل مُردار نہ کیوں لو۔ پہلے تو بچوں کو لگا دیا۔ اب لگی باتیں بنانے لے تول آدھ سیر"

زیادہ نہیں فصل کا میوہ سمجھ کر کاچھن ایک ڈھیری لے آئی تھی۔ جو مسا کر کرکے ڈیڑھ پونے دو سیر ہوں گی۔ اس میں سے آدھ یا تین چھٹانک بانگی میں ختم ہوئیں۔ باقی میں سے آدھ سیر چھانٹیں تو اس طرح کہ جامنوں کی جان نکال لی۔ کوڑا چھوڑا۔ ایک پیسہ آگے پھینک لگی چلنے۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ سند رہیں بائیس برس کی کاچھن منجھلی کی دادی تک کو سودا کھلائے ہوئے۔ بھلا منجھلی کے منہ کیا لگتی۔ مگر بھیڑ کی لات گھٹنوں تک۔ دن بھر ٹخ ٹخ کرتی اور گھر گھر جھانکتی تو شام تک چار یا پانچ آنے بچ جاتے۔ دو آنے کا نقصان دیکھ کر چپ سنانے میں آگئی۔ پیسہ پھیر دیا۔ اور کہنے لگی۔

"بیوی میری بچی نے نہ کھائیں تم نے کھائیں۔ پیسہ رہنے دو۔"

منجھلی "چڑیل زیادہ پھیلے گی۔ تو اتنی جوتیاں ماروں گی کہ عمر بھر یاد کرے گی"

ماں "لڑکی دیوانی ہوگئی ہے۔ اس کا مال ہے۔ چاہے دے چاہے نہ دے۔ جوتیاں مارنے کی کیا بات ہے۔ مال بے چاہے۔ ذات نہیں بیچی۔ زبان کا ٹانکا ہی ٹوٹ گیا ہے۔"

بیٹی "بس بی بس۔ میں تمھارے منہ کے لائق نہیں ہوں۔ آئیں بڑی بیچاری

وہاں سے حمایت لینے۔

ماں بیچاری تو اتنی سی بات کہہ کے چور بن گئی۔ بیٹی نے جو کچھ منہ میں آیا سب ہی کچھ کہہ ڈالا۔ اور تو کچھ بن نہ آئی میکے سے تین آدمی آچکے تھے۔ کہ بھاوج پردیس سدھار رہی ہے۔ آکر مل جاؤ۔ ڈولی منگوا چلی گئی۔ ایک بج چکا ہوگا۔ میرزاہد گھر آئے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ بیوی کا پتہ نہیں۔ بیٹی سے پوچھا۔ اس کو اس سے اچھا موقع اور اس سے بہتر وقت کون سا ملتا جو ماں سے بدلہ لے چھوٹتے ہی کہنے لگی۔

"خالہ حمیدن کے ہاں گئی ہیں۔"

خالہ حمیدن وہ بشر تھیں۔ جن سے میرزاہد نے تین ساڑھے تین برس تک مقدمہ لڑا۔ دونوں ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے۔ خون کے پیاسے۔ آمد و رفت میل ملاپ ملنا جلنا سب بند حمیدن کا نام لیتے ہی میرزاہد کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ عقلمند اچھی طرح جانتا تھا کہ میرے سالے کے ہاں سے صبح تین آدمی بلانے آچکے ہیں اور بیوی کہہ چکی ہے۔ کہ ذرا کھانا دے دلاؤں تو آتی ہوں۔ مگر بیٹی کا کہنا خدا اسلام قرآن تھا یا حدیث کہ فوراً ہی ایمان لے آیا۔ پھنپھنایا ہوا باہر نکلا۔ تو ادھر سے ڈولی لوٹتی تھی۔ اترنے سے پہلے ہی بوچھاڑ شروع کردی۔ آگے آگے بیوی پیچھے پیچھے آپ۔ اندر پہنچی تو بے گناہ چپکی کھڑی میاں کا منہ تک رہی ہے کہ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ بات نہ چیت، واسطہ نہ غرض۔ غصہ کاہے کا۔ اور خفگی کس کی۔ لڑکی نا ہنجار اتنی کمبخت اور مردار کہ ماں آٹھ آٹھ آنسو رو رہی ہے۔ اور آپ گردن مٹکا مٹکا کر ٹھٹھے لگا رہی ہے۔ پھر والد بزرگوار اتنے بڑے سمجھدار کہ پوچھا نہ گچھا اور بیوی کو گھر سے نکالنے تک پر آمادہ ہو گئے غصہ کی کوئی حد اور خفگی کی کوئی انتہا! کچھ دیر تک تو بدنصیب چپکی کھڑی دیکھتی

اور سامنے بیٹھی روتی رہی۔ مگر جب دیکھا کہ اب میاں کے منہ سے شرافت کے پھول جھڑنے لگے۔ تو وہاں سے اٹھ کوٹھری میں گھس اندر کنڈی لگا بیٹھ گئی۔ بہن دوڑی آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ بھائی غصہ میں آگ۔ بھاوج کوٹھری میں بند اور بھتیجی درے میں باغ باغ۔ بھاوج سامنے تھی نہیں۔ بھائی سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ لے دے کر بھتیجی ہی بھتیجی نظر آئی۔ اس سے پوچھا تو وہ کیا کہتی ہے۔

"جیسا کیا ویسا پائیں۔ صبح کی گئیں اب آئیں اور پہنچیں کہاں اسی حمیدن کے ہاں۔"

بھائی:۔ "آپا تم نے بھی بیویوں کے یہ ڈھنگ دیکھے ہیں۔ وہ مردار حمیدن میری جان کی دشمن، جس نے مجھ کو بھیک تک منگوا دی۔ اس کے گھر ملنے گئیں۔ اس سے زیادہ اور کیا ستم ہوگا۔"

بہن:۔ "تم نے خود جاتے ہوئے دیکھا۔ انھوں نے آپ کہا یا کسی سے سُنا؟"

بھائی:۔ "میں نے دیکھا نہ انھوں نے کہا۔ سنجھلی کہہ رہی ہے۔"

سنجیدہ گو میر زاہد جیسے بھائی کی بہن تھی۔ مگر زمانہ دیکھے ہوئے اور منجھلی جیسی بھتیجی برتے ہوئے۔ سنتے ہی تاڑ گئی کہ یہ صاحبزادی نے گل کھلایا ہے۔ بھائی کو دھیما کرکے اپنے ہاں لے گئی۔ کوٹھری کی کنڈی کھلوا کر اندر گئی۔ تو بھاوج نے کہا۔

"آپا یہ اس مردار نے بدلہ لیا ہے۔ میں تو حمیدن کی صورت سے بھی واقف نہیں۔ سلیم کی دلہن رات کو ہرات جا رہی ہیں۔ ان سے ملنے گئی۔ کھڑی سواری گئی۔ اور آئی۔ اتنا قصور ہوا تھا کہ یہ سندر کی جان کو آرہی تھی۔ میں نے منع کیا۔ اس کے بدلے اس کمبخت نے یہ آفت ڈھائی ہے۔ خیر میں تو کچھ

نہیں کہتی۔"

سنجیدہ نے بھاوج کی رام کہانی سن اُسے تو نہیں جھوڑا اور بھائی کو جا کر وہ ٹھیک بنایا کہ وہ بھی یاد کرتا ہو گا۔ مگر دُور اندیش عورت نے بھائی کو شرمندہ کیا بھی تو اس طرح کہ بھتیجی پر زیادہ بات نہ آنے دی۔ ورنہ مرد اور غصے میں بھرا۔ خدا معلوم کیا کر بیٹھتا۔ بھائی شرمندہ صورت اپنے اوپر نفریں اور لعنت بھیجتا ہوا باہر گیا تو ماں بیٹیاں اور پھوپی بھتیجیاں چاروں ایک جگہ بیٹھی تھیں۔

سنجیدہ نے سنجھلی سے تو بات کی نہیں۔ مگر نسیمہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

(۱۴)

دنیا میں جھوٹ سے بڑا عیب کوئی نہیں اور آج لڑکیوں میں یہ عام طریقہ ہے کہ اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتیں۔ ان بیوی کا کچھ نہیں بگڑا۔ ایک بات تھی منہ سے نکال دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گھر میں خون خرابے پڑ گئے۔ جھوٹا آدمی سب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کی کسی بات پر ہمیشہ پردہ نہیں پڑا رہتا کسی نہ کسی وقت کیسا ہی بھید کیوں نہ ہو ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ جھوٹی بات کا پہلے پہل تو سب یقین کر لیتے ہیں۔ لیکن جب کھل جاتی ہے اور پتہ چل جاتا ہے۔ اس وقت سے جھوٹے کی وقعت بالکل جاتی رہتی ہے۔ اس کی سچی بات کا بھی کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ عیب ہو۔ جس محفل میں ذکر ہوتا ہے۔ سب ایک منہ ہو کر کہتے ہیں "وہ بڑی لپاٹن ہے" اگر تم سے کوئی قصور ہو جائے۔ اور تم کو یہ یقین ہو کہ اس کے اقرار میں بڑی آفت اور سخت مصیبت کا سامنا ہے تو آنکھ بند کر کے صاف صاف کہہ دو۔ سانچ کو آنچ نہیں۔ نہیں تو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ قصور تو ظاہر ہو کر رہے گا۔ البتہ اس قصور کے ساتھ جو اتفاق سے ہو گیا۔ یہ دوسرا قصور جھوٹ کا۔ اور کھلا جو

جان بوجھ کر کیا اور دیدہ و دانستہ بولا۔ قصور جتنے ہیں سب معاف کرنے کے قابل مگر جھوٹ ایک ایسا قصور ہے۔ جو کسی حال میں معاف نہیں ہو سکتا۔ جو لڑکی سدا سچ بولے اس کی عزت سبحان اللہ۔ سب اس سے محبت کرتے ہیں۔

مجھ کو اس وقت ایک بات یاد آئی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد مسلمانوں میں چار بادشاہ ہوئے ہیں۔ جن کو خلیفہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ کے جانشین تھے۔ یعنی حضرت ابو بکر صدیق رض۔ عمر فاروق رض۔ عثمان غنی رض۔ علی مرتضیٰ رض۔ ان میں سے دوسرے خلیفہ عمر فاروق رض جن کے رعب سے بڑے بڑے بادشاہ تھراتے تھے۔ اُن کے زمانہ کا ذکر ہے۔ ایک روز بھرے دربار میں جبکہ چاروں طرف عہدہ دار جمع تھے اور بزرگ آدمی موجود۔ ایک شخص ایک دوسرے شخص کو پکڑے حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔

"امیر المومنین (مسلمانوں کے سردار) اس شخص نے میرے باپ کو مار ڈالا"

حضرت عمر رض نے اس پکڑے ہوئے شخص سے پوچھا۔ اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا۔ اور کہا یہ سچا ہے۔ میں ایک پتھر مارتا تھا۔ ایسا لگا کہ مر گیا۔ جب مجرم نے اقرار کر لیا تو مقدمہ صاف تھا۔ گواہ موجود تھے۔ حکم ہوا کہ بدلہ لیا جائے اور قاتل کو موت کی سزا دی جائے۔

جلاد حاضر ہوا تو مجرم نے کہا۔ "خلیفۃ المسلمین (مسلمانوں کے خلیفہ) چار دن کی اجازت دیدیجئے۔ میرے پاس ایک یتیم بچہ کی امانت ہے جو اس کا باپ مرتے وقت میرے سپرد کر گیا تھا۔ وہ ایسی جگہ دفن ہے۔ جس کا حال میرے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اب میں مرتا تو ہوں ایسا نہ ہو بن باپ کے بچے کا مال میرے ذمہ رہ جائے اور میں پکڑا جاؤں۔"

حضرت عمر رض نے فرمایا "اگر کوئی تیری ضمانت دے تو چلا جا"۔ یہ سنتے

ہی اس کی مسرت بھری نظر سب سے پہلے جس چیز پر پڑی وہ ایک بزرگ آدمی تھے۔ ان سے کچھ کہا نہ سنا حضرت عمر رضؓ سے عرض کیا کہ یہ میری ضمانت دیں گے۔ اب ان بزرگ کا حال سنو وہ کون تھے پیغمبرؐ خدا کے دوست اور اُن کے ساتھ رہنے والوں میں فاروق اعظم یعنی حضرت عمر رضؓ نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ فرمانے لگے۔ "ہاں میں ضامن ہوا ۔"

قاتل چھوڑ دیا گیا۔ تین دن گزر گئے۔ چوتھے دن ٹھیک اُسی وقت دربار فاروقی گرم تھا۔ مدعی نے جس کا باپ مارا گیا تھا۔ عرض کیا "امیر المومنین قاتل کو آپ نے چھوڑ دیا۔ میں آپ سے لے لوں گا۔"

حضرت عمر رضؓ نے فرمایا "اگر قاتل ابھی حاضر نہ ہوا تو اُن بزرگ پر قصاص ہے۔ ان کو وہی سزا دی جائے گی۔"

یہ حکم سنتے ہی سب دنگ رہ گئے۔ دفعتاً قاتل ہشاش بشاش حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

"امیر المومنین! الحمدللہ میں امانت سے سبکدوش ہوا۔ جلاد کو حکم دیجئے کہ اب دیر نہ کرے۔" اس شخص کی یہ گفتگو سنکر ادھر تمام درباری۔ اُدھر حضرت عمر رضؓ سب سناٹے میں تھے۔ پوچھا کہ "یہ بزرگ تیرے کون ہیں؟ جنھوں نے تیری ضمانت دی۔" اُن بزرگ سے پوچھا کہ "آپ کو اس کی حاضری کا کیوں کر یقین ہوا جو ضامن ہوئے۔"

قاتل مسکرایا اور کہنے لگا "فاروق اعظم تعجب نہ کیجئے میں نظر پڑتے ہی سمجھ گیا تھا۔ کہ مسلمان اور بڈھے ضرور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت کی ہوگی۔ ایک مسلمان کو مدد دینے میں دریغ نہ کریں گے۔"

اب ان بزرگ کی باری آئی۔ فرمانے لگے "میں نے اس شخص کو اس دن

سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر جس وقت اس نے مجھ کو ضمانت میں پیش کیا ہے۔ مجھ کو یقین تھا کہ مسلمان ہے۔ مسلمان ہو کر جھوٹ نہ بولے گا۔"

درباریوں میں سے ہر شخص نے اس قاتل کی سچائی پر تعریف کے نعرے بلند کئے اور درخواست کی اسے چھوڑ دیجئے۔ قتل کا روپیہ ہم ادا کرتے ہیں۔ مگر مدعی نے خونبہا لینے سے انکار کیا اور کہا۔

"ایسے سچے شخص کو میں نے اپنے باپ کا خون معاف کیا۔"

"یہ سچ بولنے کا نتیجہ ہے۔ چاہے جان جاتی رہے۔ مگر زبان سے جھوٹی بات نہیں نکلنی چاہیئے۔"

پھوپی کی اس گفتگو کا کوئی نتیجہ یا اثر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ منجھلی جس کا نام تھا۔ اس کو اتنی بھی خبر نہ ہوئی کہ یہ باپ سے بڑی پھوپی کہہ کس کو رہی ہیں۔ چین سے بیٹھی ہلتی رہی۔ بہت جی گھبرایا تو اٹھی چبوترے کا ایک آدھ چکر لگایا۔ اور پھر وہیں آن بیٹھی۔ ایمان کی بات پوچھو تو خود پھوپی ہی کو کیسا یقین اور کس کا شبہ، وہم و گمان نہ تھا کہ یہ کان دھر کر میری بات سُنے گی۔ اس کی غرض اور خواہش جو کچھ تھی سو یہ کہ کسی طرح دل کی بھڑاس نکالوں۔ کہہ چکی تو بچی کو ساتھ لے اپنے گھر چلی گئی۔

لڑکیوں کے واسطے غیرت اور حمیت بڑی چیزیں ہیں۔ خدا نہ کرے کہ کسی بیٹی پر منجھلی کا پرچھاواں پڑے۔ اس دن کے بعد سے ماں غریب نے تو بات کرنی ہی چھوڑ دی۔ مگر ہاں مامتا کا جوش یا موقع محل کی مصلحت اتنا ضرور کیا۔ کہ میاں کے کان تک اس کی بدعنوانیاں نہ پہنچائیں۔ اور اُلٹا اس دن کا الزام بھی پُورا نہیں تو آدھا پاؤ اپنے ہی سر تھوپ لیا۔ یہ اس کی غلطی بیوقوفی مجبوری کچھ بھی ہو۔ اتنا ہم بھی کہیں گے کہ اگر علم ہو جاتا تو باپ ایسی ناہنجار بیٹی کا آئندہ یقین نہ کرتا۔

اور اگر زیادہ نہیں تو اتنا فائدہ منجھلی کو بھی ہوتا کہ وہ پھر کبھی اتنی جرأت نہ کرتی۔
سچی بات یہ ہے کہ ادھر تو رہی تعلیم سے کوری۔ اُدھر ماں نے توجہ کی نہیں۔ صحبت ملی خراب چھوٹی چھوٹی عادتیں۔ میل کا بیل بن گئیں۔ اگر خدا سمجھ دیتا۔ کچھ کچھ بڑی بات نہ تھی کہ ماں شروع ہی سے ان نالائق لڑکیوں کو گھر میں نہ گھسنے دیتی صبح ہوئی اور محلہ بھر کی بدتمیز ناہنجار، انیاں خنیاں، کوئی بھٹیارے والی ہے۔ تو کوئی سقنی۔ اِدھر اُدھر سے آ جمتیں۔ وہاں نسیمہ نماز سے فارغ ہو قرآن شریف پڑھ رہی ہے۔ اور یہاں آنکھ مچولی ہو رہی ہے۔!

(۱۵)

میرو بھٹیارے نے ایک دن اپنے پیر چکنی شاہ کی دعوت کی۔ سیر بھر گوشت ڈیڑھ سیر چاول بیوی کو لا کر دیئے۔ وہ بیچاری گوشت کو چینی سے ڈھانک چاول پوٹلی میں باندھ پیاز لینے کو کوٹھری میں گئی۔ لڑکی چاول کھول۔ تین چار مٹھیاں جھولی میں ڈال، آٹھ دس بوٹیاں اچھی اچھی چھانٹ منجھلی کے ہاں پہنچی۔ ماں کوٹھری سے نکل کر دیکھتی ہے تو چاول اور گوشت دونوں غائب۔ برقعہ اوڑھ پیچھے پیچھے آئی تو۔ بی منجھلی ہنڈکلیا چولھے پر رکھ آگ پھوں پھوں کر رہی تھیں۔ بیٹی کو تو خیر جو منہ میں آیا سناتی رہی۔ مگر منجھلی کو بھی ساتھ ہی ایسی کھری کھری کہیں کہ کوئی دوسرا ہوتا تو چپنی بھر پانی میں ڈوب مرتا۔ مگر بے غیرتی ہو تو اتنی کہ اس کے بھاویں بھی نہیں۔ بھٹیارے کی بیٹی تو اتنا فائدہ تو ہوا کہ بک جھک آدھی پاؤ دانے لونے چاول گوشت لے لوا گھر آ گئی۔ مگر منجھلی کیا چوکنے والی بشر تھیں۔ ماں کی آنکھ بچا کر کوٹھری میں گھس پڑی۔ گھی۔ چاول۔ کھانڈ چھیتے چڑھا نکال لائی۔ ماں جو کسی ضرورت سے اندر گئی تو کیا دیکھتی ہے۔ چاول پھیلے ہوئے گھی گرا ہوا۔ کھانڈ کی ہنڈیا ٹوٹی۔ سمجھ تو فوراً گئی مگر بیٹی کی جان کو صبر کر چکی ہو بیٹھی۔ منجھلی

کس کی بیٹی اور کس کی پوتی۔ لیکن نصیبوں پیٹی شروع ہی سے کچھ ایسی صحبت میں بیٹھی کہ جو کام کیا وہ بے ڈھنگا اور جو بات کی وہ بے تُکی۔ کھیل کھیلے تو کمبخت ذلیلوں کے۔ رلیس کی تو موئے فقیروں کی۔ ہاتھ میں کانٹا گودھیں تر۔ پاؤں ہے کہ زمین پر چھپیا۔ ہاتھ میں گنے، بغل میں پنکھا۔ گنڈیریوں کی آواز لگ رہی ہے۔

خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ ایک دن سقنی والی نے کہا۔

"آؤ بی منجھلی بیگم چور چور کھیلیں تم بنو چور ہم بنیں سپاہی اور ہم صاحب دیکھو وہ جو تمھاری الماری میں نارنگیاں رکھی ہوئی ہیں۔ اس طرح چراؤ کہ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو"

منجھلی بیگم کو کیا عذر تھا پان کے بہانے پٹاری کے پاس آئی اور اٹھتی دفعہ نارنگیاں جھولی میں ڈال رفوچکر۔ کھیل تو تھا بہانہ۔ مطلب تھا نارنگیاں کھانا۔ مفت کا مال ان داموں کیا بُرا تھا۔ تینوں چاروں نے مل کر دسوں ختم کیں۔ مزہ یہ تھا کہ سنگترے تھے ناگپور کے وہ بھی بازار کے نہیں سوغات کے۔ رات کو میرزاہد نے مردانے میں منگوائے۔ گھر والی جا کر دیکھتی ہے تو الماری صاف۔ نارنگیوں کے بدلے اللہ کا نام بھیجیں کیا، اپنا سر۔ کونہ کونہ، چپہ چپہ ڈھونڈھ ڈالا۔ سوئی تو تھی نہیں جو چھپ جاتی۔ اِدھر میاں ہیں کہ آدمی پہ آدمی تقاضے پر تقاضہ اِدھر بیوی ہیں کہ چور بنی بیٹھی ہیں۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آئی تو دوڑی دوڑی نند کے پاس آئیں اور لگیں قسمیں کھانے کہ "آپا جل جائے زبان جو ایک پھانک بھی کھائی ہو۔ یہ سب منجھلی کی بھینٹ چڑھیں۔ اب بتاؤ کیا کروں۔ میں تو ایسی ذلیل عمر بھر نہیں ہوئی۔" دونوں نند بھاوجیں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔

میرزاہد لاکھ بیٹی سے الگ رہتے ہوں۔ مگر اس کے گنوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ دیر ہونے پر غصہ آیا۔ مگر جب بالکل ہی ناامیدی ہوئی تو سمجھ گئے۔

دل ہی دل میں جل بھن چپ ہو رہے۔

(۱۶)

ہونی شدنی۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ چوتھا پانچواں روزہ ہوگا نسیمہ اگالدان لینے ماں کے ہاں آئی۔ چلنے لگی تو بہن نے بلا پاس بٹھا لیا۔ پانچ چھ لڑکیاں اور بھی تھیں۔ نسیمہ کا بھی ان کی باتوں میں دل لگ گیا۔ ایسی بیٹھی کہ دوپہر ہو گئی۔ اور اٹھنے کا نام نہیں۔ پھوپی نے آکر دیکھا تو اجو دائی کلو سے گھٹ گھٹ کر باتیں ہو رہی ہیں۔ بلا کر ساتھ لے گئیں۔ اور گھر لے جا کر کہا۔

"اگالدان لینے گئی تھیں یا وہاں بیٹھنے۔ یہ رذیل بدتمیز لڑکیاں مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ تمھیں ان کے پاس بیٹھنا کیا ضرور تھا۔ بھلے کے پاس بیٹھے چبائے ناگر پان۔ برے کے پاس بیٹھے کٹائے ناک اور کان۔ سوائے اس کے کہ ان کی خراب عادتوں کا اثر تم پر بھی پڑے۔ اور کوئی فائدہ مجھ کو نظر نہیں آتا۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑے اور آدمی کو دیکھ کر آدمی ڈھنگ پکڑے۔ تم کو ان کی بیہودہ حرکتیں دیکھ کر ان سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ ان کی رفیق بن کر انہی میں گھس بیٹھو۔ تھالی گری جھنکار ہوئی۔ کیا خبر بھری تھی یا خالی۔ دیکھنے والے تو یہ سمجھیں گے کہ یہ بھی انہی جیسی ہے۔ خالہ کلثوم کا حال سن چکی ہو۔ ایک تیلن کی صحبت نے عزت پر پانی پھیر دیا۔ بہترا ہی سب نے منع کیا۔ مگر جب دیکھو گھسی ہوئی۔ اس کا باپ تھا چور۔ شیخ دھومی کے ہاں ہوئی چوری۔ تلاشی ان کے ہاں بھی ہوئی۔ پولیس کا نام سن کر وہاں سے بھاگ اپنے ہاں آئی۔ تھانہ دار کو ہوا شبہ۔ وہاں سے اٹھ سیدھا ان کے ہاں۔ ایک ذرا سی بات تھی۔ مگر جس وقت خالہ کے گھر کی تلاشی ہوئی ہے۔ محلہ بھر نے دانتوں میں انگلیاں دے لیں۔ یاد رکھو برے کی صحبت میں بیٹھنے سے سوا برائی کے اور کچھ نہیں

ملنا۔ اگر ایک رومال میں تھوڑے سے پھول رکھو تو رومال پھول نہیں ہو جاتا۔ مگر پھولوں کی صحبت کا اتنا اثر ضرور ہوتا ہے کہ رومال میں بھی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی گلدستہ کو غور سے دیکھو، خوش رنگ پھولوں کے ساتھ گھانس پھونس پر عجیب رونق ہو جاتی ہے۔ ذرا اپنے ہاتھ دیکھنا سونے کی پہنچیاں اور یہ معمولی ڈورا مگر سونے کی وجہ سے اس ڈورے کی وقعت کچھ اور ہی ہو رہی ہے۔ ساتھ ایسے لوگوں کا اختیار کرنا چاہیئے جو سچے ہوں اور اچھے نہ یہ کہ مکار اور ناہنجار۔ لڑکی ہو یا لڑکا۔ پڑی ہوئی عادت اور پکا پھر چھٹائے نہیں چھٹتا۔ تمھاری آپا کیوں بگڑیں۔ صحبت ہی کی وجہ سے ناس ہو گیا اور کچھ ہے رات دن جب دیکھو یہی کمینی لڑکیاں موجود ہیں۔ محلے میں اتنے بھلے مانس ہیں کبھی ان میں سے بھی کسی لڑکی کو آتے دیکھا۔ میں تو اس دن گڑیا کے بیاہ میں دیکھ رہی تھی کہ بڑی سے چھوٹی تک جو تھی وہ ایسی ہی۔ نام کو کسی اشراف کی لڑکی نہ تھی۔ سچ پوچھو تو موری کا کیڑا موری ہی میں خوش رہتا ہے۔ خود مجھلی کا دل انھیں میں لگتا ہے۔ وہ بھلے مانسوں کی قدر کیا جانے۔ بیٹی اب کبھی جا کر نہ بیٹھنا۔"

(١٧)

سنجیدہ کی چچازاد بہن پڑھی لکھی۔ عربی فارسی کی خاصی اچھی عالم فاضل۔ پانچ برس کے بعد بیت اللہ سے واپس آئیں۔ آ کر دیکھتی ہیں تو محلہ میں کچھ رنگ ہی اور چھایا ہوا ہے۔ کیا کنواری اور کیا بیاہی، جو لڑکی ہے مذہب سے غافل خدا سے لاپروا۔ کیسی نماز اور کس کی خیرات کہاں کا روزہ اور کدھر کی زکوٰۃ۔ دن ہو یا رات بیہودہ خرافات۔ بچہ ہو یا جوان فرعون بے سامان۔ ان بیچاری کے تو دیکھ کر کان کھڑے ہو گئے۔ تین چار دن تو خون کے سے گھونٹ پی کر چپ ہو گئیں۔ جمعہ کے دن دوپہر کے بعد بلاوے بھجوا دیئے۔ دور دور سے بیویاں

آکر جمع ہوئیں۔ اُستانی جی نے وعظ شروع کیا۔

"بہنو! بیٹیو! میں تم سب کی احسان مند ہوں کہ اپنے اپنے کام کاج بند کئے اور میری درخواست پر یہاں جمع ہوگئیں۔ چلو اس بہانہ سے ملاقات تو ہوگئی۔ اس لحاظ سے تو میں ضرور خوش ہوئی کہ تم سب کو اب تک میرے ساتھ وہی محبت ہے۔ جو چلتے وقت تک تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر مجھ کو بڑا افسوس ہوا کہ بیس نہ پچیس ۲۵ صرف پانچ ہی برس کے عرصہ میں نہ وہ آسمان رہا نہ وہ زمین۔ سب چیزیں بدل گئیں۔

میں نہیں چاہتی کہ لڑکیاں پرانی لکیر کی فقیر بنی رہیں۔ زمانہ کا رُخ دیکھ کر کام کرو۔ مگر نہ ایسا کہ دوسرے کی ریس میں اپنی اصلیت ہی کو بھول جاؤ۔ کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔ کون کہتا ہے کہ انگریزی جوتی پہننی حرام۔ مگر ہاں یہ میں کہتی ہوں اور کھلم کھلا کہتی ہوں کہ نماز کے وقت گراموفون سننا ناجائز نام لینے سے کیا فائدہ۔ مگر کل ایک کنواری لڑکی کو دیکھا کہ آبِ رواں کا کُرتہ، ٹِک کی اوڑھنی، نیک بختو! معاف کرنا۔ تمھارے کان ننگے! تمھارے پاؤں خالی تمھارے ہاتھ سونتا سے ہوں تو ہوں۔ مگر تمھارا سب سے بڑا زیور شرم و حیا عزت عصمت ہے۔ یہ وہ چیز ہے کہ سینکڑوں ہزاروں کیا بلکہ لاکھوں کروڑوں روپے کے جواہر اس پر قربان۔ بُرا نہ ماننا اس آبِ رواں سے گاڑھے کا کُرتہ اور دھوتر کی چادر ہزار درجہ بہتر ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ میں تعلیم نسواں کی ہمیشہ موافق رہی۔ ہاتھ پاؤں سے جو کچھ بھی ہو سکا۔ اور جتنا بھی ہو سکا اسی میں لگی لپٹی رہی۔ دو چار حرف جو آتے تھے اس کے بتانے میں کبھی دریغ نہ کیا۔ مگر میں نے یہ کبھی نہ کہا کہ مذہب کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دو۔ سن لو اور یاد رکھو۔ جن قوموں نے دنیا میں ترقیاں کیں اور

جن لوگوں کو آج ہر قسم کی عزت حاصل ہے۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں اور کہنے گیا ہیں۔ اُن کو کہنا پڑا ہے کہ مذہب سے الگ آدمی جانور سے بدتر ہے۔ تعجب ہے کہ تم سب کی سب اپنی ترقی اور اصلاح کی اتنی کوشش کر رہی ہو کہ اس چار دن کے عرصہ میں جبسا سے میں آئی ہوں دو جلسے سُن چکی ہوں۔ مگر کیا تم اس کو ممکن سمجھتی ہو کہ اپنے سچے مذہب کو چھوڑ کر کسی لائق ہو جاؤ۔ اور اچھی بن سکو۔ جب اتنی موٹی بات تمھاری سمجھ میں نہیں آتی تو تم کیا خاک ترقی کر سکتی ہو۔ لڑکی ہو یا بڑی عورت بلا ایمان ایک کاغذ کا پھول ہے۔ جس میں نام کو خوشبو نہیں نہ وہ بات کرنے کے قابل نہ اس کی بات سننے کے لائق۔ میں مسلمان ہوں اور میرا عقیدہ ہے کہ دنیا کی درستی جب تک نہ ہوگی۔ دین درست نہیں ہو سکتا۔ دنیا سے لاپروا ہونا۔ اور دین کی آڑ میں پناہ لینی، میں سخت گناہ سمجھتی ہوں۔ کیا کروں یا میرا سچا مذہب۔ میری مقدس کتاب مجھ کو یہی بتا رہی ہے۔ کہ ہم یہ دعا کریں۔ الٰہی دین و دنیا کی خوبیاں ہم کو دے۔ اب دنیا کی خوبیوں سے علیحدہ رہنا اور محض دین ہی دین پر صبر کر لینا پرلے سرے کی احسان فراموشی اور حد درجہ کی غلطی ہے۔ اب تم کو یقین ہو گیا کہ میں ہرگز ہرگز اس خیال کی آدمی نہیں ہوں۔ کہ دنیا کو فانی بتا کر تمھیں اس کے کاموں سے روکوں۔

لیکن اے اللہ کی بندیو! ذرا آنکھ ملا کر بات کرو۔ جلسہ کے واسطے تو گھر کو نہایت آراستہ و پیراستہ کیا، فرش فروش، دری چاندنی، میز کرسیاں خوب بچھائیں اور خوب سجائیں مگر کبھی اس کے گھر آراستہ کرنے کا بھی خیال آیا۔ جہاں سدا رہنا ہے۔ بڑا خطرناک سفر ہے اور جانا ضرور۔ راہ کٹھن منزل کڑی۔ سنگ نہ ساتھی۔ اکیلی جان اللہ نگہبان۔ ڈولیاں لگی کھڑی ہیں۔ اور جانے والیاں صبح و شام چلی جا رہی ہیں۔ تمھارے اوپر دنیا میں دو قسم کے حق ہیں۔ ایک

خدا کا اور دوسرا بندوں کا۔ اگر خدا کے حق ادا کرنے میں غفلت کروگی۔ تو سزا کے بعد یا سزا سے پہلے غرض اس کے معاف ہونے کی امید ضرور ہے۔ اور اس لئے ہے کہ ایک ایسے زبردست بادشاہ کی خطا ہے جو بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اور جس کے حق کا ادا ہونا آسان کام نہیں۔ اس لئے جہاں تک ہوسکے کوشش کرو کہ کوئی فرض باقی نہ رہ جائے اور یقین رکھو کہ وہ مالک حقیقی شفیق رفیق۔ عزیز رحیم سب ہی کچھ ہے۔ اپنے فضل وکرم سے بیڑا پار کردے گا۔ اب رہا دوسرا حق یعنی بندوں کا وہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ ماں باپ بہن بھائی عزیز اقارب۔ ہمسایہ پڑوسی۔ نوکر ماما۔ سائل فقیر وغیرہ وغیرہ غرض جتنے آدمیوں سے کچھ بھی واسطہ ہے۔ ان میں سے کسی کا ذرہ بھر حق رہ گیا ہے۔ اور کسی کو رتی بھر بھی تکلیف پہونچ گئی تو اس بات سے بالکل ناامید ہو جاؤ۔ کہ وہ نکتہ نواز ہے۔ اس کو اپنے معاملہ میں جو کہو وہ درست مگر پرائے معاملہ میں وہ رحم نہ کرے گا۔ کیسے خوف کا وقت ہے کہ خدا جیسا مہربان جو ہر وقت اور ہر حال میں مددگار ہے۔ اس نے اگر بندوں کو کسی معاملہ میں ناامید کیا ہے۔ تو صرف اسی معاملہ میں۔ اب بتاؤ اس سے زیادہ ذمہ داری کا کام کون سا ہوگا۔ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ۔ تم میں سے کتنی لڑکیاں ایسی ہیں کہ ماں باپ اُن سے راضی، بہن بھائی ان سے خوش عزیزوں پر مہربان۔ غریبوں پر رحم۔ ہمسایہ سے نیکی۔ حاجتمندوں سے سلوک۔ سچ پوچھو تو مجھ سمیت کنواریاں، بیاہیاں۔ مائیں اور بوڑھیاں۔ یہاں تو جتنی بیٹھی ہیں۔ سب نورٌ علیٰ نور۔ جھوٹ مکر و دغا دھوکا اکٹھے ہاتھ کا کھیل ہے۔ کسی سے فریب۔ کسی سے چال۔ اس کو بھڑکایا۔ اس کو لڑوایا یہاں لگائی وہاں بجھائی۔ غرض صبح سے شام تک یہی شغل یہی کام۔ کمزور پر غصہ آیا تو کھا جانے کو تیار، جانوروں سے مزاج بگڑا تو مار ڈالنے کو آمادہ۔ کیوں

میری بچیو! اسی برتے پر ترقی کی کوشش اور اسی بوتے پر اصلاح کے جتن۔ پہلے اپنے تئیں درست کرو۔ پھر دوسروں پر نظر ڈالنا پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ آدمی بن جاؤ۔ پھر یہ سب باتیں معلوم ہوں گی۔ ابھی تو یہ حالت ہے کہ اپنی غرض ہوئی تو چماری تک کی خوشامد کرلی۔ دوسرے کا کام آکر اٹکا تو سیدھے منہ بات تک کرنی گناہ۔

پرسوں کے جلسہ میں ایک بات سنکر بہت ہی افسوس ہوا بلکہ صدمہ ہوا۔ مسلمانوں کی بیٹیاں مسلمانوں کی پوتیاں۔ مسلمانوں کے گھر رہیں۔ مسلمانوں کے ہاں پلیں مگر اچھا اسلام کو بٹہ لگا یا سُنتی ہوں۔ ادھر برابر کی مسجد میں مغرب کی نماز ہو رہی تھی۔ اُدھر جلسہ میں گراموفون بج رہا تھا۔ خیال تو کرو چند اللہ کے بندے دن بھر کے تھکے ہارے کام کاج سے فراغت پا کر اپنے معبودِ حقیقی کے حضور میں سچے دل سے عبادت کو حاضر ہوں۔ اور تم اسی حالت میں داغ کی غزل کے مزے لوٹو! آخر بتاؤ تو سہی تم نے مذہب کو کیا ہنسی ٹھٹھا سمجھ رکھا ہے۔ مرنا ہے رہنا نہیں۔ اور مرنے کے بعد ایک دربار میں پیش ہونا ہے۔ جانتی ہو وہ کیسا دربار ہے۔ ایک منصفِ حقیقی تختِ عدالت پر ہوگا۔ یہ سب تمکنت تکلے کے بَل کی طرح نکل جائے گی۔ یہ مال و متاع دولت و حشمت جس نے فرعون بنا دیا۔ یہیں کی یہیں رہ جائے گی۔ ایسی چیز جمع کرو۔ جو وہاں بھی ساتھ جا سکے۔

میری بہنو! وہ بڑا نازک وقت ہوگا نہ کسی کی سفارش کام آئے گی۔ نہ کوئی مددگار ہوگا۔ مظلوموں کی دعا لو کہ یہاں پھُولو پھلو اور وہاں بیڑا پار ہو۔

عصر کی اذان ہو رہی ہے۔ جاؤ اور احکم الحاکمین کی درگاہ میں سرجھکا کر سچے دل سے توبہ کرو اور مصمم ارادہ کرلو کہ جب تک دم میں دم ہے۔ ایسی زندگی بسر کریں گے کہ دیکھنے والے تعریف اور سننے والے واہ واہ کریں۔"

(۱۸)

عصر کے وقت تو اُستانی جی نے وعظ ختم کیا۔ مغرب کی نماز سے فراغت پا کر بیٹھیں تو خیال آیا سب سے مل لی مگر چھوٹی بیگم نہیں آئیں۔ ان سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ چلو میں خود ہی کیوں نہ چلی چلوں۔ تین گھر بیچ چھ تھا گھر چھوٹی بیگم کا تھا۔ وہاں پہنچیں تو بڑی بیگم بیٹھی پان کھا رہی تھیں۔ اُستانی جی کو دیکھتے ہی نہال نہال ہو گئیں۔ انھیں عزت سے لائیں خاطر سے بٹھایا۔ خاطر مدارات ایسی کی کہ بچھی جاتی تھیں۔ آؤ بھگت اتنی کہ پان پر پان اور زردہ پر زردہ۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہو چکیں تو اُستانی جی نے کہا۔

"بچی کہاں ہے۔ آج وعظ میں بھی بہت دیکھا۔ ملنے کو جی تڑپ رہا ہے۔ میں نے کہا چلو میں ہی چل کر مل آؤں"۔

بیگم صاحبہ۔ "وعظ میں جانے کو وہ بھی کہہ رہی تھی۔ مگر میں نے مناسب نہ جانا سیانی بیٹی کو کہاں کہاں لئے پھروں"۔

اُستانی جی۔ "میری نظر میں تو ابھی وہی بچہ ہے۔ کل ہی کی تو بات ہے کہ پاؤں پاؤں پھرتی تھی بڑی ہو گئی تو کیا حرج تھا۔ وہاں تھا ہی کون غیر۔ آپس ہی کی لڑکیاں بالیاں جمع ہو گئی تھیں۔ اور اگر غیر بھی ہوتا تو کیا تھا۔ مجھے تو کوئی نقصان نہیں معلوم ہوتا"۔

بیگم صاحبہ۔ "یہ آپ کا فرمانا درست ہے۔ مگر پھر بھی ہوشیار لڑکی کا باہر نکلنا حاصل کیا"۔

اُستانی جی۔ "ایک تو یہ خرابی سمجھی ہو گی کہ غیر محلہ، پرایا گھر، انجان لوگ سیانی لڑکی کا ناواقف لڑکیوں کی صحبت میں جانا اچھا نہیں۔ یہ وجہ تو بہت معقول ہے۔ مگر وہ اپنا ہی محلہ۔ دیکھا بھالا گھر۔ جانے بوجھے لوگ اور جب آپ خود ساتھ

نکلیں تو کیا قباحت تھی۔ دوسری خرابی یہ ہوگی کہ جب لڑکی بڑی ہوئی تو نسبت ملنے کا وقت آیا۔ لوگ دیکھیں گے عیب و ہنر سے آگاہ ہوں گے۔ صورت شکل کو پرکھیں گے۔ کالی بدصورت ہے تو سب کو معلوم ہو جائے گا۔ کیوں قبول کرے گا۔ سو بیگم صاحبہ معاف کیجئے گا۔ اس سے زیادہ بے ایمانی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ بیٹی کا عیب اس کی بدصورتی کھلنے نہ پائے اور کسی نہ کسی طرح گھیر چپاک کر دوسرے کے سر منڈھ دیں۔ ناخوش نہ ہوجیئے گا یہ میں آپ ہی کہہ رہی ہوں کہ سمجھدار لڑکی کا غیر عورتوں کی صحبت میں آزادی سے جانا اچھا نہیں ہے مانتی ڈھیلی ڈوری ہرگز نہیں چھوڑنی چاہیئے مگر اتنی قید بھی اچھی نہیں۔ یہ تو مسلمانوں کا کام نہیں۔ یہی میں آج وعظ پیٹ رہی تھی کہ جس طرح ہو ایمان درست کرو۔ کنواری لڑکیوں کو بدتمیز عورتوں اور بے ڈھنگی لڑکیوں کی صحبت سے بچانا بے شک بہت دوراندیشی کی بات ہے۔ لیکن آج کے وعظ میں نہ لانے کا سبب یہ تو نہیں معلوم ہوتا اور کچھ ہو تو مجھے خبر نہیں۔ بیگم صاحبہ میرا خیال ہے کہ منگنی کے وقت بیٹے والیوں کو خوب اچھی طرح بیٹی کو دیکھ لینے کی اجازت دے دینی چاہیئے تاکہ پیچھے بے ایمانی کا الزام نہ لگے۔ اور سچ پوچھیئے تو معاملہ کے معنی یہی ہیں۔ اب اجازت دیجئے۔ دیکھئے اگر موقع ہوگا۔ توکل دل پھر آؤں گی۔ میری طرف سے دعا کہدیجئے گا۔"

اس وقت تو استانی جی چلی گئیں۔ مگر اگلے زمانہ کی آدمی، دل کی صاف وضع کی پابند۔ صبح کی نماز سے فراغت پا قرآن شریف پڑھ پھر آ گئیں۔ اُترتے ہی دیکھتی ہیں تو لڑکی بے خبر پڑی خراٹے لے رہی ہے استانی جی کی صورت دیکھتے ہی بڑی بیگم صاحبہ نے بیٹی کو جگایا اور کہا۔

"ننھی استانی صاحبہ رات کو بھی تشریف لائیں۔ اب بھی آئیں۔ اُٹھو ہاتھ منہ دھو کر لو۔ کل سے جی اچھا نہیں ہے۔ اس واسطے لیٹی ہوئی ہے۔"

لڑکی اٹھی تو سہی مگر کس طرح تیوری چڑھی ہوئی۔ مزاج بگڑا ہوا۔ آکر بیٹھی ادھر اُدھر کی باتوں سے چھپی ہوئی تو اُستانی جی کیا چوکنے والی تھیں۔ فرمانے لگیں۔

"بیٹی مجھے تو بڑا ہی تعجب ہوا۔ مغرب کے وقت سے پڑ کر سوؤ اور سوا پہر دن چڑھے سر کر اٹھو۔ چھوٹی بیگم نے تو وہی مثل اصل کر دی۔ چراغ میں بتی پڑی لاڈو بیری تخت چڑھی۔ نیند کیا ہوئی بلا سے جان ہو گئی۔ نو ظہور کا وقت نہ نماز نہ قرآن۔ خدا نہ رسول کا پڑے اینڈ رہے ہیں۔ ایسی سستی کس کام کی۔ لڑکیوں کا کام یہ ہے۔ جاڑے کی پہاڑ سی راتیں۔ گھر کے کام دھندوں سے چھٹکارا پا عشاء کی نماز پڑھ کوئی کتاب لے بیٹھیں۔ آپ پڑھی دوسروں کو سنائی۔ دس گیارہ بجے سوئے نماز کے وقت اُٹھ بیٹھے۔ سویرے اٹھنے سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں میں چستی، بدن میں پھرتی۔ کام میں مستعدی یہ سب باتیں سویرے اٹھنے کی بدولت ہیں اب تم اتنے دن چڑھے اٹھی ہو۔ دیکھ لینا دن بھر ہاتھ پاؤں ٹوٹیں گے۔ چکر اور جمائیاں سستی اور انگڑائیاں ہر وقت موجود۔ جی چاہے گا۔ تو یہ کہ کب موقع ملے اور پڑ کر سوؤں۔ اس کے علاوہ ایک زبردست نقصان ہوا کہ اگر ہزار روپے خرچ کر ڈالو تو بدلہ نہیں ہوتا۔ نماز فجر جس کو تم نے محض غفلت سے نیند میں کھو دیا۔ ایسی چیز ہاتھ سے گئی۔ جو اب عمر بھر ملنے والی نہیں۔ دین سے یوں گئیں دنیا سے یوں گئیں۔ اگر تم کو اس کی عادت نہ پڑی تو آج میرے کہنے سے اتنا کرو کہ کل صبح کی نماز پڑھ لو۔ پھر دیکھنا دن کیسا گزرتا ہے۔ بیٹی بُرا نہ ماننا۔ بس بیگم اللہ بیلی۔"

(۱۹)

زمانہ اُڑتا چلا جا رہا ہے۔ اور عمریں کہیں کی کہیں پہنچ رہی ہیں۔ نسیمہ کا چھوٹا بھائی دو بھر کر تیسرے میں لگا تو ختنہ کی شادی ٹھہری۔ تین بہنوں میں ایک بھائی۔

چار بہنوں میں ایک بچہ۔ جتنی اللہ آمین ہوتی کم تھی۔ بہوت کی جوت نا ہے۔ دھوم دھام سے تیاریاں ہوئیں۔ میاں بیوی کی صلاح سے تجویز یہ ہوئی کہ تین دن کی مہمان داری۔ دو دن گوو پیٹ۔ ایک دن عام۔ مکان پر سفیدی ہوئی۔ دروازے پر شامیانے۔ شادی کا دن آیا تو مہمان آنے شروع ہوئے ڈولیوں پر ڈولیاں، اور گاڑیوں پر گاڑیاں۔ گرمیوں کا موسم۔ آدمیوں کی بھرمار۔ کرایہ کی چیخ پکار۔ میزبان اور مہمان سب گھبرائے ہوئے تھے۔ بیچ کی راس کا مکان۔ بیویوں کی گھچ پچ۔ شام کا وقت ہوا بند۔ کوٹھا اور سائبان انگنائی اور دالان کھچا کھچ بھر گئے۔ مزا یہ کہ بس اب بھی نہیں۔ ڈولیاں بند نہ گاڑیاں ختم۔ مرد ہیں کہ دروازہ پر چیخ رہے ہیں۔ آوازوں پر آوازیں اور تقاضوں پر تقاضے۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی نسیمہ کی ممانی شاہ پور کے محلہ سے آ کر اتریں۔ ڈیوڑھی میں تند تھی اس سے مل کر آگے بڑھیں۔ ادھر نسیمہ نے ماں سے آ کر کہا۔

"اب تو اوپر بھی جگہ نہیں۔"

ماں ہنس کر کہنے لگی۔

"بیٹی میں تو بلاوے بھیج کر پچھتائی۔ اب کہاں اپنی چندیا پر بٹھاؤں۔"

کچھ دلوں کے بخار۔ کچھ بیوقوفی ممانی کی۔ سمجھ میں یہ آئی کہ میرا آنا نند کو ناگوار گزرا پیچھے ہٹی۔ اس سے پوچھا "پھوپی جان کیا کہہ رہی تھیں"؟

بیٹی کیا آفت کا پرکالہ تھی۔ عادت سے مجبور موقع کی منتظر۔ کہتی کیا ہے "ہم تو پہلے ہی جانتے ہیں۔ ہم غریب یہ امیر، ہمارا ان کا میل ہی کیا اور امیر غریب کا رشتہ کیا۔ یہ سینکڑوں مہمان بھرے پڑے ہیں۔ وہ ان کے اپنے ہیں، سر آنکھوں پر بٹھائیں گی۔ ہماری ڈولی کے چار آنے بھی دوبھر ہیں۔ اب میں کیا کہوں۔ تم سن تو رہی تھیں۔ کہاروں نے پیسے مانگے۔ وہ لگیں خفا ہونے کہ کسی طرح بس ہی نہیں۔

جو ہے وہ اُمڈا چلا آ رہا ہے۔ تم ہی بے عزت ہو۔ خدا کی قسم میں کھڑے پانی نہ پیوں۔ تمہارے دل میں دل کیوں کر ڈال دوں۔ تقدیر کی ذلت ہے وہ ہو رہی ہے۔ آپ ذلیل ہوا اپنے ساتھ اوروں کو کرادے۔ تو اب کہاں بیٹھتی ہو۔ کہیں جگہ بھی دکھائی دیتی ہے۔ کسی نے آکر جھوٹ موٹ بھی بات نہ پوچھی۔"

ماں:۔" ہم کوئی آپ سے تھوڑی آئے ہیں۔ دو دفعہ رحیمن گئی۔ ایک دفعہ بھائی آئے۔ ہم کیا گرے پڑے ہیں۔ جا سلیم سے کہہ دے کہاروں کو ٹھیرا لے۔ چلو اُلٹے۔ فقیر ہیں تو اپنے گھر کے۔

انگنائی میں کھڑی ہو کر اللہ کی بندی بہتیرا ہی چیخی چلائی۔ اور مطلب صرف اتنا کہ ان سینکڑوں میں خدا کسی کو اتنی توفیق دے گا۔ کہ پوچھے بی کیا ہوا۔ مگر شادی کا ہنگامہ۔ بچوں کی چیخم دھاڑ۔ بڑوں کا غل غپاڑہ۔ طوطی کی آواز نقارخانہ میں سنتا کون تھا۔ پوچھنا درکنار کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ بات تو کچھ ایسی بڑی نہ تھی۔ دو باتوں میں دل صاف ہو جاتا۔ مگر اس فتنی نے کچھ ایسے کان بھرے اور ایسا پڑھایا کہ ساتھ لے جا کر ہی۔ آدمیوں کا تانتا لگا ہوا تھا۔ کسی کو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ بیوی کیوں آئیں۔ اور کیوں گئیں۔ رات گزر گئی۔ صبح اُٹھ کر جو گھروالی کو خیال آیا تو کہنے لگیں۔

"بھائی بھاوج تو ایسی پڑ کر ڈھیر ہوئیں کہ بھانجے کو آکر دیکھا تک بھی نہیں"۔

اب چاروں طرف ڈھونڈیا پڑ رہی ہے۔ بھابی ہوں تو ملیں۔ کوئی کہتا ہے نہیں آئیں۔ نند بیچاری سینکڑوں قسمیں کھا رہی ہے کہ میں خود ڈیوڑھی میں ملی ہوں۔ دونوں ماں بیٹیاں ساتھ تھیں اتنی بڑی عورت کا مہمانوں میں سے غائب ہو جانا جہاں ہنسی کی بات تھی وہاں تشویش کی بھی۔ منجھلی اٹھ کر کیا فرماتی ہیں۔" اماں بی الماری میں تو دیکھو چھپ نہ گئی ہوں۔"

عورتوں نے بہت ٹھٹھے لگائے مگر نند بیچاری حیران و پریشان کہ یہ ستم کیا ہوا۔ آئی ادائی بھاوج کہاں غائب ہوگئیں۔ ماما بھیجکر دکھایا تو معلوم ہوا کہ گھر میں بیٹھی آلو چھیل رہی ہیں۔ میاں کو بھیجا تو عقدہ کھلا کہ بھاوج سوجی پھولی بیٹھی ہزاروں باتیں سنا رہی ہیں۔ نند بیچاری اور کیا کرتی شادی کو اسی طرح چھوڑ چھاڑ ماما کو ساتھ لے بھاوج کے ہاں پہنچی۔ وہ تو رات ہی سے بھری بیٹھی تھیں۔ صورت دیکھتے ہی ایسی ٹانگ لی کہ کچھ کہتے سنتے بن نہ آئی۔ انکار پر انکار کر رہی ہے اور قسموں پر قسمیں کھا رہی ہے۔ مگر بھاوج ہے کہ وہ یہ ہی کہے جاتی ہے "میں نے اپنے کانوں سنا ہے۔ کوئی اور کہتا تو میں جھوٹ سمجھ لیتی" گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بحث رہی۔ بڑی مشکلوں اور مصیبتوں ہزاروں منتوں اور خوشامدوں سے خدا خدا کر کے غصہ فرو ہوا۔

اِدھر تو یہ گذری اُدھر مہمان بیچارے بندے کے بندے سوکھ گئے۔ انتڑیاں قُل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔ مختصر یہ کہ دوپہر کے بعد کہیں ایک بجے کے قریب بھاوج کو سمجھا بجھا کر ساتھ لے کر آئی۔ شادی تو خیر ہونی تھی ہو ہی گئی۔ شام کو مہمان رخصت ہوئے۔ مگر نسیمہ کی ماں لاکھ بھاوج سے خلفائی کر چکی تھی۔ لیکن دل میں کچھ ایسی شرمندہ شرمندہ رہی کہ زمین میں گڑی جاتی تھی۔ چلنے کا وقت آیا تو کہنے لگی۔

"بھابی روز روز تو کوئی کسی کے ہاں آتا نہیں۔ کبھی کبھار گھر سے نکلنا ہوتا ہے۔ اب آج جا کر کیا کرو گی۔ اس ہنگامہ میں تو بات کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ کل چلی جانا۔"

نند کے اصرار پر بھاوج رہتی یا نہ رہتی۔ مگر نسیمہ نے جھٹ پٹ کر ممانی کو ایک رات اور ٹھہرایا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو استانی جی کہنے لگیں۔

"بُوا تم نے بھی کمال کیا۔ پوچھا نہ گچھا بات کو سمجھیں نہ بوجھیں۔ جو اپنی سمجھ

میں آیا یقین کر بیٹھیں ۔ غلط فہمی سے تو دنیا میں بہت بُرے نتیجے پیدا ہوتے ہیں ۔
عقلمندی کا کام یہ ہے کہ اگر کسی عزیز کی طرف سے رنج پہونچے تو اس کو خوب اچھی طرح
تحقیق کرے ۔ بلکہ خود اسی عزیز سے دریافت کرنا چاہیئے ۔ بارہا ایسا ہوتا ہے ۔ کہ
کہنے والے کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے اور سمجھنے والا کچھ اور سمجھ جاتا ہے ۔ اور بیچ کے
لگانے والے جو بات کا بتنگڑ بنا دیں تو ان کو اسی میں مزا آتا ہے ۔ اپنے دل میں
کھوٹ ہے ۔ تو بس بات جم گئی اور خواہ مخواہ کا رنج پیدا ہو گیا ۔ کچھ آپ کھنچے ۔ کچھ
دوسرا کھنچا ۔ دلوں میں پوری پوری رنجش ہو گئی ۔ رفتہ رفتہ دونوں ایک دوسرے
کی صورت سے بیزار ۔ بولنا چھوڑا ۔ ملنا چھوڑا ۔ آنا چھوڑا ۔ جانا چھوڑا ۔ خدا
سمجھ دے تو اسی وقت بات کو طے کرے اور جا کر دریافت کرے ۔ میں نے تمہاری
طرف سے یہ سنا ہے ۔ سچ ہے یا جھوٹ ۔ مردوں کی تو میں کہتی نہیں ۔ مگر عورتوں
میں یہ بات عام طور پر دیکھی ہے کہ قصور دونوں میں سے ایک کا نہیں ۔ اور ایک
دوسرے کو دشمن سمجھ رہی ہیں ۔ اچھی بوا ماشاء اللہ آٹھ بچوں کی ماں اتنا تو سمجھا ہوتا
کہ رذیل ہے رذیل اور ذلیل سے ذلیل بھی تو گھر پر آئے کو نہیں نکالتا ۔ نہ یہ کہ
اللہ آمین کا بچہ ختنوں کی شادی اور سگی بھاوج کا آنا ناگوار ! بیوی قربان
جائیے تمہاری عقل کے اور صدقے تمہاری سمجھ کے اور خیر تم نے کمال کیا ۔ صاحبزادی
بلند اقبال نے اور بھی غضب کر دیا ۔ کنواری لڑکی اور لگائی بجھائی ! شرافت تو
یہ ہے کہ جس کی جہاں سُنی وہیں چھوڑ دی ۔ یہ نہیں سُنی ایک جڑیں چار ۔ لڑکی
شاباش ! حیف ہے ایسی بیٹیوں پر جو دلوں میں بیر ڈلوائیں ۔ پھر غیر بھی تو نہیں
نند بھاوجیں ۔ آخر کیا ہاتھ آیا ۔ سینکڑوں آدمیوں میں عزت کس کی گئی ۔ جس نے
سنا تیرا بھیجا ۔ لڑکی ہے آفت کا پرکالہ ۔ بیٹھے بٹھلائے کیا آفت برپا کی ہے ۔ بیٹی روتی
کیوں ہے ۔ یہ کلنک کا ٹیکہ تو عمر بھر کو لگ گیا ۔ اب ٹسوے بہانے سے کیا حاصل ۔

خدا ایسی بیٹی سے بچائے ۔"

(۳۰)

نسیمہ کی ماموں زاد بہن جس نے یہ گل کھلوایا تھا۔ تھی تو کنواری نگریاں کی لاڈو۔ نانی دادی کی چہیتی۔ دو تین گھروں میں ایک بچی۔ مگر کیسی بے ڈھنگی اور پھوہڑ کہ خدا کی پناہ۔ ماں بارہ مہینے کی بیمار تو پہلے ہی سے تھی۔ برسات کے دن۔ پروا ہوا۔ کھا یا باسی خشکہ، ٹھنڈے بادی چاول۔ جوڑ جوڑ میں درد ہو گیا۔ جاڑوں میں ہوئے مسہل اور پھر کیا غسل۔ اعضا رکمزور تو تھے ہی۔ پانی پڑتے ہی دونوں ٹانگیں رہ گئیں۔ نہ اٹھنے کی ہمت نہ چلنے کی طاقت۔ بہتیرا دل کیا تو کھسک کھسکا چبوترے پر یا گھسٹ گھسٹا چوکی پر۔ گھر بیٹے دے کر گھر والی سمجھو، منتظم سمجھو، داروغہ کہو جو کچھ بھی صاحبزادی برخوردار۔ مگر لڑکی کیا تھی جانور تھی۔ منوں چیز گھر میں آئے۔ مگر جب دیکھو گھر میں خاک اڑ رہی ہے۔ ماں چلنے سے مجبور۔ بیٹی کی طرف سے کچھ ہو نہ ہو۔ دونوں یکساں۔ ماماؤں کی جوتیوں کو کیا غرض تھی۔ کہ مصیبت بھگتیں اور گھر بنائیں۔ گھر تھا تو گھر والی کے دم سے وہ اس قابل رہی نہیں۔ لڑکی پھوہڑوں کی بادشاہ۔ بے ڈھنگیوں کی سردار۔ گھر کیا بازار تھا۔ چار ہی دن میں یہ کیفیت ہو گئی کہ گھسنے کو جی نہ چاہے۔ جس ماں کی یہ کیفیت کہ بچھونے پر سلوٹ ہو تو بے چین۔ اسی کی بیٹی کا یہ حال کہ دنوں اور مہینوں گھر میں جھاڑو نہ لگے تو پروا نہیں۔ جس انگنائی میں سوئی گرے تو اٹھا لو۔ اب اس میں صاحبزادی کی سہیلیوں اور ناماؤں کے بچوں نے کنوئیں کھود کھود کر گڑھے ڈال دیئے۔ مرغیوں کے بڑے دڑبوں نے گھر کی حیثیت دو کوڑی کی کر دی۔ کہیں کیچڑ کے ڈھیر۔ کہیں خاک کے تودے۔ یہاں چولھے وہاں ہنڈیاں۔ دونوں کے پتے۔ کوڑا کرکٹ۔ صحن کیا دنیا

بھر کا مجموعہ تھا بھیکی دست پناہ اس میں۔ دانہ کی کُنڈیلیاں۔ پانی کے کونڈے۔ مرغیوں کی بیٹ، کبوتروں کے پر۔ بوریئے کے ٹکڑے۔ کپڑوں کے چیتھڑے۔ چاروں طرف وہ جھاڑ جھنکاڑ اٹا ہوا کہ دم بھر بیٹھنے کو جی نہ چاہے۔ کہنے کو ماشاء اللہ ایک چھوڑ دو دو ماما ئیں۔ مگر ان بیچاریوں کا کیا قصور۔ کام لینے والا ہوتا تو وہ کام کرتیں۔

گھر والی کی یہ کیفیت کہ اگر کبھی بھولے بسرے دنیا جاتی دیکھ کسی ماما نے چاہا بھی کہ جھاڑو ہاتھ میں لے دب جھٹکے دوں تو اس کو جھٹ دوسرا کام بتا دیا۔ پل بھر کی دیر ہوئی تو سینکڑوں کوسنے پڑ گئے۔ ستم یہ کہ جو کام بتایا وہ الٹا اور جو بات کی وہ ٹیڑھی۔ ماماؤں کا کیا بگڑتا تھا۔ جب رُخ پر ڈالا پڑ گئیں۔ دن بھر بیٹھی مرغیوں کے ڈھابے تھوپیں اور کبوتروں کی کابکیں جھاڑتیں۔ چکنی مٹی کے بورے۔ کچی اینٹوں کے ڈھیر تھارے بنے ہوئے۔ پانی پڑا ہوا۔ پختہ سنگین گھر چار دن میں غارت ہو گیا۔ دیواروں پر نظر ڈالو تو اینٹیں گری ہوئی۔ چونا جھڑا ہوا! کوٹھے کو جا کر دیکھو۔ گھاس اُگی ہوئی، ملبہ پڑا ہوا۔ موری بند۔ قدمچے ٹوٹے۔ جھلنگے کھڑے۔ تھاڑ پڑے۔ خدا کی شان نواب چھٹن کی محلسرا اور دیکھ کر جی متلائے! دالان کی وہ کیفیت کہ حلوائی کی دکان بھی اچھی ہو گی۔ چاروں طرف مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ بڑی بی کے زمانہ کا بنا گھر لاکھ کا گھر خاک میں مل گیا تھا۔ دری چاندنی۔ چادر غالیچہ موجود سب چیزیں تھیں لیکن وہی چیزیں جو کسی وقت مکان کی زینت اور آرائش کا سامان تھیں آج بیٹھنے والے کو بھی لاج لگتی تھی۔ چونے کے دھبے کتھے کے چکتے۔ سیروں چھلکے، ٹوکروں کوڑا، ڈھیروں راکھ۔ منوں خاک۔ بڑی بڑی فرشی دریاں مٹی میں آئی ہوئی۔ چھپی ہوئی جاجمیں۔ جنگی جنگی چاندنیاں۔ زمین سے بدتر۔ مرزاپور کا مہین غالیچہ دیکھنے دکھانے کے لائق اور اس کی یہ قدر کہ اُنگلی لگی۔ اور خاک اُڑنی شروع ہوئی چبوترے کی چوکیاں۔ جیٹھ بیساکھ میں ہوئیں خاک سے گرد آلود۔ اُدھر سے پڑا پتھر

شیشم اور سال سب گل کر آٹا ہو گیا۔

سامان کا حال یہ کچھ ۔ قرینہ اور ڈھنگ وہ کچھ ۔ خدا کی پناہ! اگالدان اوندھا ہوا ۔ پٹاری پھکی ہوئی ۔ کتھا گرا ہوا، چونہ لپا ہوا ۔ نواڑ کے پلنگ، بان کی ادوان۔ پائے دور نگے ۔ بٹیوں میں کان ۔ بچھونوں پر قینچیاں ۔ پلنگوں پر بوتلیں ۔ چاندنی پر آبخورے ۔ غالیچہ پر کٹورے ۔ کہیں پانی گرا ہوا کہیں رنگ پڑا ہوا ۔ کونڈے لڑھکے ہوئے ۔ رکابیاں پھیلی ہوئی تھیں ۔ گھر کیا ایک طوفان بدتمیزی تھا ۔ لیٹو تو مصیبت، بیٹھو تو آفت ۔ جھاڑو نہ بُہارو ۔ صفائی نہ ستھرائی ۔ ہو کہاں سے، اور کرے کون، نہ کوئی کرنے والا نہ کہنے والا ۔

ماں بیچاری عجیب مشکل میں تھی ۔ کچھ کرتے دھرتے بن نہ آتی تھی ۔ شروع شروع میں تو دو چار دفعہ بیٹی سے کہا ۔ مگر وہاں تو چکنا گھڑا تھا ۔ بوند پڑی اور پھسلی، اس کان سنا، اُس کان اُڑا دیا ۔ خدا نہ کرے کہ کسی گھر ایسی خاک اڑے ۔ ہوتے ساتے خدا نے سب کچھ دے رکھا تھا ۔ ایک بدتمیزی نے وہ گھر کی مٹی پلید کی کہ خدا دشمن کی نہ کرے ۔ مُوئے فقیروں کا گھر بھی تو اچھا ہو گا ۔ خدا معلوم کیسی منحوس طبیعت کی لڑکی تھی کہ نہ کبھی دل گھبرایا ۔ نہ جی اُکتایا ۔ لحاف توشک سادے اور ریشمین کہنے کو تو مچان پر تھے ۔ مگر کس کام کے ۔ گرمی، جاڑا، برسات تینوں ہی موسم گزر رے مگر نکال کر دیکھا نہ اُتار کر اوڑھا ۔ چوہوں نے وہ کاٹ کاٹ کر بگاڑے ڈالے کہ نون باندھنے کو جگہ نہیں رہی ۔ صندوقوں کے کپڑے کچھ ٹیکے میں گئے ۔ رہے سہے کیڑوں نے کھائے اور کیوں نہ کھاتے ۔ اکٹھی دو برساتیں آئیں اور گئیں مگر دھوپ نہ ملنی تھی اور نہ ملی ۔ غرض روپے اور اشرفیوں کی چیزیں کوڑیوں کے مول رہ گئیں ۔ غسل خانہ کو جا کر دیکھو ۔ کیسی کھلی بہین ۔ کس کا صابن منجن ۔ میلے کپڑوں کا ڈھیر چھت سے باتیں کر رہا ہے ۔ اور کس طرح اوڑھنی میلی، کرتا چوڑا

پتھر سیلے - پڑا گیلا - بڑی ہوئی کنگھی - ٹوٹا ہوا جھالوڑاں - بدبو ایسی کہ ناک دی جائے - موری بند پانی بھرا ہوا -

باورچی خانہ سبحان تیری قدرت، دست پناہ پچکا ہوا۔ پکنی پھٹی ہوئی چولھے گنتی میں دو - بیلنہ تبھی مگر جو ہے وہ بے ڈھنگا - ایک کا ہانڑو نہیں - تو دوسرے کا کولا ندارد - آٹا گندھا رکھا ہے - تو مرغیاں بھر بھر چونچیں کھا رہی ہیں - دال کیسی شمسولے اور کس کا دھونا - آدھی سے زیادہ تو کبوتروں نے کھائی - بچی بچائی - جیسی جس کی سمجھ میں آئی - پانی ڈال چولھے کے حوالے - روٹی پک کر تیار ہوئی - تو کوئی کچی اور کوئی چمڑا - ایک کھڑ تنگ۲ - تو دوسری ٹکر۳ - سالن میں گھی پڑے آدھ پاؤ کے بدلے تین چھٹانک - مگر ڈھیر ڈھیر قلیا۴ - نمک زہر - مرچیں ہلاہل - نیلا لسونت بھبیارے کا شوربا - چاول پکے تو کچے پکے -

اب رہے برتن - ان کا یہ حال کسی میں زنگ مہینوں کی قلعی - مدتوں کے منجھے کیچڑ میں تیرتے پھرتے ہیں - انگنائی میں پتیلیاں - دالان میں طشتریاں - موری پہ سیاق دہلیز میں کٹورے - پانی کی گھڑونچی - خدا نہ دکھائے - مٹکے میلے - ٹھلیا چپلی چینی نہ ڈھکنا - جو آیا غڑپ سے آبخورہ ڈال پانی پی پنچ پٹخا چلتا ہوا - گرمی کے دن اور پانی ادھن -

جس گھر میں آج سے دو برس پہلے جو کام تھا ڈھنگ کا اور جو بات تھی سلیقہ کی اسی گھر میں آج ایک بدتمیز لڑکی کی بدولت ہر چیز کو ایسی آگ لگی - کہ دیکھی نہ سنی - ہاتھ ہیکڑ، نہ پاؤں پیکڑا - دن بھر ادھر ادھر اچھلتی کودتی پھرتی

لے دال دھونے میں احتیاط کہ اس میں کنکر وغیرہ نہ رہنا چاہیے ۲ے سوکھی ہوئی ۳ے جلی ہوئی ۴ے پتلا پانی جس میں بوٹی نام کو نہ ہو - ۱۲

اور گھر کی طرف خاک دھیان نہ کرتی۔ بھرے ہوئے گھی کے کنستر۔ آٹا دال گیہوں۔ سب الفتوں کے پیٹ میں جاتے۔ کم بخت اپنی آنکھ سے دیکھتی کہ یہ نمک حرام ماماہیں بھر بھر چچے گھی اور بھر بھر جھولی اناج بلا وجہ بلا ضرورت لا رہی اور لے جا رہی ہیں۔ اور خاک منہ سے نہ پھوٹتی۔ مالک کا یہ ڈھنگ دیکھ کر نوکروں نے اپنا گھر بھرا تو کیا بُرا کیا۔ دھیلے کا دہی اور دو پیسے وصول کئے۔ پیسہ کی چیز اور دو آنہ دام۔ آج کٹورا غائب۔ کل طشتری ندارد۔ بھرا پُرا گھر چار دن میں اُٹ ہوگیا کپڑے اور برتن اوڑھنا اور بچھونا سب غارت۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ چمچہ اور کفگیر کچھ نہ رہا۔ بیوی سالن نکالنے کو حیران بیٹھی ہیں۔ ماما دوڑی دوڑی گئی اور پیسہ والا ٹین کا چمچہ یا ٹکے والی ڈوئی لا حوالے کی۔ آدمی کچھ کھو کر سیکھتا ہے۔ چاہیئے کہ اس پر کچھ کان ہوتے کیا مجال۔ کرنا چینٹرا۔ جوتی لبترا بدن پر تار نہیں۔ مگر ایسی بے حمیت کہ وہ وطیرے نہ چھوڑنے تھے نہ چھوڑے۔

سنجیدہ جو اتفاق سے اس محلہ میں پہونچی تو دھیان آیا کہ لاؤ آئی تو ہوں یہاں بھی ہوتی چلوں۔ دیکھتی ہے تو ڈھنگ ہی اور کچھ ہیں۔ ایمان کی بات ہے۔ اگر سنجیدہ جیسی سچی عورت کا بیان نہ ہوتا۔ تو ہم یقین بھی نہ کرتے کہ دنیا میں ایسی ایسی لڑکیاں بھی موجود ہیں۔ پھوہڑ بے ڈھنگی۔ نکمی کام چور سب ہی طرح کی لڑکیاں دیکھی بھی سنیں بھی مگر یہ رنگ دیکھا نہ سنا۔ تقدیریں تو کسی کا زور نہیں۔ بہت سی اللہ کی بندیاں نکلیں گی کہ سینکڑوں ہزاروں کا میکے سے لے کر گئیں۔ اور سب سسرال کی تیگ لگا۔ سونے جھونے والیاں جن کے قدموں کے نیچے ماں باپ آنکھیں بچھاتے تھے۔ گھر بار کی ہوئیں تو یہ بچھر پڑے کہ عمر بھر پاپڑ بیلے۔ سلائیوں پسائیوں سے پیٹ پالا۔ رونا تو ان نصیبوں کا ہے۔ جنھیں خدا نے سب کچھ دیا مگر اس اُلٹی مت کے ہاتھوں

وہ تھری نکھری ہوئی کہ ساری دنیا میں جوتیاں پڑیں۔ اس بدنصیب کو کس چیز
کی کمی تھی۔ معقول آمدنی بھرا گھر ماما کی جگہ ماما نوکر کی جگہ نوکر مگر کمبخت نے سب
چیزیں خالصے لگادیں۔ غضب خدا کا ڈھائی سوتا بنے کا برتن جا کر جھوٹی چینی
کی طشتریاں اور مٹی کے پیالے ہاتھوں میں آگئے۔ ماما ئیں نمک حرام اپنے
مطلب کی آشنا۔ غرض کی دوست۔ خوب سر سہلایا اور بھیجا کھایا۔ وہی بنّی
کی ماں جس ابیگم بیگم کہتے منہ خشک ہوتا تھا۔ دو دو تین تین دن غائب
رہتی۔ بنّی لے سو۔ بگڑی کا ایک نہیں۔ اس نالائق پر توجو کچھ بوٹی بجا۔
اور درست ہی۔ ہمیں تو افسوس بیچاری بڑی بی کا ہے۔ بڑھاپے میں کیسی
مٹی پلید ہوئی ماما گئی بیٹھ بیٹی کو چوٹھے پاس جانا قسم، آٹا گوندھنا کیسا،
سوندھ سانا۔ تندور پر بھیج دیا۔ نیلا شوربا پانی۔ تیل سے بگھرا، چربی میں
پکا۔ جلے ہوئے موٹے تندور کے ٹکڑ۔ دانت سے چبیں نہ حلق سے اتریں۔
چورما بنا کر پیٹ میں ڈال لیتیں۔ چور کی ماں گھٹنوں میں سر دے اور روئے
کس سے کہتیں اگر کہتیں جو آئی وہ بھگتی۔ جو پڑی وہ اٹھائی۔ سنجیدہ تو یہ
رنگ دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ لڑکی کو دیکھتی ہے تو سر جھاڑ۔ اٹھنا نہ اٹھانا،
سلام نہ آداب شیہا نظر بیٹھی گھور رہی ہے۔ آگے بڑھے تو جو چیز ہے۔
نور علی نور، جدھر تعجب اور جہاں دیکھا افسوس، چاروں طرف آنکھیں
پھاڑ پھاڑ کر دیکھ خدا خدا کرکے بیچاری بڑی بی دکھائی دیں۔ بیٹھنے کی تھگلی
جیسے چوک کا بازار، رنگت جیسے برسوں کا بیمار، توشک ہے تو الٹی نہ سیدھی
لحاف ہے۔ تو روئی کے بوٹے باہر۔ قرنوں کا تکیہ برسوں کی رضائی۔ پرانی
کمری۔ میلا کرتہ چیکٹ پہ اللہ اللہ کر رہی ہیں۔
سنجیدہ تو صورت دیکھتے ہی بے اختیار ہو گئی۔ اور دوڑ کر گلے جا لپٹی

پوچھنا تھا کہ بڑی بی کا دل بھر آیا۔ برسوں کا جما ہوا مواد نشتر کی دیر تھی۔ لڑکی کا نام آتے ہی لگیں پھوٹ پھوٹ کر رونے۔ رو چکیں تو رام کہانی سنائی۔ سنجیدہ کا بس چلتا تو وہ اس کو کچا ہی کھا جاتی۔ مگر سمجھدار عورت سوچا کہ زبان دراز لڑکی۔ کیوں موری میں پتھر ڈالا جو چھینٹیں اُڑیں۔ برائے شگون کے واسطے تی ناک کٹائی، کس نے بتائی۔ پیاس لگی پانی مانگا۔ ماما تو چپ ہو گئی۔ مگر سہلیوں میں سے ایک لڑکی سات آٹھ برس کی ڈھینگری، ننگے سر، ننگے پاؤں ناک بہہ رہی تھی۔ ہاتھ پک رہا تھا۔ پانی پلانے اٹھی۔ گھڑونچی کے نیچے آبخورا لڑھکا پڑا تھا۔ جھٹ اٹھا۔ غڑپ سے ڈال پانی بھرے آئی۔ بی سنجیدہ دیکھتی ہیں گڑ کا مٹکا۔ میلا کچیلا۔ مانگنے کو تو پانی مانگ لیا مگر پانی تو سانپ کی چھچھوندر گیا۔ نہ اُگلے چین نہ نگلے۔ گلاس نہ کٹورا، تھڑا ہوا آبخورہ، پیتی ہیں تو کراہیت نہیں پیتیں تو شرمندگی۔ اٹھی آبخورا لے باہر آئی۔ ادھر ہاتھ دھو پاس آ بیٹھی۔ جی ہی چاہتا تھا کہ ماں کے منہ در منہ ایسا ٹھیک بناؤں۔ جو بھلی مانس ہو تو چلو پانی میں ڈوب مرے۔ مگر پھر سوچا کہ کیوں اندھا بہوتا کیوں دو بلائے۔ پیاس زور کی لگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر اور بیٹھ رخصت ہوئی۔ مگر چلتے وقت اتنا کہہ گئی۔ "استانی جی آنے کو کہہ رہی تھیں۔ وہ آئیں تو انشاء اللہ میں ان کے ساتھ آؤں گی۔"

گھر آئی پانی پیا اور استانی جی سے سارا حال کہا۔ پیاس کا حال سنکر تو ایک استانی جی اور ان کے ہاتھ کی اور سب کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ گئے۔ سنجیدہ کہنے لگی۔

"استانی جی! میں تو جب جانوں جب اس لڑکی کو ٹھیک کر دو کمبخت نے گھر کا گھر دا کر رکھا ہے۔ خدا کی قسم بوا اُس نے تو سب کے کان کاٹے۔

خبر نہیں، کس قماش کی لڑکی ہے۔ میرا تو اُوپر کا سانس اُوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اتنا بڑا محلہ ماشاء اللہ پچیس تیس آدمیوں کا کنبہ اور کوئی آگرجھا نکتا بھی نہیں جہاں کسی نے قدم رکھا۔ اور لڑکی نے ٹانگ لی سامنے۔ یار خاں سگے ماموں اور ایسے الگ تھلگ جیسے بالکل غیر۔ میں تو کہتی ہوں خدا اس کا پردہ ڈھانک لے۔ یہ رسوائی تو نہ ہوگی۔ کسی طرح ماں بیچاری اس مصیبت سے چھٹکارا پائے ایک دم چالیس پچاس روپے فقط کرایہ کی آمدنی۔ پنشن الگ رہی۔ جہاں بیٹھ جائیں گی لالوں کی لال۔ اسی مُردار کی بڑی پاؤں میں ہے جو نہ کہیں جا سکتی ہیں۔ نہ آسکتی ہیں۔ دکھ بیماریاں کیا ہوتیں نہیں۔ اُن کو تو اسی صدمہ نے بٹھا دیا۔ اسلم سے نسبت ہوئی تھی۔ تُو کس کے سر پر اتنے بال تھے۔ دیوار بیچ گھر دتی رتی اور تل تل باتوں کی خبر پہونچی تھی۔ کانوں پر ہاتھ دھر صاف الگ ہو گئے۔ مجھے تو امید نہیں یہ لڑکی رستے پر آئے۔

اُستانی جی یہ حال سنکر تھوڑی دیر تو سناٹے میں رہ گئیں۔ پھر کہنے لگیں "اے ہے میرا دل تو اُن سے ملنے کو اب بھی چاہ رہا ہے۔ اب تو وقت نہیں رہا۔ زندہ رہی تو انشاء اللہ کل صبح ہی چلوں گی"

دوسرے دن صبح ہی استانی جی اور سنجیدہ چلنے کو تیار ہوئیں۔ تو نسیمہ نے بھی خواہش ظاہر کی۔ پھوپی کا منشا تو تھا ہی نہیں مگر اُستانی جی نے کہا "کیا ہرج ہے۔ گھڑی بھر تو بیٹھنا ہی ہے۔ ساتھ جائے گی ساتھ آئے گی لے چلو"

تینوں ڈولیاں آگے پیچھے روانہ ہوئیں۔ اور دم بھر میں جا پہنچیں پہلے استانی جی اتریں اور ڈیوڑھی میں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ سنجیدہ اتری نسیمہ آئی۔ تینوں آگے بڑھیں۔ بھلا استانی جی کو تاب کہاں، وہ تو جب سے ذکر ہی سنا تھا۔ خون کے گھونٹ پی رہی تھیں۔ بڑی بی سے گلے مل لیں۔ اور پھر

وہ آئیں تو جائیں کہاں۔ کیسی خیر صلاح اور کس کا مزاج لڑکی سے کہنے لگیں۔

" دھن بھاگ اُن ماؤں کے جن کے ہاں ایسی بیٹیاں پیدا ہوں اس سرے سے اس سرے تک سارے گھر کو آگ لگادی۔ موئے چماروں حلال خوروں کا گھر بھی تو اچھا ہو گا۔ یہ تو نہ ہو گا۔ کہ گھستے ہی جی متلائے۔ غضب خدا کا یہ پانی پینے کا آبخورہ جو غڑپ غڑپ مٹکے میں پڑے۔ مرغی کے ڈربے پر پڑا ہے انوکھے جانور تمھارے ہی یہاں نہیں پلے۔ دُنیا پالتی ہے۔ مگر یہ اندھیر کہیں نہیں دیکھا کہ چاروں طرف مرغیاں منہ ڈالتی پھریں۔ اور برتن تبتر بتر۔ گھر کیا کنجڑے کی دُکان یا گاڑیوں کا اڈا ہے کہ گٹی اور پولیاں اور گاجریں اور مُولیاں دنیا بھر کے آخور گھر کے اندر۔ یہ چاندنی ہے جس پر پاؤں رکھتے کو جی نہ چاہے۔ نوج ایسا بے ڈھنگا کارخانہ ہو۔ ذرا گھڑونچی کی صورت دیکھو۔ یہ مُوا مٹکا ہے یا رنگریز کی راجن گول۔ اور لوطباق دیکھنا کیچڑ میں کھڑا ہے۔ اے ہے دس بجنے کو ہیں اور اب تک بچھونے اُٹھنے نصیب نہیں ہوئے۔ وہ ہیں بھی تو زربفت اور کمخواب کے کہ جو دیکھے وہ خوش ہو جائے۔ الٰہی توبہ۔ خدا ایسی پھوہڑ لڑکی کی صورت نہ دکھائے بیٹی عورت ہے یا پتھر۔ آدمی ہے یا جانور۔ ذرا اپنا ہڑا تو دیکھ۔ فقیرنیوں کا سا حال۔ لونڈیوں کی سی گت۔ اور تو اور موئے چھینکے کی بھی کوئی ہستی ہے۔ بے ڈھنگے لوٹے کا بے ڈھنگا کام۔ اچھی بُوا سنجیدہ تمہیں خدا کی قسم! اللہ کا ہوا ہے؟ کیوں بیٹی ذرا جواب تو دے۔ یہ اس دالان میں ریوڑیاں بنائی ہیں۔ یا جلیبیاں تلی ہیں کہ مکھیوں کی بھنکار نے ناک میں دم کر دیا۔ کھانا کھا کر رات کو دسترخوان بھی اٹھانا نصیب نہیں ہوا۔ روٹیوں کے ٹکڑے جہاں تہاں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ گھر ہے یا بھٹیار خانہ! میرے تو ہوش اڑے جاتے ہیں۔ ماشاء اللہ سب صفتیں موجود ہیں۔ کمرے میں اُپلے۔ سبحان اللہ! بیٹی ہاتھوں میں دم نہیں تو چار پائی

پر سونا کیا ضرور۔ یہ جھلنگے ہیں یا اڑن کھٹولے۔ میرا تو ایک ایک چیز کو دیکھ دیکھ کر جی اُلٹ رہا ہے۔ اور تو اور یہ اندھیر بھی دیکھا۔ پٹاری کو ملاحظہ کیجئے۔ ایک کلیا تانبے کی ایک ہنڈی کی۔ غریبی نہیں تہوت نہیں۔ نہ ہو تو صبر آجائے۔ ہر ڈنگی نے اپنے گنوں سے گھر کا گھروا یا کر دیا۔ اور سری کی ہوتی تو شکل نہ دکھاتی۔ یہ ہی کو تنک تھے جو ماموں ممانی نے جوتی اوندھا دی۔ اور یہ بھی ہے۔ میکے میں یہ آفت ڈھا رکھی ہے۔ تو سسرال میں جا کر کیا آگ لگائے گی۔ ننھی نہیں نادان نہیں۔ اس سے چھوٹی چھوٹی لڑکیاں وہ گھر سنبھالتی ہیں کہ آدمی دیکھتا رہے۔ بیٹی کے ڈھنگ سوئی تو ہیں نہیں کہ چھپ جائیں۔ نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں۔ کس کی شامت آئی ہے۔ کہ جیتی مکھی نگلے گی۔ کیوں بُوا جھوٹ تو نہیں کہتی۔ آخر تمھارے گھٹنے سے لگی کب تک بیٹھے گی۔ بادشاہ وزیر کی نہیں بیٹھی تو یہ کس گنتی میں ہے۔ آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں۔ یہ وقت تو آنا ہی ہے سسرال والوں کی جوتی کو کیا غرض پڑی ہے۔ جو گھر کا ناس کرائیں گے۔ آپا جان آپ کو تو خالہ لستی کی بہو یاد ہوگی۔ ان ہی کی بہن تھی یا کچھ اور؟ ساس غریب کو خبر بھی نہیں۔ اور بہو نے ایک ایک کر کے نو جوڑے غارت کر دیئے۔ روپوں کا مصالحہ کوڑیوں کے مول بیچ ڈالا۔ وہ تو خدا کو رسوا کرنا تھا۔ کہ گھر پر آیا ندی گوٹے والا۔ لڑکی نے اُدھیڑ دی پاجامہ پر سے چمپا۔ ماما گئی لے کر۔ اُدھر سے آرہے تھے سسرے۔ بیوی سے آکر پوچھتے ہیں تو اُن کے فرشتوں کو خبر نہیں۔ ماما سے بلا کر پوچھا گئی اِدھر اُدھر کی باتیں بنانے۔ خالہ کو آیا غصہ۔ جوتی لے کر کھڑی ہوگئیں۔ پہلے تو بہت ڈربرائی۔ مگر چارہ ہی کیا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر سارا حال کہہ دیا۔ اب تو بی خالہ کا سانس اُوپر کا اُوپر اور نیچے کا نیچے۔ اگر دیکھیں تو چوتھی کا جوڑہ۔ کا۔ چوب کا رُکا ہوا۔ مہینے ڈیڑھ کا پہنا اور بیچ کی بیلیں غائب۔ کونوں کے ترنج ندارد۔ بہتیرا اینچیں پینچیں۔ مگر ہوتا کیا تھا۔ بہو نے زبان کی چٹوری۔ سب ہی کچھ کر ڈالا۔

مگر چھیچھڑپن کی عادتیں یوں جاتی تھیں۔ دس دس بارہ بارہ قلفیاں ایک سالن میں چٹ کر جاتی۔

ہار جھک مار کے میکے پچھوا دیا۔ اب دیکھ لو اُٹھتے جوتی بیٹھتے لات۔ کیا اور ہونی ہے۔ اُن کا کیا بگڑتا تھا۔ ایک دفعہ بھیج پلٹ کر خبر نہ لی کہ بہو تھی، یا گھر کا کوڑا۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ لپکا ہو۔ میرے تو آج دیکھ کر اوسان جاتے رہے۔ میں تو کہتی ہوں ایسی لڑکی شاید شہر میں تو ہوگی نہیں۔"

(۲۱)

بیٹیوں کے کام یہ ہیں۔

صبح اُٹھ کر وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ قرآن پڑھا۔ ماما میسّر ہوئی تو اس سے نہیں تو آپ بچھونے تہ کئے۔ اندر کوٹھری میں لے جا کر رکھے۔ چارپائیاں اٹھا کر کونے میں کھڑی کیں۔ رات کی پھیلی ہوئی چیزیں سمیٹ کر قرینے سے رکھیں۔ جھاڑو دی یا دلوائی۔ صحن میں پتھر کا فرش ہے۔ تو آپ کھڑے ہو کر دھلوایا۔ دالان کمرے میں جھاڑو بہارو مل چکی۔ تو دری قالین جو بچھا ہے اس کا ٹھیک ٹھاک کیا۔ مگر جھاڑو دی تو ایسی کہ جھاڑو معلوم ہو۔ یہ نہیں کہ پنجے مار دیئے۔ پھوہڑ کی جھاڑو سُگھڑ کا لیپا۔ جس چیز کے واسطے جو جگہ مقرر ہے۔ وہ اسی جگہ رکھدی تاکہ ڈھونڈھنے میں وقت نہ ہو۔

غرض بیٹی کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ گھر چندن بن جائے کیا اندر کا بچھونا کیا باہر کی انگنائی ایسی صاف ستھری ہو کہ ایک سوئی بھی گر پڑے تو الگ دکھائی دے۔ جن چیزوں کو دالان اور کمرے سے واسطہ نہیں ہے وہ ہرگز وہاں نہ آنے پائیں۔ میز کرسی صندوقچے اور الماریاں دونوں وقت جھاڑن سے جھاڑ دینی چاہئیں۔

بعض لڑکیوں میں یہ عیب دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی چیز ٹیڑھی بڑی ہے تو بلا سے کچھ پرواہ نہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں بعض مزاج ایسے بھی ہیں کہ بچھونے میں سلوٹ بھی دیکھ لیں تو جی اُلٹنے لگتا ہے۔ اگر اُن کو کوئی چیز ٹیڑھی ترچھی دکھائی دے جائے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے اگر دیواروں پر تصویریں نقشے یا قطعے وغیرہ ہوں تو روزمرہ جھاڑ پونچھنے کے علاوہ یہ بھی احتیاط ضروری ہے۔ کہ ذرہ برابر کجی نہ ہو۔ کپڑے لٹکانے کے واسطے اول تو کھونٹیاں اور نہیں تو خیر الگنی نہایت مناسب ہے۔ کپڑے ہمیشہ اسی پر لٹکانے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ اُجلی براق اوڑھنی جہاں جی چاہا اُتار پھینکی اور چار دن میں میلی چکٹ ہو گئی۔ ایک اُجلا صاف شفاف تولیہ ایک طرف ضرور لٹکا ہونا چاہیئے۔ تاکہ ضرورت کے وقت ہاتھ منہ پونچھنے میں تکلیف نہ ہو۔ تولئے کے سوا کسی اور کپڑے اوڑھنی کے آنچل یا کرتہ کے دامن سے ہاتھ پونچھنا بڑی بدتمیزی کی بات ہے۔

دیوار پر کسی قسم کا داغ دھبہ کوئلے کی لکیریں پان کی پیک وغیرہ نہایت بھوہڑ پن ہے۔ پان کھانے والے کو لازم ہے کہ کم از کم ایک اُگالدان اگر میز کرسی ہو تو میز کے قریب ورنہ گاؤ تکیہ کے پاس ایک کونے میں ضرور رکھ دیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی چیز جس کی ضرورت نہ ہو کمرے یا دالان میں نہ آنی چاہیئے۔

کوٹھڑی کے سامنے پلنگ بچھانا بھی تکلیف دہ ہے۔ اگر مجبوری ہو تو یہ مناسب ہوگا۔ کہ رات کو بچھا لیا جائے۔ مگر صبح کو اٹھا دینا چاہیئے۔ کیونکہ کوٹھڑی میں جانے کے واسطے بار بار پلنگ پر چڑھنا تکلیف کے علاوہ پلنگ کو بھی جھولا کر دیگا۔

ایک لڑکی کا ذکر سنا صبح ہی اُٹھ کر منہ ہاتھ دھوا چھے اچھے کپڑے پہن ماں سے پوچھتی۔ اماں کیسی معلوم ہوتی ہوں؟ ماں ہنستی اور کہتی "بہت ہی بری" ایک دن لڑکی نے اپنا تکلف چھوڑ گھر بھر میں جھاڑ دی اور سب چیزوں

کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ پھر اسی طرح خاک میں بھری بھرائی میلے کچیلے کپڑے ماں سے کہنے لگی "اچھا اب کیسی معلوم ہوتی ہوں" ماں نے کہا "بہت اچھی" وہ مثل سُنی ہوگی "گھر کی بیوی کوٹے ہگنی۔ گھر کتنوں جوگا" بیٹی سیانی ہوئی تو گھر کے تمام کام کاج کی وہ ذمہ دار ہے۔ اگر کسی گھر کی خراب حالت دیکھو اور یہ بھی دیکھو کہ وہاں ہشیار لڑکی موجود ہے۔ تو یقین کر لو کہ بہت ہی بدسلیقہ اور بے ڈھنگی ہے۔ بعض لڑکیوں میں یہ عیب دیکھا گیا ہے کہ پان کھایا نہ کھایا تھوکنے کی ضرورت ہوئی فرش پر بیٹھی ہیں۔ دری کا کونہ اُٹھایا تھوک دیا۔ ناک سنکی دیوار سے پُونچھ دی۔ اس سے زیادہ بدتمیزی اور کیا ہوگی۔ لڑکیوں کو ہر وقت ایک رومال اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔

مرزا پور میں ایک صاحبزادی کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بہت سی بیویاں محفل میں بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہی تھیں اور اس کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا۔ دانت کُرید کُرید کر دیکھتی جاتی تھی۔ کسی کے سامنے خلال کرنا خاصی اچھی نالائقی ہے۔ بہت سے آدمیوں کو گھن آتی ہے۔ گو لحاظ کی وجہ سے کچھ نہ کہیں۔ مگر دل میں تو ضرور بدتمیز سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی لڑکی میں ایک دوسری صفت دیکھی۔ پہلے تو یہ کیفیت دیکھی کہ تنکا مسوڑھوں میں ڈال کر نکالتی اور دیکھتی۔ دیواروں سے پونچھتی۔ ہونٹوں سے چوستی کبھی میز پوش سے رگڑ دیا۔ کبھی دری میں مل دیا دوسری تعریف یہ ہے کہ ہم سب تو باتیں کر رہے تھے۔ اور اس کو کھل کھل ہنسی سوجھی تو ایک ایک کی صورت دیکھ رہی ہے اور لوٹے جا رہی ہے۔ اُس کا اس بیہودگی سے ہنسنا بہت ہی ناگوار معلوم ہوا۔ اتفاقی کی بات ہے۔ کہ ایک بیوی بھینگی تھیں وہ بے چاری تو بس یہی سمجھیں کہ مجھ پر ہنس رہی ہے بہتیرا منع کیا سمجھایا، گھُڑکا، مگر اس کی ہنسی بند نہ ہوئی۔ کسی محفل میں اگر شریک

ہونے کا اتفاق ہو یا اجنبی آدمیوں سے ملو تو بلا وجہ ہنسنا اور قہقہے لگانا بہت ہی بُری بات ہے۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ گھر ایسا بنا سنوار دیواریں ایسی صاف ستھری چاہئیں کہ دیکھنے والے کا دل خوش ہو جائے۔ یاد رکھو تاڑنے والی عورتیں ایک نگاہ میں بھانپ لیتی ہیں۔ گھر کی حالت دیکھ کر گھر والی کے سلیقہ کا پتہ لگانا کچھ بڑی بات نہیں۔ اپنی تو میں کہتی ہوں۔ مجھ کو لے جا کر ایسے گھر چھوڑ دو، جہاں کبھی نہ گئی ہوں۔ ایک نظر ڈال کر گھر والی کا سارا رنگ ڈھنگ نہ بتا دوں تو سہی۔ موٹی سی بات ہے۔ جس کے مزاج میں آپ ہی ستھرائی نہ ہوگی۔ وہ گھر کیا بنائے گا۔ بیوی کو جب کنوار پتہ ہی میں ڈھنگ نہ آیا تو سسرال میں جا کر کیا خاک آئے گا۔ غریبی ہو یا امیری کوئی سینکڑوں ہزاروں کا کام نہیں گھر کا ایک کمرہ یا دالان ٹھیک کر کے انتظام کر لینا کچھ بڑی بات نہیں کہ بچے ادھر نہ جاسکیں۔

اتنا ہو جانے کے بعد انگنائی سب سے پہلے غور کرنے کے قابل ہے کوڑا کرکٹ چھلکے دوانے کوئی چیز نہ ہونی چاہئیے۔ نہ یہ کہ دن بھر پلنگ اور چارپائیاں دھوپ میں پڑی رہیں۔ بعض جگہ دیکھا ہے کہ جھاڑو دے کر کوڑے کا ڈھیر کسی کونے میں لگا دیا۔ مناسب یہ ہے کہ دروازے کے باہر ڈال دو یا حلال خوری سے آتے ہی اٹھوا دو۔ اگر باہر پھنکواؤ تو ذرا فاصلہ پر یہ نہ ہو کہ دروازہ پر ڈلاؤ لگا ہوا ہے۔ اندر گھر کے رہنے والوں کو معلوم نہیں ہوتا۔ مگر باہر کے آنے جانے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ بھی دیکھا ہے۔ کہ دن بھر پڑوائے انگنائی میں پڑے رہے۔ اگر رات کو پلنگ یا چارپائیوں کے نیچے پڑوائے لگانے کی ضرورت ہو تو صبح ہی اُن کو اٹھوا لینا چاہئیے۔ ایک جگہ کا ذکر کرتے ہوئے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ سیپارے کے ورق سامنے

گھر میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ تکیہ نہ رحل، لوگ اوپر چڑھے بیٹھے ہیں۔ اور سیپارہ نیچے پٹخا پڑا ہے۔ غضب خدا کا مسلمانوں کا گھر اور کلام اللہ کی یہ عزت۔ جس چیز پر ایمان کا دارومدار وہ پاؤں میں رُلتی پھر رہی ہے۔ اور یا کنوئیں میں ڈال دو۔ موکھوں میں رکھ دو۔ خالہ امّی کے یہاں کا ذکر ہے۔ میں بیٹھی تھی۔ اور ماما الحمد کا ورق جھاڑو میں لے چلی۔ ماشاء اللہ اتنی لڑکیاں بالیاں اور بڑی بوڑھیاں مگر پھوٹیں اُن کی آنکھیں جو کسی نے بھی ہو۔ میں نے ٹوکا، تو چاہیئے تھا کہ بی خالہ سب کاموں کو چھوڑ چھاڑ سر سے لگاتیں۔ آنکھوں پر رکھتیں توبہ، پروا بھی نہ کی۔ ماما سے اتنا کہہ دیا کہ دیوار میں اُڑس دے۔" تم انجانوں کے آگے کہتی ہوں۔ اسی دن میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ خدا خیر کرے۔ دو تین مرتبہ ان کے یہاں بے حرمتی دیکھی۔ آخر خدا کے کلام کا ایسا صبر پڑا کہ وہی بھرا ہوا گھر جس میں بڑے اور چھوٹے بچے اور کچے آدھی رات تک کچریاں سی پکتی رہتی تھیں۔ ایک چھ مہینے میں کیسا تباہ ہوا۔ اکیلی ٹرُدں ٹوں بیٹھی مکھیاں مار رہی ہیں۔ خدا لاٹھی لے کر تو مارتا نہیں کیسی برباد ہوئیں کہ تنکا تک نہ رہا۔ مال اور جان سب کھو بیٹھیں۔

ایک اور عیب میں نے لڑکیوں میں دیکھا جو ظاہر میں تو کچھ ایسا بُرا نہیں معلوم ہوتا۔ اگر غور سے دیکھو تو بہت ہی تکلیف دینے والا ہے۔ ضرورت کے وقت چیز کہیں سے اٹھالی۔ اپنا کام کر کرا جہاں جی چاہا پھینک دی۔ ایک دفعہ تو مجھی پر یہ مصیبت گزر چکی ہے۔ برسات کے دنوں میں چراغ جلا کر میں نے اپنے ہاتھ سے دیا سلائی کا بکس دیوار گیری پر رکھ دیا۔ عشاء کے بعد مولوی صاحب کھانے آئے میں سلیمہ کو سلا رہی تھی۔ خدیجہ کھانا دینے اٹھی۔ چاولوں کو دیکھتی ہے۔ تو ٹھنڈے برف۔ چولھے کو دیکھتی ہے تو آگ نہ بھاپ۔ بکس لاکر آگ سُلگائی اور اسی جلدی میں بکس وہیں پھینک پھانک بھول گئی۔ پچھلے پہر مینہ

آیا۔ بہتیرا سر پٹخا۔ بکس ہو تو ملے۔ کونہ کونہ دیکھ ڈالا۔ مگر بکس نہ ملنا تھا اور نہ ملا۔ اندھیرا گھوپ جو چیزیں دکھائی دیں اندر پہنچائیں۔ کیڑے پتنگے کا کھٹکا سانپ بچھو کا ڈر اوپر سے دھونتال مینھ۔ ماچہ کا ماچہ، نواڑی پلنگ اُٹھا کر جا رہی تھی۔ بیچ میں تھا کھانچہ۔ ٹھوکر جو لگی تو میں نیچے اور پلنگ اوپر! رات تو خیر اس اندھیرے ہی میں جوں توں گزر گئی۔ صبح اُٹھ کر جو دیکھتی ہوں تو بنا چکن کا تھان شام ہی کو آیا ہوا گیلا چوڑا رکھا ہے۔ ایک بی خدیجہ کی اتنی بے پروائی سے کہ بکس جہاں سے اٹھایا تھا۔ وہاں نہ رکھا تکلیف کی تکلیف ہوئی۔ نقصان کا نقصان جی جلا سو جُدا۔ ایمان ہے تو سب کچھ ہے۔ اتنا قصور میرا بھی ضرور رہے کہ سر پر برابر گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ اور سب چیزیں چھوڑ چھاڑ پڑ کر ڈھیر ہو گئی میں نے تو اسی دن سے گرہ باندھ لی۔ چاہے اپنی چیز ہو یا پرائی۔ جہاں سے اٹھانا وہیں رکھنا اور ہر چیز کے واسطے ایک جگہ مقرر کر لی کہ پھر کبھی دقت نہ ہو۔

اوڑھنا بچھونا جھاڑو بہارو۔ چیز بست ان چیزوں سے فرصت پا کر اب غسل خانہ یا ورچی خانہ کا خیال کرو۔ غسل خانہ میں سب سے پہلی بات تو پانی کی احتیاط ہے۔ کہ باہر جانے کا راستہ صاف ہو موری اَٹی ہوئی نہ ہو۔ دانت صاف کرنے کے منجن۔ منہ دھونے کے لئے صابن یا کھلی۔ اجلا تولیہ ثابت کنگھی۔ ٹھنڈا پانی۔ ایک قلعی دار لوٹا۔ ہر وقت موجود رہنا چاہیئے۔ نہانے کے واسطے گرم پانی بہت مفید ہے۔ مگر ٹھنڈا پانی سمونے کے واسطے تیار رہنا چاہیئے۔ یہ وقت تو نہ ہو گی کہ کپڑے اتار لئے۔ اب بیٹھے ماما کا انتظار کرو۔ یا آپ جا کر پانی لاؤ۔ نہا چکنے کے بعد فوراً صاف تولیہ یا کسی اور کپڑے سے بدن پونچھ لینا چاہیئے۔

طرح طرح کا تیل ڈالنے سے آج دھوئی تلی کا۔ کل چنبیلی کا پرسوں انگریزی سر چکٹ جاتا ہے۔ جاڑوں میں چنبیلی کا تیل ڈال دھوپ میں بیٹھنے سے فوراً

چکٹتا ہے۔ چکنے ہوئے سر کو ریٹھے بہت مفید ہیں۔ آنولے اور گوندے سے بھی نکھر جاتا ہے۔

بال بڑھانے کے واسطے یہ نسخہ اکسیر ہے۔ رات کو ماش کی دال دھو کر بھگو دو اور صبح تھوڑے سے بیری کے پتے ڈال کر پیس لو اور سر دھو لو۔ چالیس دن اس طرح کرکے دیکھو بال کہاں سے کہاں پہنچتے ہیں۔

یہ جو اکاس بیل ہوتی ہے زرد زرد درختوں پر پڑی ہوئی۔ اس سے سر دھونا بھی بالوں کو بہت بڑھاتا ہے۔

بالوں کا ذکر آگیا تو ایک بات اور کہنی پڑی۔ میں نے اپنے شہر اور اپنے ہی محلہ بلکہ یوں سمجھو کہ اپنے ہی گھر میں دیکھا ہے کہ بعض لڑکیاں دن بھر بکری کی طرح پان چباتی ہیں۔ اور دانت سُرخ بیر بہوٹی ہو جاتے ہیں۔ بات کرنے میں ہنسنے میں بولتی ہیں وہ لال لال دانت بالکل ہی زہر معلوم ہوتے ہیں۔ کیسی بدتمیزی کی بات ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ پھر طرّہ یہ کہ پان کا شوق اتنا اور دانت نہ مانجھیں دونوں برابر بیٹھ کر بات کریں تو منہ سے وہ بو آئے کہ الٰہی تیری پناہ۔ چاہیئے یہ کہ چاہے پان کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ مگر صبح اُٹھ کر جہاں منہ دھوؤ وہاں دانت بھی مانجھو یہ بھی کوئی منہ دھونے میں دھونا ہوا کہ دو چھپکے مارے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لو صاحب منہ دھل گیا۔ منجن اگر انگریزی بنا بنایا موجود ہو تو خیر ورنہ تیار کر لینا چاہیئے۔ یہ جو سالن میں گودے کی ہڈی ہوتی ہے۔ اس میں کالی مرچیں بھر کر جلا لو۔ جل جائے تو الگ رکھ لو۔ اب ایک نیم کی ٹہنی لے کر اس کی پتیاں نوچ کر پھینک دو۔ اس لکڑی کو آگ میں جلا کر کوئلہ کر لو۔ ان کوئلوں کو اس جلی ہوئی ہڈی کے ساتھ ملا کر پیس لو منجن تیار ہو گیا۔ دانت ایسے صاف ہوں۔ جیسے چینی۔ بلکہ مرچوں سے تمام بادی بھی چھٹ جائے گی۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ جو کوئلہ ہاتھ آگیا۔ اس سے دانت مانجھ لئے۔ بعض دفعہ ایسا کوئلہ

ہوتا ہے کہ مسوڑھوں میں درد ہو جاتا ہے۔ جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں۔

یہ باورچی خانہ دیکھ کر تو بیوی اللہ جانے میرے ہوش اڑے جاتے ہیں۔ باورچی خانہ ہے یا چنڈو خانہ۔ ایک دفعہ ماموں جان کے کوٹھے پر سے دیکھا تھا عین بین وہی نقشہ معلوم ہو رہا ہے۔ چاروں طرف چیزیں تتر بتر پھیلی ہوئی ہیں۔ برتن بھانڈا۔ پٹڑی پیڑا۔ چکی چولھا سب ہی چیزیں تو گھسی ہوئی ہیں۔ اور تو اور کابک اور کھانچوں کو بھی یہی جگہ رہ گئی تھی۔ ذرا دیکھو تو سہی پتیلیاں پچکی۔ طشتریاں ٹوٹی۔ کونڈے میں دراڑ۔ توے میں چھید۔ ہماری سمجھ میں تو کچھ بھید آتا نہیں۔ بیٹی یہ صراحی میں چنے کی دال ؟ یوں کہو سب چیزوں کی پال ڈال رکھی ہے۔ بے پیندی کی گھڑیاں، بے ٹونٹی کا لوٹا۔ بے گلے کی پتیلی اللہ رکھے سب ہی کچھ موجود ہے۔ یہ چولھے کن قرنوں کے ہیں۔ پیپے نہ چتے ثابت نہ ٹھیک۔ بھٹیارے کا تندور بھی اچھا ہوگا۔ زینب بچاری اگر سچ پوچھو تو ٹکے کی مزدور ہے۔ صدریاں کرنی اور پیٹ بھرنا۔ الٹے تلّے نہیں آگئی تو روزی نہیں تو روزہ۔ کل صبح کو جا نکلی بیٹھی روٹی پکا رہی تھی۔ ڈھنگ کا چولھا لیپا پوتا قرینے کے برتن دھلے دھلائے۔ یہ اندھیر تھوڑی ہے۔ عزت والوں کا گھر روپیہ کی جگہ روپیہ۔ پیسہ کی پیسہ۔ اور یہ گت کہ دیکھی نہ سنی۔ کڑھائی میں اپلے کرچھے میں گرسیاں۔ بے ڈھنگی کی حد، بے تمیزی کی انتہا۔ ماما آزاد بیوی پرواہ روک نہ ٹوک۔ کہنا نہ سننا۔ چلو چھٹی ہوئی۔ ماما یہ کچھ بیوی وہ کچھ۔ بڑی بی بچاری اس قابل نہیں۔ کرے کس کی جوتی سنے کس کا صدقہ۔ ماشاء اللہ اتنی آمدنی اور غضب خدا کا مٹی کی بدھنی۔ ٹین کا تام لیٹ۔ بیٹی! عورت کی عزت اس کا سلیقہ ہے۔ ہنر نہیں تو لاکھ کا گھر خاک۔ لمحہ بھر کا کام ہے۔ ماما نہیں تو آپ ہی دو ایک ہاتھ چولھے پر پھیر لو۔ یہ بھنکار تو نہ رہے گی۔ کوئی بڑی

بات نہیں۔ کھانے سے فراغت پائی اور اپنے سامنے سارے برتن دُھلوا، منجھوا چوکی پر یا کوٹھری میں کانس یا ٹوکری میں قرینے سے رکھوا دیئے۔ بس اتنا کام ہے۔ تو سگھڑاپا ہوگیا۔ برتن کے برتن ٹھیک ہو گئے۔ کام کام بن گیا۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ قلعی کروالی۔ اُجلے کے اُجلے صاف کے صاف۔ اُپلے یا لکڑی اندازہ سے ضرورت کے موافق نکالیں جو بچیں وہ رکھ دیں۔

باورچی خانہ نعمت خانہ ہے۔ ایندھن خانہ نہیں ہے۔ کڑاہی۔ کرچھا، پھکنی۔ دست پناہ۔ کام ہوچکا کونہ میں رکھ دیا۔ پھر دیکھو کیسا صاف باورچی خانہ ہوتا ہے۔ جہاں جھاڑو لی اور چندن ہوا۔ ہاں اتنی احتیاط ضرور چاہیئے کہ کیچڑ نہ ہو۔ دھودن کا جتنا پانی ہے۔ موری پر ڈالو۔ باورچی خانہ کے آگے ڈالنا بہت بدتمیزی ہے۔

چونا یعنی برتن صاف کرنے کے واسطے رسی کا ٹکڑا روز تبدیل کر لینا چاہیئے۔ اگر ممکن ہو تو مہینے دوسرے مہینے باورچی خانہ میں سفیدی کروا دینی بہت اچھی ہے۔

• برتنوں کی قلعی میں بے پرواہی کرنے سے بڑا نقصان ہوتا ہے کسیاؤ سے کھانا۔ بالکل خراب ہوجاتا ہے۔ نقصان کا نقصان، ذلّت کی ذلّت۔

عقلمند لڑکیاں برسات کے آنے سے پہلے ایندھن بھروالیتی ہیں۔ تاکہ گیلی لکڑیوں اور سیلے اُپلوں کی پھُوں پھُوں سے بچیں۔

ایک اور پھوہڑ پن تو میں نے قریب قریب سب ہی لڑکیوں میں دیکھا ہے کہ کپڑے رنگنے اٹھیں اور جس برتن میں چاہا رنگ لیا۔ اس وقت تو کام نکل جاتا ہے۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دھولینے سے برتن صاف ہوگیا لیکن اس کا اثر موجود رہا۔ جو چیز اس میں رکھی وہ گڑدی۔ جو نکالی وہ خراب۔ اور

سنو، ضرورت کے وقت روغن داغ یا گرچا نہ ملا۔ کٹورا طشتری جو چیز
سامنے آئی لے لی۔ اور آگ پر رکھ دی۔ چار دن کا میلا ہوتا برتن گھڑی بھر میں
کالا سیاہ ہو گیا۔ مجھے چاہے کنجوس کہو یا منحوس مجھ کو تو یہ بھی بُرا معلوم ہوتا ہے۔
کہ آگ دھڑ دھڑ جل رہی ہے اور چولھے پر کچھ نہیں۔ ایک ادھ جینا یونہی غارت
ہوا کچھ نہ ہو تو پانی کی گھڑیا ہی رکھ دو۔ گرم پانی کسی نہ کسی کام آ ہی جائے گا۔
ایک بات میں کہنی بھول گئی۔ ماما ئیں برتن مانجھنے میں بڑی بے پروائی کرتی ہیں۔
بیٹیوں کو چاہیئے کہ آپ اچھی طرح دیکھ بھال لیا کریں۔ پتیلی کا پیندا اگر اچھا نہ
دھلا ہو تو سالن کالا ہو جائے گا۔ اگرچہ دیکھا تو نہیں مگر سُنا ہے کہ بہتیری
لڑکیاں ایسی منحوس ہوتی ہیں کہ جلتے چولھے سے آگ دینی انھیں بہت بُری معلوم
ہوتی ہے۔ ایسی کمبختوں کو کیا کہوں۔ اس سے زیادہ نالائقی اور کیا ہو سکتی ہے۔
جس کو مذہب یہ حکم دے کہ حاجت مندوں کو ہر طرح سے مدد دو۔ اور اُن کے
وقت پر کام آؤ۔ ان کا یہ سلوک! کیسے افسوس کی بات اور شرم کی جگہ ہے!
اللہ کا شکر ہے۔ ایک چھوڑ، دو۔ دو ماما ئیں موجود ہیں۔ مگر یقین کرنا چاہیئے
کہ کھانے کو دیر ہو جائے۔ جب تک باورچی خانہ صاف ستھرا نہ ہو۔ میں ایسے
وقت پکانا ریندھنا گناہ سمجھتی ہوں۔ کچھ دلّی ہی پر موقوف نہیں۔ میں نے
تو سب ہی جگہ دیکھا ہے کہ جہاں کوئی غیر عورت آئی۔ کنواری بیٹی اُٹھی اور
چھپ گئی۔ مگر میں ایک بات پوچھتی ہوں۔ شکل صورت کے سوا باقی تمام عادتیں
ہنر سلیقہ، ڈھنگ۔ انتظام۔ تو گھر کی صورت دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے۔ مزاج
تو معلوم ہی ہو گیا۔ صورت نہ دیکھی تو نہ سہی یہ سب جانتے ہیں۔ کہ ماؤں
کو چھوٹے بچوں ہی کی خدمت سے اتنی فرصت نہیں کہ وہ گھر کے کاموں کو
دیکھیں۔ جب سیانی لڑکی موجود ہے۔ تو بھلائی بُرائی سب کی ذمہ دار

وہ ہے۔

بیوبو! تم کہوگی تو سہی کہ اُستانی جی اچھی کمبخت آئی کہ کان کے کیڑے ہی کھا لئے۔ مگر کیا کروں منہ پر آئی رکتی نہیں۔ اب شروع کیا تو پھر کیوں چھوڑوں۔

باورچی خانہ کا حال تو سن لیا اب پانی جو زندگی قائم رکھنے کے واسطے ضروری چیز ہے۔ اس کی کیفیت بھی سنو۔ اگر اس کی طرف اچھی طرح توجہ نہ ہوئی۔ تو زندگی کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ جو پینے میں تو خیر گھناؤنے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر پیٹ میں پہنچ کر طرح طرح کی بیماریاں پیدا کر دیتے ہیں۔ دیکھو نا گھڑونچی ٹوٹی مٹکے میلے چپنیاں ندارد۔ اس پانی سے اول تو پینے والے ہی کی طبیعت کو کراہیت معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے مٹکا کھلا رہنے سے کیڑے مکوڑے مچھر بھنگے جا پڑتے ہیں۔ رات کے وقت اگر پانی پینے والا بھی ایسا ہی سا ہوا سب پیٹ کے اندر۔ سب سے بڑے افسوس کی بات یہ ہے۔ کہ گھر کا پانی ایسی حالت میں ہو کر آنے جانے والے کا جی پینے کو نہ چاہے۔ بکھیرے لگن۔ گھڑونچی کچھ زیادہ قیمتی چیزیں نہیں۔ برس میں دو دفعہ بھی بدل لو یا صاف کر لو تو ایسا خرچ نہ ایسی محنت مٹکے بدلتے کو اگر چہ پیسے بھی میسر نہ ہوں تو دھیلے کا گیرو پھیر لینے سے مٹکوں کی صورت کچھ اور نکل آتی ہے۔ چپنیاں کاٹ کی نہیں تو مٹی کی سہی۔ پانی تو ڈھکا ہے بہت سی بیماریاں صرف پانی ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر احتیاط کی جائے اور پانی روز مرہ چھان کر صاف کیا جائے۔ تو تندرستی کو بہت مفید ہے۔ پانی صاف کرنے کی یوں تو بہت سی ترکیبیں ہیں۔ مگر سب سے اچھی تدبیر یہ ہے کہ تین گھڑے

ے کر دو کے پیندوں میں چھید کر لو۔ اور پہلے دوسرے یعنی چھید والے گھڑوں میں اُجلے صاف شفاف کپڑے کی بتی لگا دو۔ اور ان ہی دو میں تھوڑا سا دریا کا ریت ڈال دو۔ اور پہلے گھڑے میں پانی بھر کر تینوں گھڑے اوپر نیچے اس طرح رکھو کہ پانی ٹپک ٹپک کر گرتا جائے۔ اس ترکیب سے رس رس کر پانی تیسرے گھڑے میں صاف بھی ہوگا۔ اور ٹھنڈا بھی ہوگا۔ بعض لڑکیوں کو پانی کا بہت دھیان ہوتا ہے۔ جہاں سقہ کے آنے کا وقت ہوا اور انھوں نے باسی چھان کر الگ کیا اور مٹکے خالی کر دیئے تاکہ تازہ باسی ایک نہ ہو جائے جس کو تازہ پینا ہو تازہ پیا۔ باسی پینا ہوا باسی پیا۔ اگر پانی کی احتیاط نہ ہو اور کوئی ملاقاتی آنکلا۔ اور اس نے باسی پانی مانگا تو اللہ کا نام تازہ حوالے کیا۔ اس نے منہ میں لیتے ہی کُلّی کر دی۔ اگر غیرت ہوتی تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرے کہ گھر میں پانی ڈھنگ کا نہیں۔ پانی پلانے میں بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ اندھے سپنے سے آگے لا کھڑے ہو گئے۔ پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ کچھ پڑا تو نہیں ہے۔ خاص کر رات کے وقت ضرور روشنی میں دیکھ کر پلانا چاہیئے۔ مٹکوں کے انتظام میں اتنی احتیاط اور ضرور ہے کہ بچوں کا مٹکا ان کے پانی پینے کا برتن الگ ہو کیونکہ وہ دن بھر مٹی کیچڑ میں کھیلتے پھرتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ کا اعتبار نہیں۔ اور جس طرح تم کو اوروں کے ہاں جا کر بچوں کے ہاتھ لگے ہوئے پانی سے کراہیت ہوتی ہے اسی طرح دوسروں کو تمھارے ہاں دیکھ کر ہوگی۔ کٹورا آبخورہ، ڈونگیا۔ سب برتن قلعی دار ہونے چاہئیں۔ کم از کم دو برتن ایک بھرنے کا ایک پینے کا، ہر وقت مٹکے پر ضرور رہوں۔ بہت برا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی برتن غڑپ غڑپ ڈالا۔ اور اسی سے پانی پی لیا۔ صراحی یا گھڑے کے منہ پر اجلا سفید مہین کپڑا باندھنا بہت اچھا ہے۔ پانی چھن چھن کر نکلتا ہے۔ گرمی میں باسی پانی ہر گھر میں موجود

رہنا چاہیئے۔ بدنگوں کے پاس کیچڑ کا ہونا بھی بدتمیزی ہے۔ ایک علیحدہ برتن گھڑونچی کے پاس اس غرض سے رکھنا لازم ہے کہ بچا ہوا پانی اس میں ڈلتے جائیں۔ اور دونوں وقت وہ پانی موری پر پھینک دیا جائے۔ پانی کے پاس کیچڑ کرنا جان بوجھ کر بیماری پیدا کرنا ہے۔

بیٹی بنو! میری باتیں تم کو زہر لگ رہی ہوں گی۔ اور دل میں کہہ رہی ہو گی بس چلے تو استانی نامراد کا منہ نوچ لوں کہ گھر جیتھ کر لڑتے آئی۔ اور ڈولی چڑھ کر باتیں بنا گئی۔ مگر بیٹی یہ تو سوچو مجھے کے رکعت کا فائدہ؟ گھر بگڑا تو تمھارا نقصان ہوا تو تمھارا۔ نکو بنیں تو تم بدنام ہوئیں تو تم۔ میں بیچاری لینے میں نہ دینے میں جلتی جلاتی پھرتی پھراتی آئی۔ گھڑی بھر بیٹھ گئی۔ جی جلا منہ کھپا، مانو نہ مانو سنو نہ سنو۔ تم جانو تمھارا کام۔ کیا کروں۔ نواب صاحب کے ہاں جانا ہے نہیں تو کہتی اور پیٹ بھر کر کہتی بگڑ دگی تو بگڑا کرو۔

ایک تعریف تمھاری اور بھی سنی ہے۔ سچ ہو یا جھوٹ، مگر اب تو لپ گئی۔ کیوں ایسے کوتک کئے جو کسی نے کہا جھوٹ کیوں ہونے لگا۔ سب گنوں پوری کوئی نہ کھولنڈوری۔ ماشاءاللہ قرض پر دل شیر ہے۔ بیٹی بات تو جب ہی ہے۔ کہ کوئی کسر نہ رہ جائے۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی کو یہ لپکا پڑے۔ نہ یہ عادت چھٹتے والی نہ گھر پنپنے والا۔ بڑی بوڑھیوں سے سنا کرتے تھے۔ بھیک مانگنا اچھا اور قرض لینا بُرا۔ بھیک ہی نہ مانگ لو جو تقاضے کا کھٹکا جائے۔ یاد رکھو سمجھدار آدمی اول تو قرض ہی نہیں دیتے اور اگر ایسی ہی مجبوری آپڑتی ہے۔ تو یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ وصول ہو چکا۔ بیٹی ذرا انصاف کرو۔ جب دینے والے نے یہ سمجھ کر دیا تو بھیک نہ ہوئی تو کیا ہوئی۔ عقل سے کام لو ایسی بےغیرتی بھی کس کام کی۔ جیسے دو ہاتھ پاؤں تمھارے ایسے دوسرے کے۔ اس

غریب نے کسی نہ کسی طرح محنت مشقت سے کمایا۔ جفا کفل سے بچایا۔ اور ہم لینے کو تیار۔ اس کی تو گاڑھے پسینے کی کمائی اور ہم نے مفت میں اڑائی۔ ڈگہ بھر بی بی فاختہ اور کوّے انڈے کھائیں۔ ہم کو قرض مانگنے کا کیا حق ہے۔ جس طرح کسی امیر کے ساتھ نالائق مصاحب لگ جاتے ہیں کہ دھوکا دیکر اپنا پیٹ بھریں۔ جس طرح کسی رئیس کے پیچھے شہدے چمٹ جائیں کہ چند ہی روز میں ریاست کو خاک میں ملا دیں۔ جس طرح پشمینے کپڑے کو کیڑا، لکڑی کو گھن۔ کڑیوں کو دیمک لگ جائے۔ اسی طرح آدمی کو قرض لگ جاتا ہے لاکھوں کی آمدنی کیوں نہ ہو مگر قرض کے پیچھے سب خاک ہے۔ بڑوں کی مثل ہے۔ بیٹیوں والا گھر اور چیلوں والا چوٹھا کبھی پنپتا نہیں۔ میں کہتی ہوں قرض والی آمدنی بھی نہ کبھی پنپتی ہے نہ پنپے گی۔ بھیک مانگ لے۔ فاقہ کرلے۔ مگر قرض نہ لے۔ جس نے قرض لے کر تلڑ بھرنا جانا بس دنیا بھر کی مصیبتیں اس پر آگئیں۔ غیرت حمیّت حرمت سب گئی گزری ہوئی۔ لین دار ہزاروں باتیں سنا رہا ہے۔ اور کان دبائے سن رہے ہیں۔

نواب مظفر کی سگی بھانجی نوشابہ کا حال سنا ہے۔ اسی قرض کے ہاتھوں وہ مٹی پلید ہوئی کہ خدا دشمن کی نہ کرے۔ سرکار کی بھتیجی۔ اتنے بڑے باپ کی بیٹی۔ چھ سات گاؤں کی تعلقہ دار۔ مگر قرض کا مرض ایسا کہ بالکل ہی تہس نہس کر دیا۔ ریاست اور امیری سب گئی گذری ہوئی۔ بھر بھر جھولی اشرفیاں اور بھر بھر ہنگی روپے اِدھر آئے اور اُدھر ختم۔ دونوں فصلوں پر بس روپے آنے کی دیر تھی کہ گھر [illegible] بچا اور اندر باہر تقاضگیر موجود۔ بی نوشابہ پلنگ پر بیٹھی تھیلیاں آگئے۔ عبدل آؤ لے جاؤ۔ بکر ہیدو لے جاؤ۔ شام تک پوری بٹ گئی۔ روپیہ کیا ریوڑیاں تھیں کہ تین چار گھنٹوں میں ختم ہو گئیں۔ ایسی ہی کوئی بھاگوان فصل

یا مبارک دن ہوتا ہوگا۔ کہ بٹ بٹا کر سو پچاس روپیہ بچتے ہوں گے۔ ورنہ ہاتھ جھاڑ کر اٹھتی تھی۔ اب اکٹھے چھ مہینے اور بی نوشابہ ایک ایک کی خوشامد کر رہی ہیں اتنی بڑی آدمی اور ٹکے ٹکے کے آدمیوں کے آگے ہاتھ پھیلانا! کوئی جھڑک رہا ہے۔ کوئی گھُرک رہا ہے۔ مگر اللہ کی بندی کے کان پر جوں نہیں چلتی۔ تو سو لگی بندی کے ڈنڈ پر لکھی۔ اس کو کہتے ہیں گرہ کا دیا اور جوتیاں کھائی۔ کیسی بےغیرتی اور کس قدر بے حمیتی کہ خدا بچائے۔ اس آمدنی کو دیکھو اور ان ڈھنگوں پر غور کرو۔ آج پتیلی چلی۔ کل لوٹا گیا۔ طباق پر آنا آیا۔ طشتری بکی تو گھی جڑا۔ صبح سے دوپہر تک ایک ایک کی منت کی۔ ایک ایک کی خوشامد۔ مل گیا تو خیر نہیں تو جو چیز نظر پڑی وہی بنئے کے ہاں۔ غرض اسی بلوں میں چھ مہینے گزرے۔ ہاتھ ہیکڑا نہ پاؤں پیکڑا۔ ننگے کان سونٹا سے ہاتھ۔ گہنے کے نام چاندی کا تار نہیں فصل کا وقت ہوا اور قرض خواہوں کی صورتیں دکھائی دینی شروع ہوئیں۔ آخر یہ سب گاؤں اور جائداد گروی ہوئی۔ آمدنی تو پہلے ہی جیسی تھی ظاہر ہے۔ سود نکلتا تو کہاں سے۔ تھوڑے دنوں تو خوب اللے تللے ہوئے۔ روپیہ کیا ٹھیکریاں تھیں۔ برس کے اندر تیس چالیس ہزار روپیہ ختم ہوگیا۔ ساہوکار ایک سرّتا آدمی۔ برس ڈیڑھ برس وہ گھنی سادی کہ گویا کچھ واسطہ ہی نہ تھا۔ اور پھر دروازہ کی مٹی لے ڈالی۔ سود در سود دو کے چار اور چار کے آٹھ۔ مجھے تو اچھی طرح یاد بھی نہیں۔ سوائے ڈیوڑھے کر کرا جھٹ نالش داغ دی۔ یہاں کیا دھرا تھا۔ سینکڑوں ہزاروں کی جائداد باپ دادا کی نشانی کوڑیوں کے مول نکل گئی۔ کبھی خالہ کے یہاں جاؤ تو کنوئیں کے سامنے کی حویلی دیکھنا۔ یہی مکان ہے۔ جس کے دروازے پر ہاتھی جھومتے تھے۔ آج پردہ بھی نہیں۔ سب کچھ نکل گیا۔ ایک بیری والا گھر رہ گیا۔ اب چار روپیہ کا کرایہ۔ چاہے اوڑھو چاہے بچھاؤ۔ کال کے دن پونے آٹھ سیر کے گیہوں۔ چار روپے کے دن کے۔

سالن تو الگ رہا روکھے آٹے کے پھنکے اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے بھی پڑ جائیں۔ تو بہت۔ اللہ کی شان نظر آتی ہے۔ جہاں یہ کچھ ریل پیل تھی۔ اب جلانے کا تیل بھی نصیب نہیں! اگلے جمعہ کو ملنے گئی تھی۔ نوشابہ جیسی بیگم جس کے پاس بھول کر بھی غم نہ پھٹکتا تھا۔ ماما اصیلیں لونڈیاں چھوکریاں۔ قدموں کے نیچے آنکھیں بچھاتی تھیں اور سرکار کہتے منہ خشک ہوتا تھا۔ اب اس حال میں تھیں کہ ٹوپی والا کھڑا دروازے پر کہہ رہا تھا۔

"دونوں کوڑیاں کل دوپہر تک کر دو۔ تو لے لو راگلی ٹوپیوں میں جھومر والی بیلیں تم نے بالکل ہی ناس کر دیں۔ وہ پانچوں پیسے کاٹ کر سوا تین آنے نکلتے ہیں۔ لیتی ہو تو لو نہیں لیتیں نہ لو۔"

اللہ اللہ یہ وہی پشتوں کی امیرزادی ہے جس کی دادی گھر بیٹھے آدھے رسول آباد پر حکومت کرتی تھیں اور سارے حسین آباد پر راج تھا۔ اسی دادی کی پوتی، موئے سڑے ہوئے ٹوپی والے کے آگے آدمی پر ہاتھ پھیلاتی ہے۔ خدا جانتا ہے۔ میرے تو آنسو نکل پڑے۔ ننگے سر ننگے پاؤں۔ کرتہ جیکٹ۔ دوپٹہ ہار۔ پاجامہ لیریاں کواڑ کے پیچھے کھڑی پانچ پیسوں کے لئے بلک رہی تھی۔ میں تو جا کر بھی پچھتائی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ایک پانچ ہی برس میں اس کی یہ گت ہو جائے گی۔ میرے چلتے وقت گو وہ بات نہ رہی تھی۔ مگر پھر بھی یہ ہدڑا تو نہ تھا کیا سے کیا ہو گیا۔ جن ہاتھوں سے سینکڑوں ہزاروں اٹھلائے آج وہ دو دو دالوں کو محتاج ہیں۔ چلن سے چلتی تو عمر بھر لالوں کی لال بنی رہتی۔ چار کو کھلا کر کھاتی۔ فقط اس قرض کے کارن سب کچھ خاک ہے لگ گیا۔ اب کوئی دو کوڑی کو بھی نہیں پوچھتا۔ جس کو لاکھ کا گھر خاک کرنا ہو۔ وہ قرض کی علوت ڈالے۔ اللہ نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ عیب پیدا ہو۔ جب کسی لڑکی کو دیکھو قرض مانگ رہی ہے۔ بس سمجھ لو کہ اس کی زندگی برباد ہو گئی۔

"لو بوی اللہ بیلی بس اب جاتی ہوں"
سنجیدہ، نسیمہ، اُستانی جی۔ تینوں گھر آئیں تو ڈولی سے اُترتے ہی اُستانی جی نے کہا۔

"بوا سنجیدہ خدا کی قسم ایک ہوں دو ہوں۔ جس چیز کو دیکھتی تھی بے کینڈے گھر تو گھر دیوار پاکھوں تک پر بدتمیزی برس رہی ہے۔ تمھارے سر کی قسم میں نے بہت لحاظ کیا نہیں ایسا ٹھیک بناتی کہ مزہ آجاتا۔ کہتے ہیں تو میں نے اب بھی کسر نہیں کی۔ مگر پھر بھی بہت سی باتیں رہ گئیں۔ اتنا میں تم سے کہے دیتی ہوں اور میری آج کی بات یاد رکھنا۔ چاہو یہ ٹھیک ہو جائے سو یہ ٹھیک ہونے والی لڑکی نہیں۔ مگر یہ سب ڈھکوسلے میتا کی زندگی تک ہیں۔ بڑھیا کی آنکھیں بند ہوئیں۔ اور کوڑی کے تین۔ لڑکی کیا مٹی کی تھوا یا آٹے کی آپا ہے۔ کسی کام ہی کی نہیں۔ بی ننھی کی اماں جو بہت بڑھ کر بول رہی تھیں۔ اتنی ہی دیر میں ان کی چوری بھی پکڑ آئی تم کو خاک بھی خبر نہیں اور میں ایک ہی نگاہ میں تاڑ گئی۔ سچ پوچھتی ہو۔ ماما بیچاری کا کیا قصور۔ سر پر انکس ہی نہیں تو کیا کرے۔ تم نے بے غیرتی بھی دیکھی۔ میں نے اتنا کچھ کہا لڑکی کے کان پر جوں بھی چلی۔ کیسی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بیٹھی ہے۔ کوئی اور دال ہوتی تو شکل نہ دکھاتی۔ بس بوا اللہ کسی پر بُری نہ بنائے۔ اپا ہج بیٹی بے ڈھنگی ماماؤں کے ہاتھ میں بھیک کا پیالہ نہ ہو تو نام پلٹ ڈالنا۔ صورت سیرت والیاں سونے چھونے والیاں ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں تو ان کو نوکوئی بھرتا نہیں۔ اس آخور کی بھرتی کو کون بھرے گا۔ کام کی وہ نہیں کاج کی وہ نہیں۔ دن بھر بیٹھے دیکھے جاؤ۔ وہ دفعہ تم نے پانی مانگا۔ اگر آپ اٹھ کر پلا دیتی تو کیا شان کو بٹہ لگ جاتا۔ وہی کہاوت ہے۔ اتار لی منہ کی لوئی تو کیا کرے گا کوئی۔ جب اپنے غیرتی ہی پر کمر باندھ لی تو پھر کیا علاج اپنے منہ سے بکو مغز کھپاؤ جی جلاؤ اس کے بجاویں

بھی نہیں۔ اتنی بھی پروانہ تھی کہ یہ بک کیا رہی ہے اور کہہ کس کو رہی ہے۔ مجھے تو ڈر یہ ہے۔ کہ کہیں خالہ بُرا نہ مان گئی ہوں۔ اس وقت تو جو منہ میں آیا کہہ گئی۔ مگر جب سے اتری ہوں یہی خیال چلا آرہا ہے۔ بھلا ہُوا میں نے کیوں پرائے شگون کے واسطے اپنی ناک کٹائی۔ بیٹے ہیں ڈوبتے ہیں۔ واسطہ نہ غرض وہ مثل اصل ہوگئی تھی۔ بھبی تم کون کہ خواہ مخواہ۔ پھوہڑ ہوگی تو میرا کیا لے گی۔ اور سگھڑ ہوگی تو مجھے کیا بخش دے گی۔ اچھی ہے تو ان کی، بری ہے تو ان کی۔ برا مانو یا بھلا، تم نے کیا بُرا۔ آپ تو اچھی رہیں۔ اور مجھے جھونسے پر چڑھوا دیا۔

(۲۲)

کارخانۂ قدرت کے انتظام انوکھے اور نرالے۔ ہزاروں لاکھوں خدا کی بندیاں اچھی بُری سگھڑ پھوہڑ کانڑی کھدری، لنگڑی لولی۔ صبح شام کھچی چلی جارہی ہیں۔ میکے میں تھیں تو نیلے ڈورے سسرال پہنچیں تو کالے بجی جوڑے۔ یہاں دُر دُر پھوٹ بھٹ، اجیرن وبال، وہاں عزت وقعت لالوں کی لال۔ روپ کی رُوئے کرم کی کھائے۔ ماں باپوں کی بیٹیاں سو حسنوں کا حسن، ان کے گن۔ اور سو شکلوں کی شکل اُن کا سلیقہ گگڑی کی بیل اور لڑکی کی بیل گھٹنوں بڑھے گھڑیوں بڑھے۔ کل کی بات ہے بی مجھلی کی نالائقیوں کا جھینکنا تھا۔ آج ان کے بر کی تلاش ہے۔ ڈیل کچھ کا کچھ ہے۔ اُٹھان کہیں کا کہیں پہنچا۔ ماں بچاری دن رات اِسی فکر میں گھلی جاتی تھی کہ کسی طرح اس کے دو بول ہو جائیں۔ مسجد کی مٹھائی بڑے پیر کی گیارہویں۔ حسن رض حسین رض جو کچھ سمجھ میں آیا۔ سب ہی کچھ کیا۔ برس سوا برس تک اسی چکر میں پھنسی رہی۔ مگر "جن ڈھونڈیاں اُن پائیاں" یہ خوش نصیبی ماں کی سمجھو یا بیٹی کی، نہ بیچ دالیوں کے پرقعے پٹے نہ آنے جانے والوں کی جوتیاں ٹوٹیں۔ ہونے والا کام اور بننے والی بات۔ غیب سے ایک ایسا سامان ہوگیا کہ ہلدی لگی نہ پھٹکری اور مجھلی بیگم

خاصے دھوم دھڑکے سے سسرال جا پہنچیں۔ نہر کا ضلعدار دریا پار سے بدل کر آیا بیوی مرچکی تھی۔ بچہ کوئی تھا نہیں ڈیڑھ سو روپے کا تنخواہ دار۔ ذات کا سید، مزاج کا اچھا۔ بات ٹھیرنے کی دیر تھی چٹ منگنی پٹ بیاہ ہوگیا۔ ضلعدار غریب نے چاہے یہ سمجھو کہ ارمان نکل گیا تھا یا یہ کہو کہ سمجھدار آدمی۔ ایک دفعہ نہیں تین تین اور چار چار دفعہ کہلا بھیجا اور لکھ بھی بھیجا کہ دلی والوں کی طرح لنگوٹی میں پھاگ نہ کھیلنا۔ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا۔ بیسیوں جوڑے سینکڑوں برتن۔ منوں کاٹ کباڑ حاصل دین نہ حاصل دنیا۔ ہم لوگوں کی حالت اس قابل نہیں کہ روپیہ یوں ضائع کریں۔ یہ کس خدا نے بتایا ہے کہ ایک بیٹی کا بیاہ کرنے اٹھے اور عمر بھر کے واسطے قرضدار ہو گئے۔ پھر ستم یہ کہ صرف بھی کیا تو ایسے فضول کاموں میں کہ نہ ضرورت نہ حاجت۔ وہی کہاوت ہے۔ جیب چلی نہ سواد آیا۔ مجھ سے پوچھو تو کنوئیں میں پھینک دینا ہے۔ خدارا ان لغو باتوں سے بچیے گا۔ جو کچھ بھی کیجیے۔ حیثیت کے موافق اور آمدنی کے لائق۔ نام ونمود کی پرواہ آپ کو ہو تو ہو میری طرف سے تو اطمینان رکھیے میں تو فقط گھر آباد کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ موجود ہے۔

پھوپی کا منشا تھا کہ چپ چپاتے نکاح کرکے بھتیجی کو رخصت کردے۔ مگر ادھر تو بھاوج ادھر خود بھتیجی دونوں ماں بیٹیوں کے دماغ ساتویں آسمان پر تھے سنجیدہ تو منہ سے بات نکال کر چور بن گئی۔ بھتیجی جو منہ پھیلا کر پڑی تو سارے گھر نے زور لگا لیا۔ مگر وہ اللہ کی بندی مجنھلی کیا ماننے والی اور سننے والی ننھی بیٹی کی یہ کیفیت۔ ماں کا یہ حال کہ نند سے اتنا سنتے ہی لگی رو رو کر کہنے۔

بھلا سنجھو مجھ سے گھڑی گھڑی لینے تھوڑی آئے گی۔ غضب خدا کا پالکی کے پیچھے دس برتن بھی نہ ہوں۔ بڑی کو تو دس ہزار کا جہیز اور اس کو خاک بھی نہیں۔ آخر جس پیٹ کی وہ تھی اس کی یہ بھی ہے۔ آپا مجھے تو دونوں آنکھیں برابر ہیں۔ خلق

کا منہ کون بند کرے گا۔ دیکھنے والے تو کہویں ہی گے جس محفل میں جاؤں گی۔ جوتیاں پڑیں گی۔"

قیاس چاہتا ہے کہ اگر ماں کا بس چلتا تو وہ اپنا تو اپنا محلہ والوں تک کا اسباب بیٹی کے جہیز میں دے دیتی۔ اور بی منجھلی بیگم کا اختیار ہوتا تو پڑا لتا تو درکنار رہنے کی حویلی تک کا قبالہ لے جاتیں۔ مگر میر صاحب نے کیا غصہ۔ سنجیدہ ہوئی الگ تھلگ دونوں ماں بیٹیوں کے ارمان دل کے دل ہی میں رہے۔ لیکن منجھلی کیا چوکنے والی بشر تھیں۔ بھائی بہن کی صلاح کا رنگ دیکھ کر اس نے نکاح سے ہفتہ بھر پہلے کھانا پینا چھوڑ وہ رو رو کر خون کیا کہ سب ہی نے سمجھایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ماں میاں اور نند کے ڈر سے دل کھول کر تو کچھ نہ کر سکی۔ مگر آدھے پاؤ اونے پونے اِدھر اُدھر کتر بیونت کر کرا چھ سو روپے کی قرضدار ہو ہی گئی۔ غرض خدا خدا کر کے بی منجھلی بیگم اماں کو سدا کے واسطے سود کی لپیٹ میں ڈال اپنے گھر روانہ ہوئیں۔

چاروں چلے ماں اور خالہ ممانی اور پھوپی کے ہوئے۔ چوتھا چالہ پھوپی کا تھا اور سب کی آنکھیں اسی طرف لگی ہوئی تھیں۔ نسیمہ جیسی بیٹی کا کام اور سنجیدہ جیسی پھوپی کا انتظام جو کچھ ہوتا وہ تھوڑا۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ پھوپی بھتیجی کے سلیقے اور کام نے غضب ہی کی دھوم دھام کر دی۔ اور دسترخوان پر وہ کھانے چن دیئے کہ اچھے اچھے باورچیوں کو پرے بٹھایا۔ دو تین چیزیں تو ایسی پکائیں کہ جس نے کھائیں انگلیاں چاٹنے لگا۔ ضلعدار صاحب کی پھوپی زاد بہن تو رنگ ڈھنگ دیکھ کر بالکل ہی لوٹ پوٹ ہو گئیں۔ دونوں طرف میز پر بجلی کے لیمپ دھڑ دھڑ جل رہے تھے۔ چھت پر دائیں بائیں دو قمقمے میزوں کے بیچ میں اجلا صاف شفاف دسترخوان آدھ آدھ گز کے فاصلہ پر ایک

ایک گلاس۔ بڑی سی قوب میں سالن۔ ایک میں چاول۔ دونوں پر چمچے رکھے۔ خالی طشتریاں موجود۔ جس کو جتنی ضرورت ہوئی نکال لیا۔ باہر صحن میں مامائیں کندھوں پر تولیے ہاتھوں میں لوٹے لئے کھڑی تھیں۔ بیویاں ہاتھ دھو دھو کر دسترخوان پر آ بیٹھیں۔ تو ماماؤں نے اُجلا براق تولیے کی شکل کا کپڑا سب کے آگے ایک ایک رکھ دیا۔ کہ گردن میں لگالیں تاکہ کپڑے داغ دھبے سے خراب نہ ہوں۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر اکثر دیکھا ہے چکنا ہاتھ لگا اور تمام پانی میں ترمرے پڑ گئے۔ گِھن کے علاوہ ایسا پانی پیتے ہی کھانسی ہو جاتی ہے۔ سنجیدہ نے خوب کیا کہ ہر بیوی اپنے اپنے پانی کی ذمہ دار۔ ایک ایک صراحی گلاس سب کے آگے۔

(۲۳)

چالا تو ایسا ہوا کہ دونوں پھوپی بھتیجیوں کی واہ واہ ہو گئی۔ منجھلی کے بیاہ کو کچھ ساڑھے چھ مہینے ہوئے ہوں گے۔ جاڑے کے دن تھے۔ گھر کی قدیم ماما بڑھیا تو تھی ہی ادھر تو پڑی سردی اوپر سے مہاوٹ ساٹھ باسٹھ برس کی عمر ہمت ٹوٹ گئی۔ ایسی نمک حرام تو نہ تھی کہ عمر بھر کا ٹھکانہ بڑوں کا ساتھ آنکھوں پر ٹھیکری دھر الگ ہو جاتی۔ منت سے کہنے لگی "بیگم پڑ جاؤں گی تو اتنے سے بھی جاؤں گی۔ کہو تو کل سے نواسی کو بھیج دیا کروں۔ اور سب کام تو کرے گی۔ ہاں اتنا ہے کہ سالن تم بگھار لیا کرنا۔ روٹی اس کے ہاتھ کی بجار ہی ہوتی ہے۔ پکاتے پکاتے ٹھیک ہو جائے گی۔"

بڑی بی نے تو آج کہا سنجیدہ پندرہ دن سے کہہ رہی تھی کہ اس کڑکڑاتے جاڑے میں ڈیڑھ کوس سبزی منڈی سے صبح نماز کے وقت بڑھیا کا آنا۔ اور چھ گھڑی رات کی توپ چلے جانا۔ خدا خیر کرے مہینہ کی مرتی آٹھ ہی دن میں ٹیں ہو جائے گی۔ پھر ایسی نمک حلال ماما چراغ لے کر ڈھونڈو تو میسر نہیں۔ نواسی

کے آنے پر فوراً راضی ہو گئی۔ لڑکی نے دوسرے دن فجر ہی آ جھاڑو تو خیر خاصی دی۔ بچھونا بھی صفائی سے تہ کیا۔ مگر آٹا گوندھنے بیٹھی تو اِدھر تو ہاتھ کی تمام چوڑیاں لت پت اُدھر کونڈے کے چاروں طرف گھیرا بنا ہوا۔ گوندھا تو ایسا کہ گٹھلیاں پڑی ہوئی۔ کھیری پھٹی ہوئی۔ نسیمہ دُور سے بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ ہنستی ہوئی پاس آئی اور کہنے لگی۔

"بوا یہ آٹا گوندھا ہے۔ ذرا چوڑیاں تو دیکھو۔ اور گرا یا کیوں ہے۔ سنّو اس کا قاعدہ یہ ہے۔ پہلے کونڈے کو دھو دھلا صاف کیا پھر آٹا ڈال کر سوندھا ذرا جاندار ہاتھوں سے مُکّی دی۔ ٹھہرنے پر آ گیا تو ہتھیلی دی نہیں تو کھیری پھٹ گئی۔ جائے گی۔ تم نے ہتھیلی تو دی نہیں۔ برابر مُکّی دیتی رہیں۔ جب ہی کھیری پھٹ گئی۔ لاؤ میں ٹھیک کروں۔ دیکھو ٹھہرا دیتیں تو اس طرح گُلگلے پڑ جاتے اب اس آٹے کی روٹیاں پکاؤ۔ کیسی چپاتی پکتی ہے۔ ایک وہ تمھارا آٹا تھا۔ کہ موٹے موٹے ٹکڑ بھی نہ اُترے۔ جاؤ توا دھو کر چولھے پر رکھو اور روٹی ڈالو دیکھوں کیسی پکاتی ہو۔ جیسا آٹا گوندھا۔ ایسی روٹی نہ پکاتا۔ ذرا ہاتھ ٹھہرا کر ڈالنا۔ بہنا گھر نہیں ہے۔ کہ سایجھ سو بھر پکا کر الگ کرو۔ آٹے پر صافی ڈھانک لو نہیں تو پپڑا جائے گا۔ لو اب تم روٹی ڈالو بسم اللہ کر کے۔ پیڑا اُلٹے ہاتھ پر! کیا کرتی ہو۔؟ سیدھے ہاتھ پر رکھو واہ یہ پیڑے بنا رہی ہو ذرا گول بناؤ۔ خشکی لو کم اور چنگیری کرو ٹھیک، اس زور سے تھپ تھپ کہ روٹی بھی پھٹ جائے۔ ذرا آہستہ۔ آنچ تم نے اتنی کر رکھی ہے کہ اس توے پر سے لال چتی کی روٹی اُتر ہی نہیں سکتی۔ شاباش ہے۔ اسی ہاتھ سے اُپلے اُسی ہاتھ سے روٹی اور یہ کیا عقلمندی ہے روٹی پکا کر کھلی ڈال رہی ہو کہ سُوکھ کر کھڑنک ہو جائے۔ دسترخوان میں رکھو کہ نرم بھی رہے اور گرم بھی رہے۔ لو اب تم دیکھو اور میں پکاؤں۔ پہلے تو یہ روٹی رکھنے کی چنگیر

جو پیڑھی پڑنگی پڑی ہوئی ہے۔ سیدھی کر کے رکھو۔ دسترخوان آدھا اس میں بچھایا، آدھا روٹیاں ڈھانکنے کو اوپر رکھا آٹے کے کونڈے پر سینی ڈھانک آٹھ دس پیڑے توڑ کر سینی پر رکھ لئے۔ جب پک گئے پھر اور توڑ لیں گے۔ یہ جو الاؤ کا الاؤ چولہے میں لگا ہوا ہے۔ اس میں جو روٹی پڑے گی وہ جل کر خاک ہوگی۔ روٹی ہمیشہ دھیمی آنچ پر اچھی ہوتی ہے۔ دیکھو یہ پیڑے گول ہیں یا نہیں؟ خشکی نہ اتنی زیادہ نہ ایسی کم۔ معمولی سُرکی ہے۔ دیکھو کیسی چنگیری آرہی ہے۔ پورے پورے ہاتھوں سے بیلو۔ کتنی پھسلی ہیں۔ اس میں مشکل ہی کیا ہے۔ اب پلٹتی ہوں۔ لو دیکھو، آنکھیں کھول کر کہیں سے جلی جھلسی تو نہیں ہے۔ بادامی چتی کی۔ خبردار جواب روٹی پکانے میں اُپلوں کو ہاتھ لگایا۔ وہی ہاتھ گوبر کو وہی آٹے کو۔ گھن نہیں آتی۔؟ کرسی کا بھورا ابھی آٹے میں پڑ گیا۔ تو لگی لگائی قیمت غارت اور پکا پکایا حرام۔ لاؤ اب دو روغنی روٹیاں پھوپی اماں کی اور ایک پراٹھا اپنا پکا لوں۔ اس کٹورے میں گھی نکال لو پہلے روغنی پکا لوں۔ دیکھو گھی پگھلا کر آٹے کا پیڑا اس میں ڈال کر منھ لیا۔ سب گھی پیوست ہو گیا۔ اس کو بہت نہیں پھیلاتے روغنی روٹی ذرا گدری اچھی ہوتی ہے۔ آنچ بھی دیکھو ذرا دھیمی کر رہی ہوں۔ تیز میں ناس ہو جائے گا۔ اچھا یہ تو دونوں ہو گئیں۔ اب پراٹھا رہا۔

پراٹھا تین وضع کا ہوتا ہے۔ بلدار۔ پرت دار۔ ٹکیہ کا پہلے تم کو پرت دار بتاؤں۔ دو چھوٹے چھوٹے پیڑے لئے بیچ میں گھی لگا کر دونوں کو اوپر نیچے رکھ لیا۔ اسے لو اب چنگیری بنا کر توے پر ڈال کیا۔ پگھلا ہوا گھی پاس رکھا ہے۔ تھوڑا تھوڑا سا لگاتے گئے چتی لگ گئی۔ اب پلٹ لیا۔ اس میں گھی کم لگتا ہے۔ اس کے چاہے جتنے پرت کر لو۔ یہ تو دو ہیں چاہے چار کرو۔ لاؤ ایک بل دار بھی تمھارے سامنے پکاؤں دیکھ رہی ہو نا؟ گھی اور نکالو۔ اس

میں گھی بہت لگتا ہے۔ دیکھو ذرا سا آٹا رکھا۔ اس میں گھی لگایا۔ پھر آٹا رکھا اور پھر لگایا کم سے کم پانچ دفعہ گھی لگاتے گئے اور آٹا رکھتے گئے۔ دیکھو اب اس کا اس طرح پیڑا بناتی ہوں۔ بن گیا۔ اب بل بنا یا اس طرح مروڑی دے کر سانپ کی طرح اب پھر اس کا پیڑا بناؤ۔ اور توے پر روٹی کی طرح پھیلا کر ڈالو۔ بیچ میں چھید کر کے گھی لگاتی جاؤ سمجھ گئیں۔ ۹ یہ دو دفعہ کے ہو گئے۔ اب ایک ٹکیہ کا اور رہا وہ بھی ایسا ہی ہے۔

خیر تم اب مصالحہ پیسو میں تمہارے سامنے گوشت بگھار دوں۔ آٹے کی طرح ناس نہ کر دینا کہ آدھا گرے اور آدھا پسے۔ یہ ساری گرہ ہلدی کی پیس رہی ہو۔ واہ آدھ سیر گوشت میں اتنی ہلدی۔ پاؤ گرہ لو جتنی ہلدی کم ہو گی اتنا ہی سالن آب دار ہو گا۔ ہلدی پیس کر دھنیا لو۔ پسا ہوا دھنیا ہمارے ہاں نہیں آتا۔ برابر کی بھوسی ملی ہوتی ہے۔ اتنا نہ لو بس سوا پیسہ بھر اس پیالہ میں پانی بھر کر سل کے پاس رکھ لو۔ ذرا ذرا سا ڈالتی جاؤ اور پیستی جاؤ۔ زور زور سے رگڑو۔ پولے ہاتھوں تو شام تک بھی مہین نہ ہو گا۔ اب کیسا سرمہ سا مہین ہوا ہے۔ چلو مرچیں لو دیکھو کیسی سرخ ہیں۔ بتاؤ کہاں کی ہیں۔ پٹنہ کی ہیں۔ کتنی لے رہی ہو۔ چودہ لو۔ بھنڈیاں بھی تو ہیں۔ ترکاری نہ ہوتی تو گیارہ بہت تھیں لہسن لو جوئے کیا کرو گی۔ پوری گٹھی لو۔ اور ایک گٹھی پیاز کی بھی۔ یہ مصالحہ کی پیالی ہے۔ پیس چکو تو اس میں اٹھا لینا۔ اچھا اب مصالحہ تو پس گیا۔ اٹھو پتیلی چولھے پر رکھو۔ گھی آدھ پاؤ پڑے گا۔ یہ بڑا چمچہ ہے دو ڈال دو۔ یہ پیاز کی گٹھی لو۔ کتر کر ڈال دینا۔ بیچ کی راس کی ہے۔ نہ بڑی نہ چھوٹی۔ ڈال دی۔ دیکھو لال ہو گئی۔ اب آدھی پیاز نکال کر باقی آدھی میں سارا مصالحہ ڈال دو۔ اور ہاں بی تم ذرا سی نمک تو ڈالو۔ بس ہاں کوئی تولہ بھر ہو گا۔ اچھا اب مصالحہ بھون لو

جب دانہ پڑ جائے تب گوشت ڈال دینا۔ ذرا گوشت گھنتی جانا اور چلّو چلّو بھر پانی ڈالتی رہنا کہ بساندا پانی مرتا جائے۔ بس بھر شوربے کا پانی ڈال دو۔ پیاز جو رکھی ہے۔ نکال کر وہ بھی پڑے گی۔ پھر چمچہ یا کفگیر چلانے کی ضرورت نہیں۔

ایک ترکیب سالن پکانے کی اور بھی ہے۔ یاد رکھنا وہ بھی بتا دیتی ہوں۔ سادہ سالن ہو تو ہلدی کی ضرورت نہیں۔ آدھ سیر گوشت ہے تو ایک گٹھی پہلے لہسن کی پیسی۔ پھر پیاز کی۔ دونوں کو الگ اٹھا لیا۔ پھر دھنیا اور مرچیں پیسیں۔ پیاز ڈال کر پتیلی میں الگ داغ کیا۔ اور پھر نکال کر لہسن پیاز جو پیس کر رکھ چھوڑی ہے۔ خواہ دونوں چیزیں پسی ہوئی ہوں۔ یا فقط لہسن ہی ہو۔ اس کو گھی میں بھونا۔ پھر گوشت ڈالا اور بھوتا بھن گیا تو وہی کالی مرچیں لونگیں ادرک ڈالو۔ مرچیں اور دھنیا ڈالو دانے دار ہو جائے تو پانی ڈال دو۔ گوشت گل جائے تو حساب پر اتار لو۔ یہ تو خیر معمولی سالنوں کی ترکیب تھی۔

ایک قسم کا سالن ہمارے ہاں اسٹو پکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ آدھ سیر گوشت ہے تو پہلے گوشت کو اچھی طرح دھو کر پتیلی میں ڈالا گیارہ مرچیں ایک چھوٹی گٹھی ادرک اور لہسن کی۔ ایک پیاز کی مگر خاصی بڑی۔ لونگیں کالی مرچیں نمک۔ یہ سب مصالحہ تو کترا ہوا یعنی ادرک اور لہسن پیاز پتیلی میں ڈال دیا۔ پھر پسا ہوا مصالحہ لیا کوئی تین پیسہ بھر دھنیا۔ پانچ مرچیں لہسن اور پیاز تین چھٹانک کے قریب دہی میں پانی بھی ہو تو اچھی بات ہے۔ سب چیزیں ڈال کر چپنی رکھ آٹے سے منہ خام کر دو۔ اور دھیمی آنچ پر رکھ دو۔ اگر کوئلہ کی آگ ہے۔ تو اور بھی اچھی ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹہ کے بعد اتار لو۔

کھانا پک کر تیار ہوا تو نسیمہ نے ماما کی نواسی سے کہا۔

"لو اب برتنوں کی ٹوکری سنبھالو۔ سب دُھلے دُھلائے مجھے

منجھائے رکھے ہیں۔ ایک دفعہ اور ہاتھ پھیر لو۔ چینیوں کو دیکھ لو۔ راکھ واکھ نہ لگی ہو۔ پہلے برتنوں کی ٹوکری لے جاکر رکھو۔ پھر پانی کی دونوں صراحیاں بھری رکھی ہیں۔ ایک میں تازہ پانی ہے۔ اور ایک میں باسی اوپر کٹورے ڈھانک دینا۔ چھینکے پر سے دسترخوان اتار لو۔ روٹی کی چنگیری رکھ کر پھر پتیلیاں پہنچاؤ۔"

نواسی کھانا پہنچا چکی تو نسیمہ نکالنے بیٹھی مگر کس طرح کہ سالن چھ طشتریوں میں اور سب یکساں۔ پتیلی کو ٹیڑھا رکھ سامنے کر نکالتی رہی۔ اور آ گئے۔ کے گھی میں سے ایک ایک چمچہ سب کے ہاں ڈال دیا۔ یہ نہیں کہ آنکھیں بند کر کے کفگیر مارنے شروع کئے۔ اور پہلے ہی سالن میں تار ختم۔ پتیلی میں نیلا پانی چھوڑ دیا۔ گرمی زور شور سے پڑ رہی تھی۔ کھانے سے فراغت پا، برتن بھانڈا آگے سے ہٹا ہٹو سب اندر کمرے میں چلے گئے۔ نواسی پنکھا جھلنے بیٹھی۔

جب تک منجھلی موجود رہی بھلی تھی یا بری تھوڑا یا بہت ہمیشہ نہیں کبھی، روزمرہ نہیں کبھوے لبرے، ماں کا ہاتھ بٹا لیتی تھی۔ بچو ہر با سگھڑ جیسی بھی تھی اور جو کچھ بھی تھی، مگر ایک سے دو تھیں۔ بیٹی کا منہ ادھر موڑنا تھا۔ کہ گھر کے کام دھندے سب ماں ہی کے سر آ پڑے۔ جھاڑو اور بہارو، صفائی اور ستھرائی۔ اوڑھنا بچھونا، سینا اور پرونا۔ ایک جان اور ہزاروں بکھیڑے! صبح سے رات ہو جاتی۔ گھر کا بچہ بچہ سو جاتا۔ اور اس کمبخت کو کمر سیدھی کرنی نصیب نہ ہوتی۔ ایک کام کو اٹھتی اور دوسرا کام اینڈ۔ مصالحہ پیسا تو چولھا اوندھا۔ پانی گرم کیا تو روٹی ٹکڑا ہٹے۔ ماما جب بھی تھی۔ اور اب بھی۔ مگر بیٹی ہوئی رخصت، ماں کی آنکھ میں مروت کام کرے اس کی جوتی۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ باتونی پرلے سرے کی تھی۔ ایک ذکر چھیڑ کر دنیا بھر کے قصے سن لو۔ غرض بیچاری کو چار ہی دن میں زندگی وبال ہو گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ

بچے کیسی غضبی اور ہار دنی کہ الٰہی توبہ بچھونے سے روتے اُٹھے اور روتے ہی سوئے۔ دیورانی نند اور آٹھ آٹھ دن آنے کی فرصت نہ ہو۔ کئی دن سے ارادہ کر رہی تھی۔ آج دودھ پیتے بچے کو گود میں لے یہاں آئی۔ نکلنا تو در کنار ابھی پوری طرح بات بھی کرنی نصیب نہ ہوئی تھی کہ بچے نے بلکنا شروع کیا۔ بہتیرا چمکارتی ہے، پیار کرتی ہے۔ بہلاتی ہے ڈراتی ہے۔ مگر وہ کس کی سنتا ہے۔ آواز ہے کہ کان کے پار۔ نگوڑی گندی بوٹی کا لب باندہ شوربہ۔ وہ ناک چنے چبوائے کہ ماں کو دم لینا وبال ہو گیا۔ سینیاں بجائیں، پٹاری کھنکھٹائی۔ کنڈیاں ہلائیں۔ برتن بجائے مگر بچہ کیا ایک آفت تھا کہ لمحہ بہ لمحہ زیادتی تھی۔ نسیمہ کچھ دیر تو چپکی بیٹھی دیکھتی رہی۔ جب دیکھا کہ ماں ہلکان ہوئی جاتی ہے۔ اور بچے کی چیخم دھاڑ کسی طرح نہیں تھمتی تو اٹھی، بھائی کو گود میں لیا اور کندھے سے لگا ٹہلنے لگی۔ مگر وہ کیا قابو میں آنے والا تھا۔ بالیاں ہاتھ میں آ گئیں رکھ کر گھسیٹا ہے تو سارا کان لہو لہان! ایک تو پہلے ہی سے دکھ رہا تھا۔ اس وقت تو بیچ بیچ ہی جان نکل گئی۔ غضب یہ ہوا کہ چھوار کا گرنٹہ۔ گودنے الجھ گئی اور ایسی الجھی کہ بہترا سلجھایا نہ سلجھی۔ پھوپی نے اٹھ کر بالی چھڑائی۔ بچہ کو لے کر ماں کو دیا۔ کان دیکھتی ہے تو تھل تھل خون بہہ رہا ہے۔ نل میں سے پانی بھر تلتی ڈالی اور کہنے لگی۔

"ایسی بے خبر لڑکی بھی تو ج ہو۔ آج بارہ تیرہ دن سے کان پک رہا ہے۔ روز جھینکتی ہوں کہ بُھنے ہوئے مصالحہ میں سے ذرا سا لے کر روئی کی پھریری سے کان پر لگا لے۔ مگر کون سنتا ہے۔ کل تو میں نے ٹھنڈے پانی سے دھو کر مرچوں کے بیچ پیس کر لگا دیئے تھے۔ آج میں بھول گئی۔ بیٹی، بچہ کو لیا تھا تو آنکھیں کھول کر لینیں۔ ایسے اندھے پن سے لینا کیا ضرور تھا کہ جان بوجھ کر کان اس کے آگے کر دیا۔ دھویا گھی اور سیندور چار دن سے پڑا جھک مار رہا ہے۔ ایک دن بھی لگانا نصیب نہیں ہوا۔"

اِدھر دُنیا کان کا ہو تھا۔ اُدھر خدا خدا کر کے بچہ کی آنکھ لگی تو دونوں نند بھاوجیں گاؤ تکیہ پر سر رکھ لیٹ گئیں۔

نسیمہ نے ماما کی نواسی سے کہا "کیوں بھئی تم کو پلاؤ اور میٹھے چاول پکانے آتے ہیں۔"؟

نواسی کچھ دیر تو چپکی رہی اور پھر کہنے لگی۔

"ہاں دو ایک دفعہ پکائے ہیں" ترکیب پُوچھی تو اس نے انٹ سنٹ جواب دینے شروع کئے۔

نسیمہ نے کہا "میں تم کو پہلے پلاؤ کی ترکیب بتاتی ہوں۔ سنو پلاؤ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یخنی کا۔ ایک قورمہ کا۔ سو یخنی کا تو اچھا ہوتا نہیں۔ قورمہ کا یوں پکتا ہے۔ سیر کا حساب بتاؤں۔ چاولوں کو دھو کر بھگو دیا۔ دو گٹھیاں بڑی لہسن کی۔ دو پیاز کی۔ تھوڑی سی ادرک سا پیس کر الگ رکھ لی۔ گھی جتنا ڈالو کچھ نہیں سیر بھر میں آدھ پاؤ تو ہو۔ پیاز ڈال بگھار لیا۔ پیاز سرخ ہو گئی تو نکال کر وہ لہسن پیاز جو رکھا ہے۔ وہ ڈال دیا۔ کوئی پندرہ ایک لونگیں۔ چار پانچ چھوٹی الائچیاں چھلکوں سمیت اس گھی میں بگھار دو۔ سرخ ہو جائے تو اب گوشت دھو کر ڈالو اور بھون لو۔ پھر کوئی تین آبخورے پانی ڈال کر چاول ڈالدو اور آنچ کردو۔ چاول گل جائیں گے۔ دم دیدو۔ پلاؤ ہو گیا۔

میٹھے چاول تو آسان ہیں۔ ان میں گوشت کا جھگڑا نہیں۔ گھی کڑکڑا کر لونگیں بڑی الائچیاں ڈالیں۔ لونگیں سرخ ہو گئیں۔ چاول ڈال دیئے دو تین دفعہ چاولوں میں چمچہ یا کفگیر چلا کر اتنا پانی ڈال دیا کہ ایک کنی باقی رہ جائے۔ یعنی سب چاول ذرا کمی کے ساتھ گل جائیں۔ پانی خشک ہو گیا تو کھانڈ ڈال دی اور دم پر چھوڑ دیا۔ آنچ ہلکی کر دی۔ یہ میٹھے چاول ہو گئے۔

"اچھا بی نواسی تم کو مچھلی کا کانٹا گلانا آتا ہے ؟"

نواسی :- "اچھی بیگم تم کو آتا ہے مجھ کو بتا دو۔ اگلے برس حکیم جی کے ہاں بیری ماں بھی مچھلی کا کانٹا گلانے کے سب ہی جتن کئے۔ زرد کوڑی ڈالی۔ کہیں قلعی کا چونا۔ مگر کانٹا تو گلا نہیں۔"

نسیمہ :- "یہ بھی کوئی بڑی بات ہے۔ جب ادلے بدلے ہیں۔ ان کو اٹھا کر ان چاولوں میں بھگو دو مگر چاول پرانا اور اچھا ہو۔ چار روز تک بھیگے رہیں۔ اچھی طرح پانی پی لیں۔ ان کو نکال کر چھاؤں میں سکھا لو اور رہیں کر رکھ لو۔ جب مچھلی پکانا ہو۔ تھوڑے سے برگ دیئے۔ اور پتیلی کا منہ خام کر کے دھیمی آنچ کر دی۔ دوپہر تک پکتی رہی۔ پھر اتار کر دیکھنا۔ ہڈی اور کانٹا سب گل کر آٹا ہو جائے گا۔"

نسیمہ بات ختم کر چکی تو لڑکے نے بازار سے پان لا کر دیئے۔ نواسی سے کہنے لگی۔ "دھو کر پٹاری میں رکھ دو۔" لڑکی شریر تو معلوم ہوتی نہ تھی یا بھول گئی۔ یا سنا نہیں۔ پٹاری کھول لگنی میں پھینک آ بیٹھی۔ تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ نماز کا وقت آیا تو نسیمہ نے وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ پڑھ چکی تو نواسی سے کہا۔ اچھی ایک ٹکڑا پان لا دو۔ لڑکی پان بنا کر لائی۔ نسیمہ کھاتی ہے۔ تو چونہ تیز۔ کتھے کا پتہ نہیں۔ کرکراہٹ ہے وہ الگ۔ پٹاری کھول دیکھتی ہے تو صافی کہیں۔ پان کہیں۔ کتھا چونہ ملا۔ چھالیہ میں زردہ۔ زردہ میں چھالیہ۔ کہنے لگی "لو ایک دفعہ کے ہاتھ لگانے میں یہ گت کر دی کہ دیکھنے کو جی نہ چاہے۔ سلیقہ اس کا نام ہے۔ پٹاری صاف ستھری، لگتی اجلی۔ طباق رکھے ہوئے۔ تھالی دھلی ہوئی۔ چمچیاں سرونہ سب ٹھیک۔ سر پالوں کو دھویا نہ دھلایا۔ یونہی پھینک آ بیٹھیں۔ میں نہ دیکھتی تو شام تک سب مر جاتے۔ چاہیئے یہ تھا کہ دھو کر صافی میں اچھی طرح لپیٹ لگنی میں رکھتیں۔ تم نے تو بیگار سمجھ کر ٹال دی۔ اسی واسطے پھوپی اماں پٹاری کسی کو چھونے نہیں دیتیں۔ صاف اجلی کر دی کتھے چونے کے

ڈبیوں میں غارت ہوگئی۔ اتنی ساری کتری ہوئی چھالیہ سب یونہی گئی۔ آخر میں بھی تو روز بناتی ہوں مجال ہے کبھی چھالیہ میں زردہ کا ایک پھول تو پڑ جائے۔ اگر کوئی لے زردہ کھانے والا آ گیا۔ تو اچھی خاطر ہوئی ایسی تواضع کو سلام کہ پان کھاتے ہی سر چکرانے لگا۔ ایک تو تم کبھی بھول کر بھی چھالیہ کی ڈبیاں نہ رکھنا۔ پھوپی اماں بہت ہی بگڑتی ہیں۔ اور مجھے بھی زہر معلوم ہوتا ہے کہ پان بنا سوکھ رہا ہے۔ اور بیٹھے چھالیہ کترتی رہتی ہیں۔ صبح دوپہر شام جب فرصت ہوئی بیٹھ کر دو چار ڈلیاں کتر لیں۔ ڈبیہ ہر وقت کتری ہوئی چھالیہ سے بھری رہنی چاہیئے۔ ایک پان میں تم نے پٹاری کا ناس کیا۔ پانوں کا مزاج تو آدمیوں سے بھی نازک ہوتا ہے۔ بہت سے اوپر نیچے رکھو پانی میں ڈال دو۔ گل جائیں گے۔ نہ ڈالو سوکھ جائیں گے۔ چاہیئے یہ کہ صافی تر رہے۔ پانی نہ بہت زیادہ ہو نہ بہت کم۔

بی لو اسی پان بنانا بھی کوئی آسان کام نہیں۔ خدا نہ کرے کہ کسی پھوہڑ کے ہاتھ کا پان کھانا نصیب ہو۔ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ صافی سے پان کو خوب اچھی طرح پونچھ لو تا کہ رگ رگ کی کرکراہٹ نکل جائے۔ اوپر کی نوک پیچھے کی جڑ توڑ دینی چاہیئے۔ پہلے چونہ لگاؤ۔ پھر کتھا اور یہ دیکھ لو کہ چونہ کتھے سے زیادہ نہ ہو کہ منہ کے ٹکڑے ہو جائیں۔ کتھہ بھی اتنا زیادہ نہ ہو کہ منہ کسیلا ہو جائے۔ اس کے بعد چھالیہ ڈال کر گلوری بناؤ۔ مرولنے میں چھالیہ برائے نام ڈالنی چاہیئے۔ اب تھالی کو صاف کر دو اور الگ کونہ میں زردہ رکھ کر دے دو۔ میں نے بہت سی جگہ دیکھا ہے کہ کتھہ اور چونہ چھانا نہ پھٹکا۔ اٹھایا کلیوں میں بھر دیا۔ برابر کی کرکراہٹ موجود کہ دانت نہ دیا جائے۔

ایک عیب پان کھانے والوں میں دیکھا ہے کہ انگلی سے پونچھا اور دیوار سے مل دیا۔ تم ہی خیال کرو۔ کیسی بدتمیزی کی بات ہے۔ پان کھانے میں یہ

ایک یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ پان کھول کر یہ دیکھ لیں۔ ممکن ہے غلطی سے زردہ پڑ گیا ہو یا چونہ زیادہ ہو تو خواہ مخواہ کی تکلیف بھگتنی پڑے۔ کسی غیر آدمی کو پان دو۔ تو اگالدان بھی رکھ دو کہ تھوکنے کی دقت نہ ہو۔"

(۲۴)

انسان مرد ہو یا عورت بڈھا ہو یا جوان آنکھیں کھول کر دیکھے قدرت نے کیسے کیسے سامان مہیا کر دیئے۔ صبح دوپہر شام رات۔ جاڑا پالا۔ برسات۔ آم۔ خربوزے جامن۔ انار۔ گیہوں۔ باجرہ۔ مونگ۔ جو اور بے شمار نعمتیں ہیں۔ جو اس پروردگار نے اپنے بندوں کو عطا فرمائیں۔ پھول کی ایک ایک پنکھڑی اور درختوں کا ایک ایک پتہ زبردست شہنشاہ کی حکومت کا پتہ دے رہے ہیں۔ چاند سورج زمین آسمان جنگل پہاڑ دریا۔ میدان قدرت کا جلوہ ہر جگہ چمک رہا ہے۔

صبح کی نماز پڑھ کر ایک روز سنجیدہ اپنی چھوٹی سی کیاری کی دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ خوش رنگ پھولوں کے گملے چاروں طرف رکھے ہوئے تھے۔ گلاب کے ایک پودے پر نگاہ پہنچی۔ پتلی سی شاخ سرے پر پھول۔ ہوا کے جھونکے سے دوہری ہوئی جاتی تھی۔ دیکھتی رہی اور دیکھتے دیکھتے کہنے لگی۔

"خدا کی شان ہے۔ مہینہ بھر بھی تو نہیں ہوا بیج ڈالے، آٹھ دس روز میں پھوٹ نکلے۔ پندرہ بیس روز میں پودا ہو گیا۔ کونپلیں آئیں۔ کلیاں نکلیں، سبحان اللہ تیری قدرت آج پھول کھل رہے ہیں۔"

کل ہی کا تو ذکر ہے نسیمہ بنگالے کی مینا چاروں طرف باتیں ملکاتی پھرتی تھی۔ آج ماشاء اللہ دوسروں کو سبق دے رہی ہے۔ صفائی ستھرائی۔ شرم و حیا۔ رحم ملنساری خوف خدا غرض وہ سب صفتیں جو لڑکیوں کا سچ مچ زیور ہیں۔ کنوارپنے میں حاصل ہو گئیں۔ کھانا پکانا، سینا پرونا کیا کام تھا جو اسے نہ آتا ہو۔ ادب لحاظ سلیقہ۔ اطاعت،

کون سی خوبی تھی جو اُس میں نہ ہو۔ ماں اور پھوپی جو چاہتیں کہیں اور وہ چپکی بیٹھی سنتی۔ کیا مجال جو نیچی سے اونچی نگاہ کرکے یا آنکھ ملا کر جواب دیدے۔ ناممکن تھا کہ کوئی سچا حاجتمند اس کے دروازے پر آئے اور خالی چلا جائے۔ مشکل تھا کہ اس کے ہاتھ سے آدمی تو آدمی کسی جانور کو بھی تکلیف پہنچ جائے۔ تو دس برس کی جان جیٹھ بیساکھ کی گرمی اور تیسوں روزے۔ چلّے کا جاڑا اور صبح تا وقت نماز اور قرآن۔ چھوٹوں سے جی بڑوں سے جناب۔ ہمسایوں سے سلوک بزرگوں کا ادب۔ رحم کی نظر۔ میٹھی زبان۔ برابر والوں سے محبت۔ چھوٹوں پر مہربانی۔ ہاتھ کی سچی۔ دل کی اچھی۔ تمکنت نہ غرور۔ شیخی سے الگ۔ نخوت سے دور۔ نسیمہ ایک قسم کا فرشتہ تھی کہ بڑی بڑی ایمان والیاں اس کے دامن پر نماز پڑھیں۔ محلے کے لئے سبق، کنبہ کے لئے نمونہ، خاندان کے لیے ایک مثال تھی۔ دور دور کی لڑکیاں اور بوڑھی بوڑھی عورتیں اس سے صلاح لیتیں اور وہ بتاتی۔

اتفاق یہ ہوا کہ ایک دن دوپہر کے وقت پھوپی بھتیجی بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔ سنجیدہ کی نظر بھتیجی کی جوتی پر پڑی۔ نہ جوتی ایسی پرانی تھی نہ نسیمہ ایسی بدتمیز۔ مگر خدا جانے کیا ہوا اور کیوں کر ہوا۔ دایاں بایاں دونوں پیر الگ اور ٹیڑھے بدصورت اور بے ہنگم۔ کھانا کھا چکی تو سنجیدہ نے کہا۔

"بیٹی! یہ تو میں نے آج ہی دیکھا۔ انگریزی میں تو سنا تھا۔ ہندوستانی میں دایاں بایاں آج ہی دیکھا۔ دلی کی سلیم شاہی پندرہ بیس دن کی پہنی اور سیدھا پاؤں الگ الٹا الگ۔ تم نے آج انوکھی نہیں پہنی۔ ہم نے بہت سی پہنیں۔ اور توڑیں مگر یہ کبھی نہ معلوم ہوا کہ یہ سیدھی یہ الٹی۔ کیسی نالائقی کی بات ہے کہ ایک ہی پاؤں ڈال کر جو پہننا شروع کیا تو پھر پلٹنا قسم ہو گیا۔ ہیر پھیر کر پہننی چاہیئے۔ کبھی یہ کبھی وہ۔ ایک رخ پہنتے پہنتے تو آپ ہی جوتی کی صورت بگڑ جائے گی۔ دو چار دفعہ بے احتیاطی کی اور جوتی الٹی سیدھی ہوئی۔ پھر پلٹو گی بھی تو پاؤں کو اولوا ولو معلوم ہو گی۔ چلو جوتی کا

ناس ہوگیا۔ کبھی تم نے میرے پاؤں میں بھی دیکھا۔ تو دیکھو تین مہینے کی پہنی ہوئی ہے۔ میلی ہوگئی تو کیا شرافت تو برس رہی ہے۔ عمر بھر میں نے یہی پہنی۔ ایک دفعہ کی تو قسم کھائی نہیں وہ بھی کوئی دس بارہ دن اور خوشی سے نہیں مجبوری سے۔ گھیتلی ضرور پہنی ہے۔ ورنہ جب سے ہوش سنبھالا آج کے دم تک یہی منگوائیں۔ قسم لے لو جو کبھی انگریزی یا گول پنجہ کی پاؤں میں بھی ڈالی ہو۔ مگر بیٹی ایسے بے ڈھنگے پنے سے کبھی نہیں پہنی۔ نسیمہ بیٹی ایسی غلطی اور نسیمہ بیگم تم سے میری تو اتفاق سے نظر پڑ گئی۔ تم تو جو جوتی پہنتی ہوگی۔ اس کا یہی حال ہوگا۔ ہاں خوب یاد آیا۔ اس دن تم کیا کہہ رہی تھیں۔ کہ انگریزی جوتی ہندوستانی سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ مجھ سے پوچھو تو کیا خوبصورتی کیا آرام اور کیا صرف کسی لحاظ سے بھی میں انگریزی جوتی کو پسند نہیں کرتی۔ اس سے تم خاطر جمع رکھو۔ میں ایسی دقیانوسی خیال کی عورت نہیں ہوں کہ محض انگریزی ہونے کے سبب ناپسند کروں۔ تمہاری نانی اماں کی طرح میں یہ نہیں کہتی کہ گھر کی بہو بیٹیاں میم بن گئیں۔ مگر میں انگریزی جوتی کو ہندوستانی سے بہتر نہیں سمجھتی۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ کہ فقط اس لئے کہ انگریزی ہے پسند کرلوں۔ دونوں کا مقابلہ کرلو۔ جو خوبصورت اور آرام کی ہو وہ اچھی ہے۔ چاہے انگریزی ہو چاہے دیسی ہو۔ تم زیادہ سے زیادہ یہ کہوگی کہ ہندوستانی جوتی کا سارا تلا کیچڑ میں بھر جاتا ہے۔ اور وہ فرش پر لے جانے کے قابل نہیں ہوتی۔ یہ نقص تو انگریزی میں بھی موجود ہے۔ کم ہو یا زیادہ، مگر ہے تو سہی۔ تمہارے دل میں اس وقت یہ ہوگا۔ کہ پھوپی اماں اس دن کے وعظ میں جو سن آئی ہیں۔ کہ "جو شخص جس قوم کی نقل کرتا ہے۔ وہ اسی سے ہے۔" اس لئے بُرا کہہ رہی ہیں۔ سو بیٹی یہ بات نہیں ہے۔ اس کے متعلق تو میں کل ہی ایک ایسے شخص کی رائے پڑھ چکی ہوں جو مجھ سے اور تم سے اور خود مولوی صاحب سے بھی ہزار درجہ لائق ہے۔ یعنی امام غزالیؒ اپنی کتاب احیاء العلوم میں جس کا اُردو ترجمہ میں

آج کل دیکھ رہی ہوں۔ اچھی طرح صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی قوم میں کوئی اچھی بات موجود ہو تو اس کو نہ اختیار کرو۔ نہ اس کا یہ نشا ہے کہ لباس خوراک وغیرہ میں مشابہت نہ کرو۔ نسیمہ بیگم میں ایسے مولویوں کے ڈھکوسلے میں آنے والی نہیں جو اپنے حلوے مانڈے سے کام رکھیں۔ قوم چاہے کل کی ڈوبتی آج ڈوب جائے۔ مگر بیٹی! بُرا مانو یا بھلا مجھ کو جیسا بھرا بھرا پاؤں ہندوستانی جوتی میں معلوم ہوتا ہے۔ انگریزی میں نہیں معلوم ہوتا۔ انگریزی پر کیا موقوف ہے۔ گول پنجہ کی جوتی سے میں اور بھی زیادہ جلتی ہوں۔ نہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ سلیم شاہی جُوتی اٹھاتی اور بھدّی کرلی۔ مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گی۔ کہ کنواری بیٹیوں کو بہت بننا سنورنا اچھا نہیں۔ اور میں تو یہ بھی کہوں گی کہ کنواری لڑکی سلمہ ستارے کی سلیم شاہی جوتی میں لٹکائے پھرے اس سے تو انگریزی ہی اچھی۔ وہ ترک بھڑک تو نہ ہوگی۔ مگر تمھاری اس ایک پھول کی جوتی سے تو میں کیوں ہی اچھا سمجھنے لگی لیکن سلمہ ستارے کے مقابلہ میں تو وہ ہزار درجہ بہتر۔ جب خدا وہ دن لائے گا کہ یہ روک ٹوک نہ رہے۔ اس وقت جو بات ڈلاسی جوتی میں ہوگی انگریزی کے باپ کو بھی نصیب نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ کھائے من بھاتا، پہنے جگ بھاتا۔ چیز پہنے تو ایسی جو دیکھنے والوں کی آنکھ میں کھُپ جائے۔ تب تو یہ جانو قیمت وصول ہوئی۔ دام بھرپائے۔ روپیہ ٹھکانے لگا۔ انگریزی ہندوستانی دو جوڑے پاس رکھ کر برکھو پہن کر پوچھنا۔ پہنا کر دیکھو جو آن اس میں نکلے گی۔ اس میں کہاں۔ اب رہی اپنی طبیعت اس کا تو علاج ہی نہیں۔

(۲۵)

سنجیدہ کا لہجہ نرم تھا یا گرم مگر مضمون تھا معقول اور بات تھی درست نسیمہ زبان سے قائل نہ ہوئی تو کیا دل میں نادم ضرور ہوگئی۔ کن انکھیوں سے جوتی کو دیکھا

نظر پڑی تھی کہ تصور دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ نیچی نگاہ کر کے جو بیٹھی تو پھر آنکھ اٹھانی قسم ہو گئی۔ اتنے میں نواسی دوڑی ہوئی آئی۔ اور کہا "چھوٹی بی مٹھو مر گیا"۔ گھبرا کر اٹھی اور سٹ پٹا کر چلی۔ ڈھیلے پائنچوں کا پاجامہ پاؤں میں الجھا اور دھڑام سے گری۔ مگر طوطے کی محبت اتنی زیادہ تھی کہ اپنی چوٹ بھول بھلا اور سنبھل سنبھلا پھر چلی۔ نسیمہ کے اس طرح گرنے پر نواسی کو بے اختیار ہنسی آئی۔ مگر میاں مٹھو کی محبت نسیمہ کو کچھ ایسی غالب تھی کہ چوٹ کا خیال نہ ہنسی کی پرواہ، جا کر دیکھتی ہے تو سچ مچ مٹھو میاں ٹیں۔ سال بھر کی محنت۔ بولتا ہوا جانور دیکھ کر دم کی دم رہ گئی۔ طوطا پہاڑی تو نہ تھا مگر تھا کسی ایسے کڑوے نیم کا ایک کہنے کی دیر تھی سنی اور رٹی۔ اس غضب کا بولتا تھا کہ کیا کوئی مینا بولے گی۔ دانہ پانی روٹی ٹکڑا سب اپنے منہ سے مانگتا۔ ذرا نسیمہ ادھر سے ادھر ہوئی۔ اور اس نے چیخنا شروع کیا۔ "چھوٹی بی کدھر گئیں۔" نسیمہ خود اس پر جان چھڑکتی تھی۔ شام کو دانہ پانی کھلا پلا الگنی میں لٹکایا۔ ہوئی شام اتارنا بھول گئی۔ دو تین دفعہ تو مٹھو نے آواز بھی دی۔ مگر غریب کی تقدیر میں مرنا تھا۔ کسی نے نہ سنا۔ جاڑوں کے دن ٹھنڈک کا وقت ہوا۔ کہر۔ اوپر۔ کلیا میں پانی کی بوند نہیں۔ خدا جانے ہوا لگی یا پیاس۔ مٹھی بھر کی جان پھڑ پھڑا پھڑ پھڑا کر ختم ہو گیا۔ سنجیدہ پہلے تو نواسی کی جان کو آئی کہا۔

"یہ کیسی نالائقی کی حرکت ہے، وہ تو گری اور تو بیٹھی کھل کھل ہنس رہی ہے۔ خبر نہیں کن جانوروں میں رہی ہے کہ نام کو تمیز نہیں۔ کوئی گرے کوئی ہنسے۔ ایسی ہنسی تو چوٹیاں کھلواتی ہے۔ دوسرے کی تکلیف پر خوش ہونا آدمیت تو ہے نہیں، جانوروں کا کام ہے۔ تجھے تو چاہئے تھا کہ دوڑ کر اٹھاتی۔ ہاتھ پاؤں دباتی۔ پوچھتی چھوٹی بی! کہاں چوٹ لگی۔ افسوس کرنے سے تو گئی، الٹی باغ باغ ہو گئی۔ ایسے ہی ہنسنے کا مرض تھا۔ اور کسی طرح نہیں رک سکتی تھی تو ادھر چلی جاتی، پیٹ بھر ہنس لیتی۔ پھر آجاتی۔

ہنسنا اور منہ در منہ، بے غیرتی اسی کا نام ہے۔ تمھاری گود میں بیٹھوں اور تمھاری داڑھی کھسوٹوں۔ اگر وہ غصہ میں کچھ کہہ بیٹھتی، چوٹ لگی ہوئی۔ جی جلا ہوا۔ کوئی ایسی ویسی بات کہہ دیتی تو منہ پھلا بیٹھ جاتی۔ بیٹی تو سوچ یہ تیرا کام خفگی کا تھا یا نہیں۔؟ آج تو خیر سمجھا دیا۔ اب ایسی نالائقی نہ دیکھوں۔ میرے پاس ایسی لڑکیوں کا کام نہیں چاہے کل سے آنا یا نہ آنا"۔

سنجیدہ تو نواسی کی فضیحتی کر رہی تھی۔ اور نسیمہ بیچاری نہ گرنے کا خیال نہ ہنسنے کا ملال گم سم بیٹھی مٹھو کو دیکھ رہی تھی۔ سنجیدہ ادھر سے فارغ ہوئی تو بھتیجی کی طرف رُخ کیا۔ اور کہنے لگی۔

"ایسی بوکھلاہٹ بھی کس کام کی آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ پائنچے چھوڑ چھاڑ اٹھ کھڑی ہوئیں وہ تو خدا نے خیر کی کہ گاؤ تکیہ بیچ میں تھا نہیں تو خدا جانے آنکھ پھوٹتی یا سر پھٹتا۔ نہ بھونچال کی طرح چلتیں نہ چوٹ لگتی۔ دوڑ کر چلئے نہ گر پڑیئے۔ اسی لئے تو میں سولہ سترہ گز کے پائنچوں سے جلتی ہوں۔ فائدہ نہ حاصل صرف کا صرف اور تکلیف کی تکلیف۔ ہر وقت پائنچوں کی نوکری کیجئے۔ ایک ہاتھ تو بس اسی لئے اینڈ ہو گیا۔ ذرا چوکے اور پاجامہ کیچڑ میں لت پت مٹی میں لتھڑا پتھڑا۔ اب اس مردے کو پھنکواؤ۔ بیٹھی پنجرے کو کیا گھور رہی ہو۔ مرنا تھا مر گیا اور تمھاری جان کو دعائیں دیتا مرا۔ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو۔ کلیا کیسی خشک پڑی ہے۔ پانی کی بوند تک نہیں۔ ایک جان تمھارے ہاتھوں جاتی تھی وہ گئی۔ رات کو باہر نکل کر دیکھنا کیسا جھکڑ چلتا ہے۔ کہ قدم نہ ٹکے۔ اس پالے میں جو رات بھر بے زبان جانور باہر ٹنگا ٹنگا رہا۔ مرتا نہیں تو کیا کرتا۔ اپنی آرام کی چیز بست سب اندر پہنچائیں۔ اس کی جان سفت کی تھی اسے کیوں لاتیں۔ یہ پانچ سات بے زبان اللہ کی مخلوق تمھارے قبضہ میں ہیں۔ ان سے گھر بار چھڑا۔ ہم جنسوں سے تڑا گھر سے کوسوں دور۔ بے قصور اپنا جی بہلانے کو انھیں

قید کیا۔ تو اپنے آرام سے زیادہ ان کے آرام کا انتظام کرد۔ کھلا کر کھاتیں، پلا کر پیتیں۔ پہلے ان کو سکھ دیتیں پھر آرام کرتیں۔ ہاں یہ بدنصیب جانور تمہارے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کر گیا۔ ہوا سے بچنے کے لئے آپ پردے بھی چھوڑے۔ انگیٹھی بھی جلوائی۔ اس مظلوم کا دھیان تک نہ آیا۔ کس محبت سے کہتا تھا "مٹھو بیٹے کی بیوی۔" مٹھو میاں اپنی جان تم پر سے قربان کر گیا۔ کسی دن لحاف کا اوڑھنا بھول جاتیں تو میں سمجھتی کہ طوطے کو بھول گئیں۔ ایسا لاپرواہ مزاج تھا تو ایک جان کے پالنے کی ذمہ داری کیوں لی تھی۔ ہائے کس بھروسے اور کس برتے پر۔ اب یہ تھوڑے سے لال اور رہ گئے ہیں آج ان کو بھول جانا تو پاپ کٹ جائے۔ جاری نواسی اس کو پنجرے سے نکال باہر پھینک آ۔"

(۲۶)

دن اسی کِل کِل پٹ پٹ میں تمام ہونے آیا۔ تسنیمہ عصر کی نماز پڑھ کر بیٹھی کتاب دیکھ رہی تھی۔ دھوبن نے کپڑوں کا گٹھر آگے ڈال دیا۔ اور کہنے لگی۔

"اچھی چھوٹی بی جلدی سے کپڑے دیکھ لو۔ میرا بچہ صبح سے بخار میں بل بلا رہا ہے۔ اس کے لئے دوا لے جاؤں۔" تسنیمہ نے نواسی سے کاپی منگوائی کپڑے کھولنے اور لانے شروع کئے اور گن گن کر الگ رکھتی گئی۔ احتیاط اتنی تھی کہ ہر کپڑے کو اندر سے کھول کر دیکھ لیتی تھی کہ کوئی داغ دھبہ تو باقی نہیں رہ گیا۔ کچی چکن کا نیا دوپٹہ سوئی کا ٹانکا ٹوٹا۔ یوں کا یوں دھلنے بھیج دیا تھا۔ تہہ پر رکھتی ہے۔ تو دوپٹہ بتی بنی۔ نون باندھنے کے لائق بھی نہیں۔ دھوبن سے کہا۔ قصوروار تھی۔ منت سے کہنے لگی۔ بیگم نقصان تو بے شک ہوا میں تو روٹی پکانے میں رہی لادی کی لادی آگے پڑی تھی بیل نے چبالی۔ میرے حساب سے کاٹ لینا۔"

دھوبن کا یہ جواب سنکر تسنیمہ نے کہا "میری لگی لگائی لاگت اور خوشی تم نے سب غارت کر دی۔ کاٹوں گی تو خاک مگر رنج بہت ہوا۔ تکیہ کے دونوں

غلاف پلنگ کی چادر اور میری اوڑھنی کہاں ہے؟ ننھے کے ہاتھ بھیجی تھی۔"

دھوبن سنتے ہی قسمیں کھانے لگی کہ "میرے ہاں کوئی چیز نہیں گئی۔" اِدھر ننھا اُدھر دھوبن قسمیں کھا رہی ہے۔ وہ کہتا ہے "میں دے آیا" وہ کہتی ہے "نہیں لایا۔"

سنجیدہ بولی "بیٹی ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ کہا اپنے ہاتھ دینا۔ اور اپنے ہاتھ سے لینا۔ یہ کیسی بے عقلی ہے کہ جو ملا اس کے ہاتھ بھیج دیا۔ دیکھ لو اتنے کپڑے ہاتھ سے جاتے رہے۔"

سنجیدہ ابھی بگڑ رہی تھی کہ بھاوج کے یہاں لڑکی پوچھتی ہوئی آئی "یہ اوڑھنی چھوٹی بیگم کی تو نہیں ہے۔ بیوی کہتی ہیں۔ میرے ہاں تو رنگ کی اوڑھنی کسی کی نہیں ہے۔" نسیمہ نے اوڑھنی لے کر غور سے دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔

"پھوپی اماں ذرا آپ دیکھئے میں تو جانوں میری نہیں ہے۔"

سنجیدہ نے کہا "میں کیا دیکھوں۔ سیاہی کی شیشی پڑی جھک مار رہی ہے اتنا ہوش تم کو نہیں کہ کپڑوں پر نام لکھ لو۔ اتنی سستی بھی کس کام کی ایک دو حرف لکھنے کی فرصت نہیں۔ اب جو مصیبت ہو بھگتو اور اس غریب بہو کو چھٹی دو۔ ذرا تم آپ اٹھو۔ وہ لڑکی کہاں کہاں سے کپڑے لائے گی۔ دنیا بھر کا قاعدہ یہ ہے۔ ایک جگہ مقرر ہوئی۔ میلے کپڑے سب نے وہاں اتار دیئے۔ میرے گھر کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ دو یہاں دو وہاں تین کہیں چار کہیں۔ کچھ دھوبن نے کھوئے کچھ گھر میں گئے۔ چلو چھٹی ہوئی۔ سبحان اللہ یہ کرنا آیا ہے۔ دھوئیں ہیں کالا تیل میں چکٹ یہ چکٹ یہ دھلے گا کیا خاک۔ لاکھ صاف ہو جائے۔ دھبے تو باقی ضرور ہی رہیں گے۔ میلے کپڑوں کو بڑی احتیاط سے رکھتے ہیں۔ جتنے اُجلے اور صاف جائیں گے اتنے ہی اچھے اور آبدار دھل کر آئیں گے۔ لو موزہ ایک ہی ہے دوسرے کا پتہ نہیں۔ جب ہی تو کہتی ہوں۔ اتارتے وقت حفاظت سے رکھو تو یہ ڈھنڈیا

کیوں پڑے۔ اور اس اوڑھنی میں کھونچ لگ گئی تو سینا کبھی نصیب نہ ہوا کہ دھوبن کے ہاں جاکر بالکل ہی ہار ہو جائے۔ بیٹی کیا ہو گیا۔ دھوبن کے ہاں پھٹا ہوا کپڑا جانا کیسی بے غیرتی ہے۔ چلو اس بیچاری کو تو کپڑے لکھ کر دے دو۔"

دھوبن میلے کپڑے لے کر گئی تو نسیمہ نے گھٹڑی لا شیشی اٹھا نئے کپڑوں پر نام لکھنا شروع کیا۔

سنجیدہ بولی۔" لکھتی رہو مگر اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ دھل کر سیاہی پھیل جاتی ہے۔ کپڑے پر نام لکھنے کی ایک ترکیب مجھ کو مس صاحبہ نے بتائی تھی۔ بھولنا مت۔ چربے کا کاغذ ایک تختہ۔ کاربن پیپر یعنی کالا کاغذ ایک تختہ (نیلا ہو تو اچھا) تھوڑا سا موم جامہ کا کپڑا۔ یہ تینوں بازار میں آسانی سے مل جائیں گے۔ پہلے چربے کے کاغذ پر پھول یا اور کوئی نشانی جو بنانی ہو بنا لو۔ یا کہیں سے دیکھ کر نقل کر لو پھر اس کو ہاتھ سے صاف کر لو یعنی موٹی یا بھدی پھیلی ہوئی نہ رہے۔ اس کو الگ رکھ کر موم جامہ کے کپڑے میں سے اس چربے کے کاغذ سے جس پر نشانی بنائی ہے۔ ذرا بڑا کتر لو۔ اس کپڑے کے ٹکڑے کو کاغذ پر رکھ کر پنسل یا سیاہی سے ہو بہو نقل کر لو پھر جس کپڑے پر نشانی ڈالنی ہے۔ اس کے کسی کونے پر یا جہاں لکھنا ہو بٹنوں سے یہ ٹکڑا کپڑے کا لگا دو۔ اس کے بعد پہلے کاغذ کا اتنا ہی ٹکڑا کتر کر موم جامے اور کپڑے کے بیچ میں رکھو۔ پھر کسی قلم کی ڈنڈی یا ہاتھی دانت کی سلائی وغیرہ کو موم جامے کے پھول پر خوب زور سے پھیرو تاکہ کالا کاغذ اپنا نقش کپڑے پر دیدے۔ ڈھوئے دھوئے نہ جائے گا۔ بیٹی میلے کپڑوں کا انتظام نہ کرو گی تو پتہ چلے کہاں سے ہاتھ ہو گی۔ میں نے جو کچھ کہا تمھارے فائدے کو کہا۔

قصور تھا واقعی اور خطا درحقیقت۔ نسیمہ دم کیا مار سکتی تھی۔ پھوپی کہتی جاتی تھی۔ اور اس پر گھڑوں پانی پڑ رہا تھا۔ کپڑے جمع ہوئے تو وہ اس ڈھنگ کے

اوڑھنی ملی تو پاجامہ ندارد۔ دوپٹہ ہے تو کرتہ نہیں۔ مزا یہ تھا کہ ایک کرتہ ایک آدھ پاجامہ ابر
پھرتا پھراتا اناج کی کوٹھری میں جا پہنچا۔ صندوق میں گھی کا کنستر رستہ میں کپڑے
لاتے لے جاتے خوب ہی ٹپکا۔ گھی کی خوشبو کپڑے کا معاملہ۔ کرتہ کی آستین، پاجامہ
کی موہری چوہے لے گئے۔ اوڑھنی کی ڈھنڈیا پڑی تو وہ بھی آدھی سے زیادہ بل
میں پہنچ چکی تھی۔ کپڑے آئے تو سہی، مگر کیسے بے ڈھنگے اور تتر بتر کہ خدا کی پناہ۔
ایک مٹی کے تیل میں بسا ہوا تو دوسرا کیچڑ میں لت پت۔ کسی پر گھی کسی پر تیل۔ کسی پر
گارا۔ کسی پر کیچڑ۔

سنجیدہ جیسی بیوی کا گھر اور نسیمہ جیسی بچی کا انتظام کپڑوں کی یہ گت ہنسی
بھی آتی ہے۔ افسوس بھی ہوتا ہے۔ مگر خدا نواسی کا بھلا کرے جب صفائی کی ضرورت
ہوئی غسل خانہ سے گئی اور میلا کپڑا اٹھا لائی۔ نسیمہ غریب کے فرشتوں کو خبر نہیں۔ کہ
کپڑوں کو یہ آگ لگ رہی ہے اور بی نواسی کورے استرے سے میرا سر مونڈ رہی
ہے۔ جو کہیں نسیمہ اس غصہ میں نواسی کا نام لے دے تو سنجیدہ کچھ نہیں تو اس کو کچا
کھا جائے۔ مگر انسانیت سمجھو یا محبت، ساری آفت اپنے سر لی۔ اور اس کا نام نہ لیا

(۲۷)

تربیت اور تعلیم دونوں چیزیں جیسی لازمی اور ضروری ہیں۔ ویسی ہی مشکل
اور اہم۔ یہ ہی وجہ تھی کہ سنجیدہ نے صرف تربیت اپنے ذمہ لی۔ اور تعلیم استانی کے
سپرد کی۔ وہ مرچکی ہم کو مرنا ہے۔ سنجیدہ نے تربیت کا حق ایسا ادا کیا کہ اگر کوئی کرے گا تو
لیس آتا۔ تیرہ برس کی نسیمہ ناکا جوڑی کا بخیہ ایسا کرتی تھی کہ اچھے اچھے سینے والے اس
کے ہاتھ پر عش عش کرتے۔ سنجیدہ جیسی سکھانے والی اور نسیمہ جیسی سیکھنے والی۔ ماشاء اللہ دسوں
انگلیاں دسوں چراغ تھیں۔ کیا مجال جو کپڑے پر کسی قسم کا داغ دھبہ نظر آیا ہو۔ مزاج
میں احتیاط یہاں تک کہ کبھی میلے ہاتھ تک سے کپڑا نہ چھوا۔ سینے بیٹھی تو پہلے جگہ

صاف کی۔ چاندنی ہوئی چاندنی۔ چادر ہوئی چادر۔ غالیچہ۔ قالین۔ دری۔ رومال کوئی چیز بچھا لیتی۔ تب اپنا اخر بختر کھولتی۔ کھانے سے فارغ ہوئی۔ صابن سے ہاتھ دھوئے۔ پھوپی تک پڑ کر سو گئی مگر اس کے واسطے دن کا سونا حرام۔ ہاتھ ہے کہ جھپا جھپ چل رہا ہے۔ یتیم خانے کے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے موٹے جھوٹے کپڑے لائے اور وہ سر آنکھوں پر رکھتی۔

عید سے ایک دن پہلے ایک بچہ سات آٹھ برس کا ہوگا۔ رات کے وقت اپنا کرتہ پاجامہ لینے آیا۔ نسیمہ دن بھر اپنے چھوٹے بھائی کے کپڑوں میں لگی رہی۔ کپڑا یوں کا یوں ہی رکھا تھا۔ بن باپ کا بچہ اُجلے کپڑوں کی خوشی عید کی امنگ سب خاک میں مل گئی۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آنسو بہہ رہے تھے۔ سوچنے لگی اس کا میرے اُوپر کچھ زور نہیں۔ خوشی کا سودا ہے۔ مگر اس کا دل اس وقت کیا کہہ رہا ہوگا۔ بچے کو اپنے پاس بلا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی "بھائی اپنا دل نہ کُڑھا، نماز سے پہلے آکر اپنے کپڑے لے جائیو۔" مانا کہ لڑکا بچہ تھا۔ لیکن نسیمہ بھی تو بڑی بوڑھی نہ تھی۔ برس کا برس دن عید کا موقع رات بیچ میں۔ چوڑی مہندی، کپڑا لتہ بیسیوں کام تھے۔ مگر صد آفریں۔ نسیمہ نو بجے رات سے جو کر بیٹھی تو گھر کا بچہ بچہ سو گیا اور وہ نہ ہلی۔ اِدھر موذن نے صبح کی اذان دی۔ اُدھر اس نے ٹانکا توڑا۔

تربیت ہو تو اتنی اور تقدیر ہو تو ایسی جتنی محنت سنجیدہ نے نسیمہ پر کی، سب نیگ لگی۔ سچ یہ ہے جیسی جانفشانی سے اس نے بھائی کی اولاد کو پالا آج کوئی اپنے پیٹ کی اولاد کو نہ پالے گا۔ کون سا کام تھا جو نہ سکھایا اور کیا بات تھی جو نہ بتائی۔ چھ برس کی جان کو برابر بٹھا سوئی دھاگا حوالے کیا۔ کترنیں آگے ڈالیں اور بیچی شروع کرادی۔ ذرا ہاتھ چل نکلا تو چھوٹے بھائی کا کرتہ دیا۔ اور کہہ دیا کہ برابر کے دونوں تنے ہیں۔ کندھوں کی بیچی جا مانگل اِدھر چار انگل اُدھر بھر دو مگر اتنی احتیاط کرنا

دونوں تیپچیاں برابر نہ ہوں یعنی اوپر کی چکلی رہے اور نیچے کی پتلی دونوں سیونیں برابر رکھو گی۔ تو سیون موٹی ہو جائے گی۔ کندھوں کی تیپچی کر لو تو بغلوں اور آستینوں کی سیونیں لو وہ بھی اس طرح کہ اُوپر کی چکلی نیچے کی پتلی۔ مونڈھے کے اُوپر دونوں آستینوں کے دو دو انگل کی پٹی چھوڑ کر لگانا۔ سمجھ گئیں؟ چاکوں کے بیچ میں انگلی بھر چکوتی لگے گی۔ جو بات نہ سمجھی ہو ابھی سے پوچھ لو۔

تیپچی۔ تیپچی کی ترکیب یہ ہے کہ کپڑا ہاتھ میں لے کر بڑا اوپر اور چھوٹا نیچے رکھا اور سینا شروع کیا۔ سوئی میں جتنا کپڑا آ جائے۔ یعنی جب سوئی میں کپڑا بھر جائے۔ اس وقت سوئی نکالو۔ اور پھر آگے شروع کرو۔ اسی طرح ساری سیون ختم کر لو۔ جب پوری کر چکو تو جہاں سے تیپچی شروع کی ہے وہاں سے ناخن سے کھینچ کر صاف کر دو کہ تیپچی کے بیچ میں جھول یا سلوٹ نہ رہ جائے۔ تاگے کی گرہ نہ پڑ جائے۔ ہاں جہاں تیپچی ختم ہو وہاں تین ٹانکے لگا کر دھاگا توڑ دو کہ اُدھڑ نہ جائے۔ پھر چکی دینا۔ وہ اس طرح کہ سیون موڑ کر بس کرتہ کو ہاتھ سے صاف کر دو۔ اب کرتہ کھڑا ہو گیا۔ وہ جو مونڈھے کی پٹی چھوڑی ہے۔ اس میں لال ڈورا دو چکلی پٹی اوپر اٹھائی۔ نیچے کی پتلی سیون میں ڈورا رکھا اور وہ چکلی سیون اوپر رکھ دی۔ سیدھا کیا اور کوک دی کہ چکلا پتلا نہ ہو جائے۔ کوک تو جانتی ہو نا۔؟

شپہ۔ لمبے لمبے ٹانکے ڈورے کے برابر لگا دیئے کہ ڈورا چکلا پتلا نہ ہو۔ اب کرتے کو پھر الٹا کیا۔ اور کلی کو سیون سے ترپن شروع کی اوپر کی سیون جو چکلی ہے کتر ڈال۔ اسے موڑا دو حصہ باہر ایک حصہ اندر مگر موڑا اس طرح کہ سلوٹ نہ رہے۔ پھر اسے برابر ترپنا شروع کیا۔ باریک باریک کلی کی سیون کو ترپتے ترپتے مونڈھے تک آئے۔ مونڈھا کر کے دوسری کلی پر اتر گئے۔ اس کو نیچے جا کر ختم کیا غرض اس طرح چاروں کلیاں کر لیں۔ پھر بغل کی سیون شروع کی۔ دونوں بغلوں کو ختم کیا۔

اس کے بعد آستین کی سیون شروع کی اور دونوں آستینوں کو پورا کیا۔ اتنا ہو چکے تو کرتہ کو اب سیدھا کرو۔

ترپن۔ کا قاعدہ یہ ہے کہ کپڑا دونوں گھٹنوں میں پکڑ کر ایک ایک ٹانکا نکالنا شروع کرو یا۔ بخیہ کی طرح نہیں۔ جب کپڑا سوئی میں بھر گیا تو چھوڑا مگر ہاں جس طرح تیپچی میں ختم کرتے وقت دو تین ٹانکے لگاتے ہیں۔ اسی طرح ترپائی میں ٹانکا توڑتے وقت دو تین ٹانکے یونہی لگا دیتے ہیں۔ اور پھر ختم کرتے ہیں۔ تیپچی کو ناخن سے صاف کرتے ہیں۔ ترپائی کو انگلی پھیر کر کہ ٹانکا اچھی طرح بیٹھ جائے۔

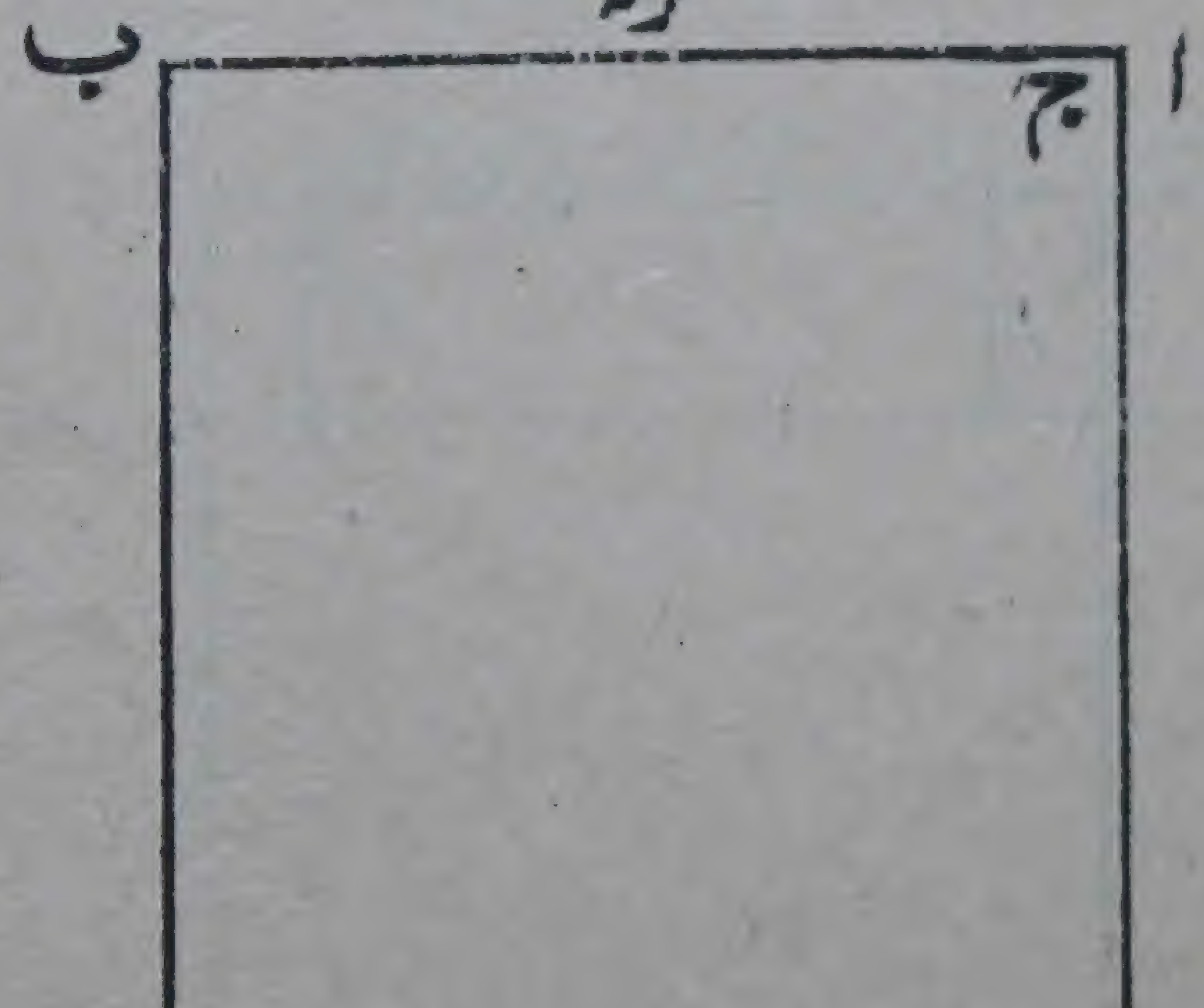
پھر کرتہ سیدھا کیا ایک انگل سے کم گھیر موڑا اور اس کی سیون ترپن کے لئے موڑ کر ترپنا شروع کیا۔ گھیر ختم کیا اور چاکوں کی سیون بہت پتلی موڑی۔ اگر چاکوں میں کنی ہے تو گھیر ترپا جائے گا۔ چاکوں میں کنی نہیں ہے تو چار سیونیں یہ سب کر چکو تو چکونیاں ترپنا۔ پھر مونڈھوں سے بخیہ شروع ہوا۔ ہو چکا تو چکونیوں پر کیا۔ گھیر میں بیل لگنی ہے تو چکونیاں نہ ہوں گی۔ ان کے بدلے کونے بن جائیں گے۔ اب گریبان لو۔ پہلے ایک انگل چوڑا داہنی طرف لگائی اِدھر سے لگا کر اُدھر یعنی الٹی طرف ترپا۔ چار انگل پٹی تین سکھ کی اکہری لگائی اور تیپچی بھری۔ اس کو آدھا اُلٹا دُوہرا دے کر قلم بنائی (کوکا) گریبان میں پٹی لگانی چاہیئے۔ کالر لگاؤ۔ چاہے آڑی پٹی۔ کالر ہو گا تو سیدھا۔ پٹی ہو گی تو آڑی۔ پٹی لگائی ہے تو دُوہرا دے کر اس کو کوکا۔ کوک چلے تو پہلے یہ دیکھا کہ سیدھا ہے۔ پھر بخیہ کیا۔ اب اوپر نیچے کا برابر رکھ کر دیکھ لیا۔ درست ہے تو کاج بنا دیئے بخیہ کر دیا۔

بخیہ بھی ترپائی کی طرح گھٹنوں میں رکھ کر ہوتا ہے۔ مگر ترپائی میں ایک ٹانکا برابر نکلتا ہے۔ بخیہ بالکل ملا ہوتا ہے۔ جس طرح خشخاش کا دانہ بہت باریک ہونا چاہیئے۔ کرتہ تو خیر ختم ہو گیا۔ مگر اُورے کی ابھی ترکیب رہ گئی۔

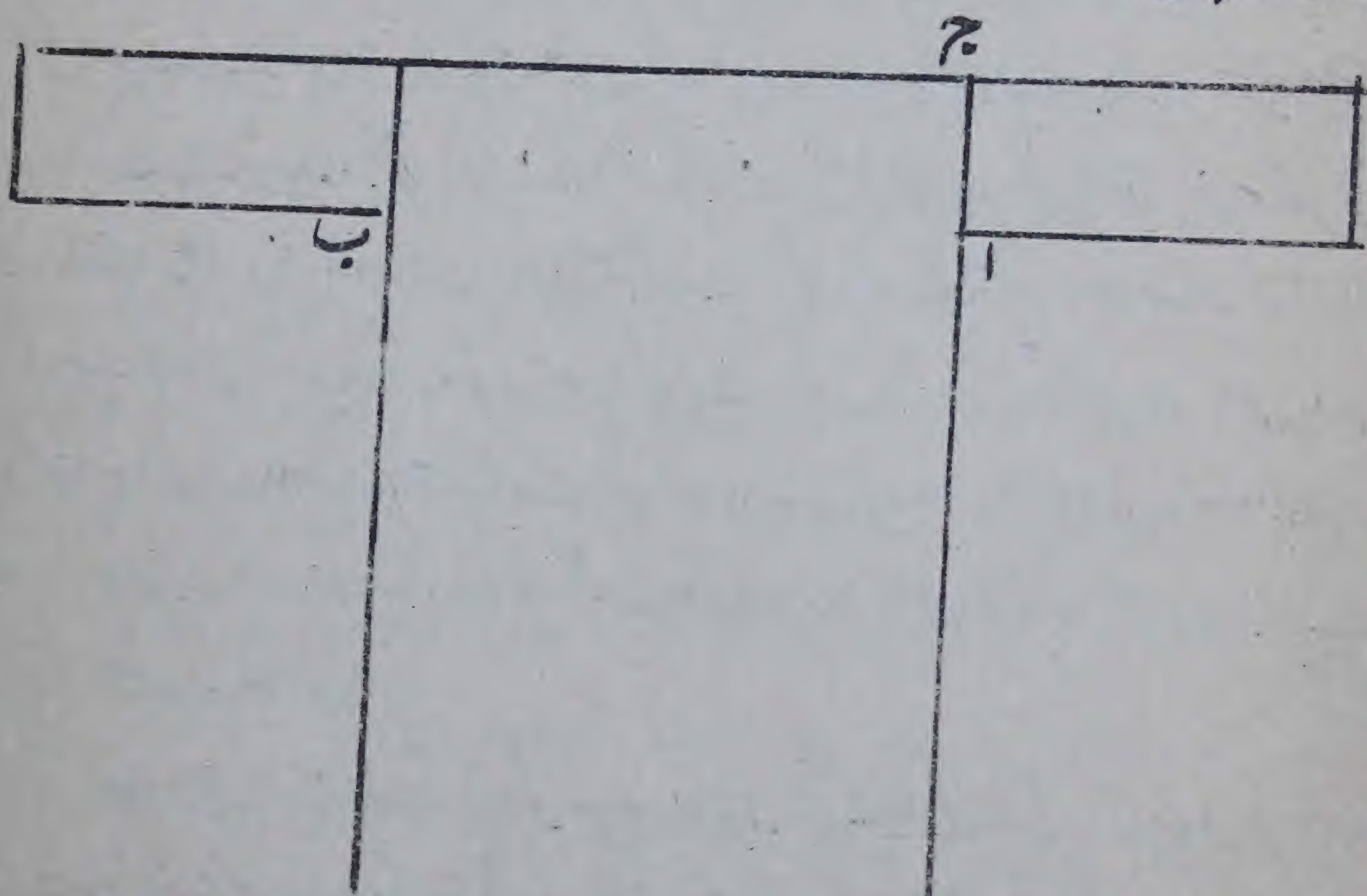
اُورما ۔ اُورما زیادہ تر پلنگ کی چادروں یا بچھانے کی چاندنیوں میں ہوتا ہے اور دو طرح کا ہوتا ہے ۔ پہلے میں تم کو سیدھا اُورما بتاؤں ایک لیٹا اور ما کہلاتا ہی۔ پھر وہ بتادوں گی ۔ چادر کا سیدھا اورما سمجھاؤں گی ۔ مگر چادر میں پچھلی کا کانٹا اچھا معلوم ہوتا ہے ۔ خیر تمھارے سمجھانے کے لئے چادر ہی میں بتاتی ہوں ۔ کنّی ملا کر چار انگل سرے پر سے سی لو ۔ یوں ہی شروع کروگی تو ایسا نہ ہو جھول رہ جائے ۔ کنّی بڑھتی ہو جائے پہلے تو چار انگل پاؤں کے انگوٹھے میں پکڑ کر سی لیا ۔ پھر گھٹنے میں رکھ کر اُورما شروع کر دیا ۔ اور ساری سیون ختم کر دی ۔ انگوٹھے کے ناخن سے صاف کیا ۔ اور چٹکی دے دی ۔ اُورما دُور دُور نہ بھرنا چاہیئے ۔ نہیں تو جالی پڑ جاتی ہے ۔ پاس پاس ہو گتھا ہوا اُورما موٹے تاگے سے ٹھیک ہوتا ہے ۔ اس کا بھی ایک ٹانکا لیا جاتا ہے ۔ ترپائی میں اور اُورمے کے ٹانکے میں فرق یہ ہے کہ اس کا ٹانکا مہین ہوتا ہے اس کا اس سے ذرا موٹا ۔

چادر میں ابھی ایک کسر رہ گئی ہے ۔ دونوں ترپے جائیں گے ۔ اگر پٹیوں کی طرف کنّی ہے تو خیر ورنہ سیون باریک پڑتی جائے گی ۔ نشانی کے واسطے چاہے کیسی بوٹی ڈال دو اچھا کرتہ کا حساب سمجھو ۔

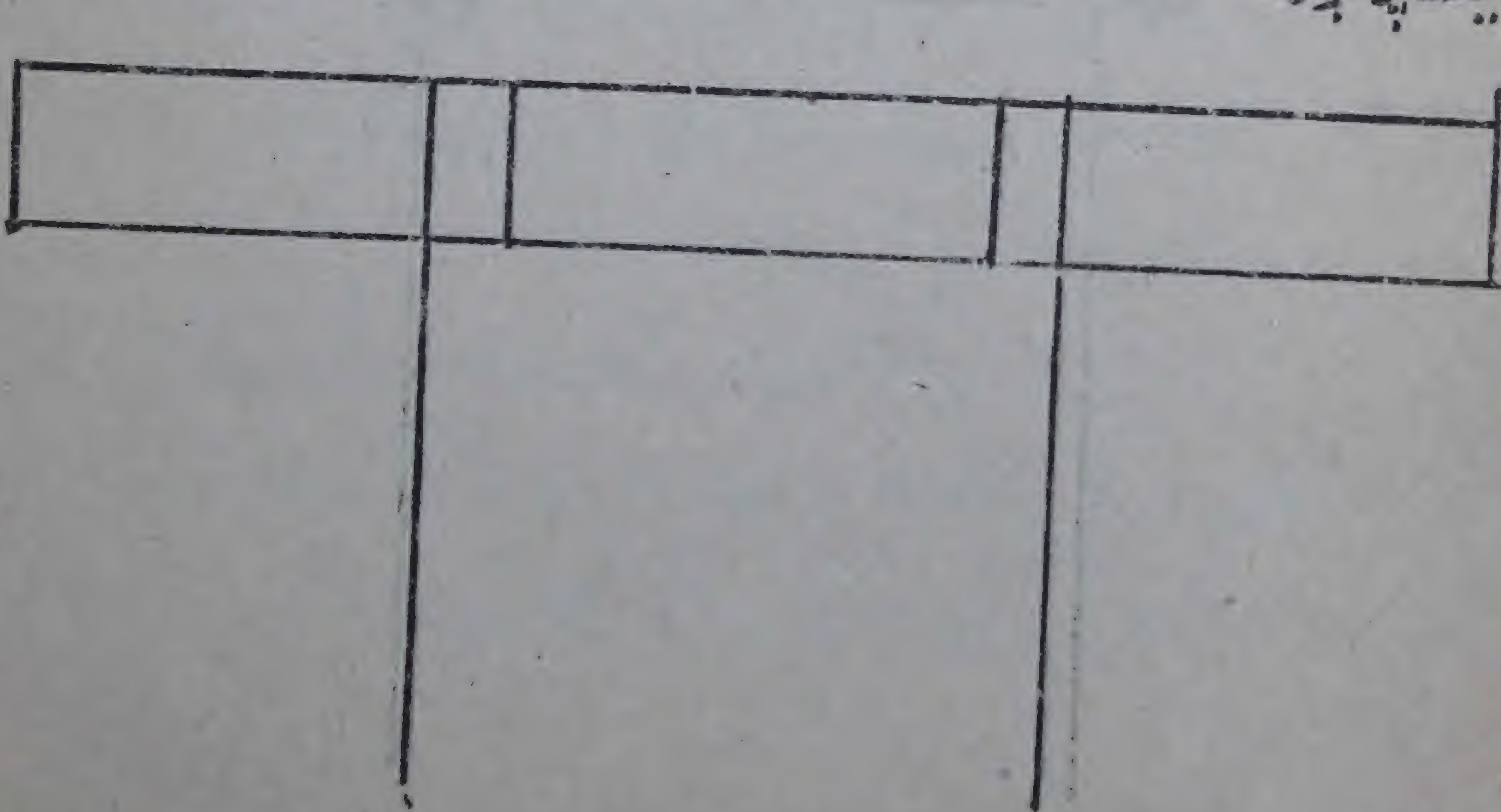
کرتہ



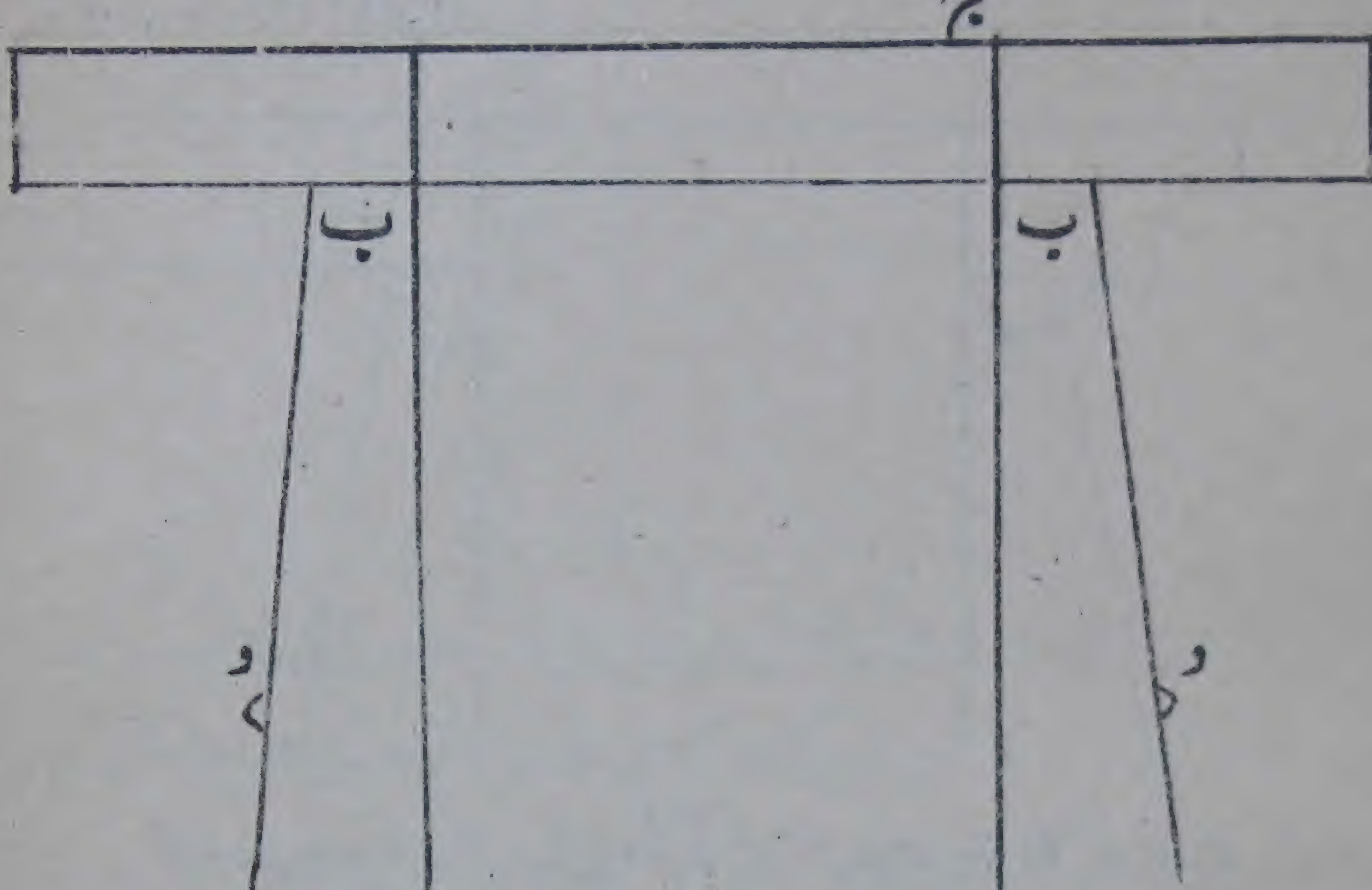
الف اور ب دو تنے ہیں۔ جب ان کی تیپچی بھر لی تو یہ اُوپر نیچے ہو گئے۔ اب ضرورت ہے۔ ان میں آستین لگانے کی۔ کسی ایک تنے کے بیچ میں شروع کرو۔ یعنی لمبائی کے بیچ میں جس جگہ ج ہے اس کا جکلان کے بیچوں بیچ آستین لگ جانے کے بعد یہ صورت ہوگی۔



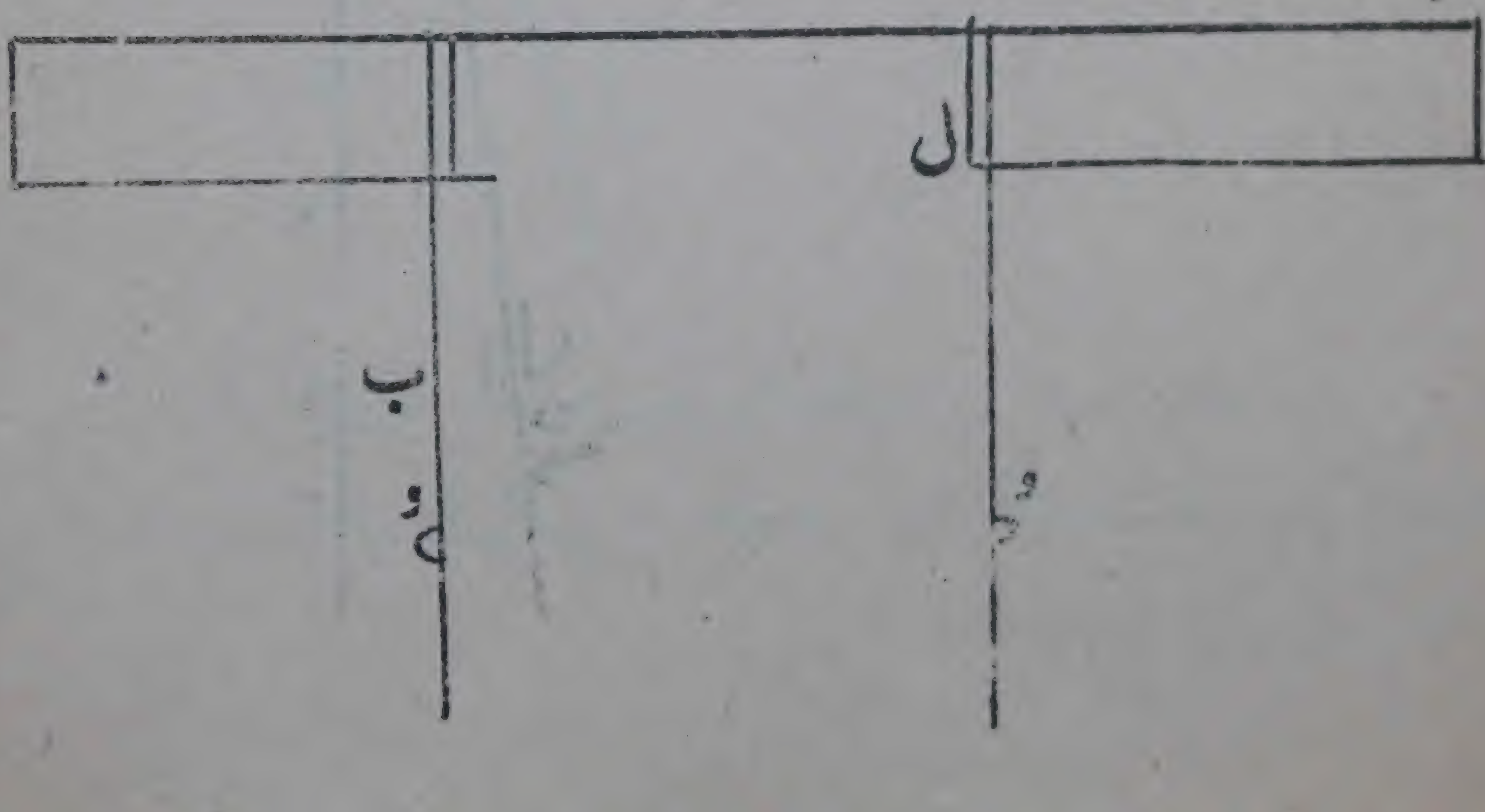
اب جو دو انگل کی بٹی مونڈھے پر ہے وہ تنے پر ترپی جائے گی۔ اور کرتہ اس ہیئت کا یہ ہوگا۔



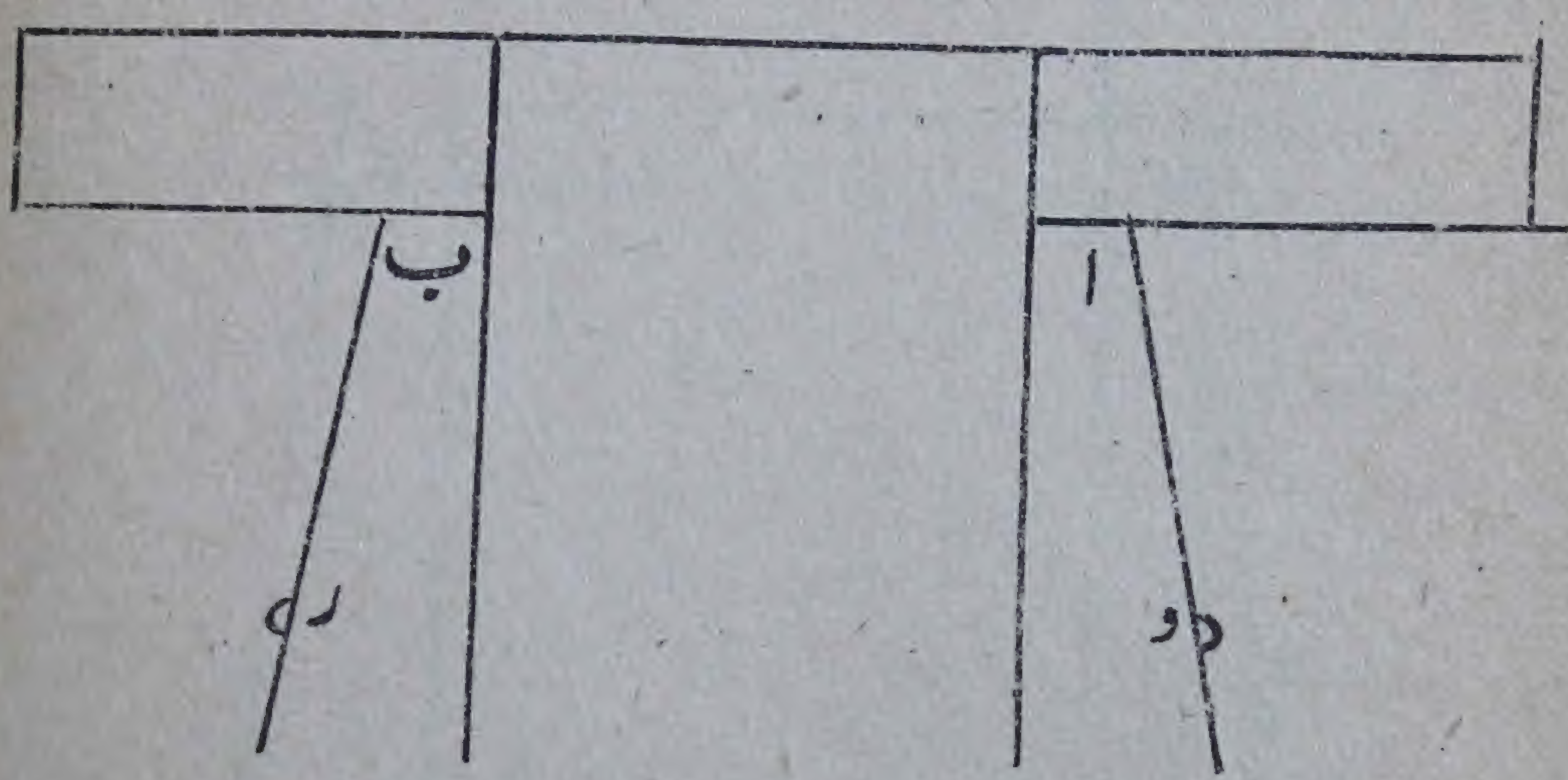
چاکوں کے بیچ میں جو چکوتیاں بنائی گئی ہیں۔ اگر بیل نہ لگائی جائے تو وہ بھی کڑھائی میں شامل ہیں۔ جن کی صورت یہ ہے۔



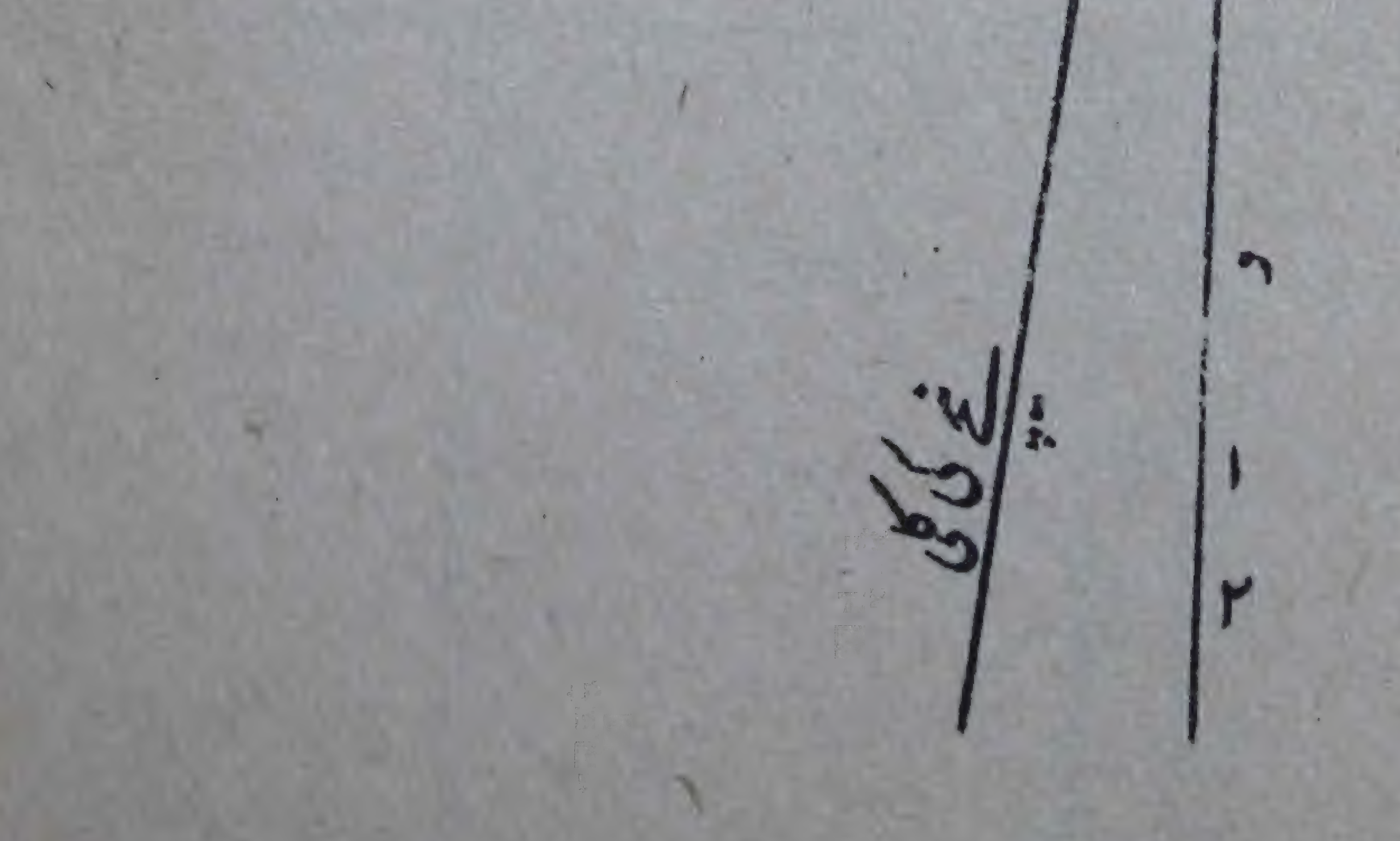
یہ واو دونوں چکوتیاں ہیں یہ نیچی کی ترکیب بنانے کے بعد جو لال ڈورے کا ذکر آیا ہے۔ وہ معمولی کرتوں میں ضرور نہیں۔ نہ مردانے کرتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صرف زنانے کرتوں میں وہ بھی اگر اچھا ہو تو خوبصورتی کے واسطے رنگ ململ۔ تن زیب وغیرہ میں دیا جاتا ہے۔



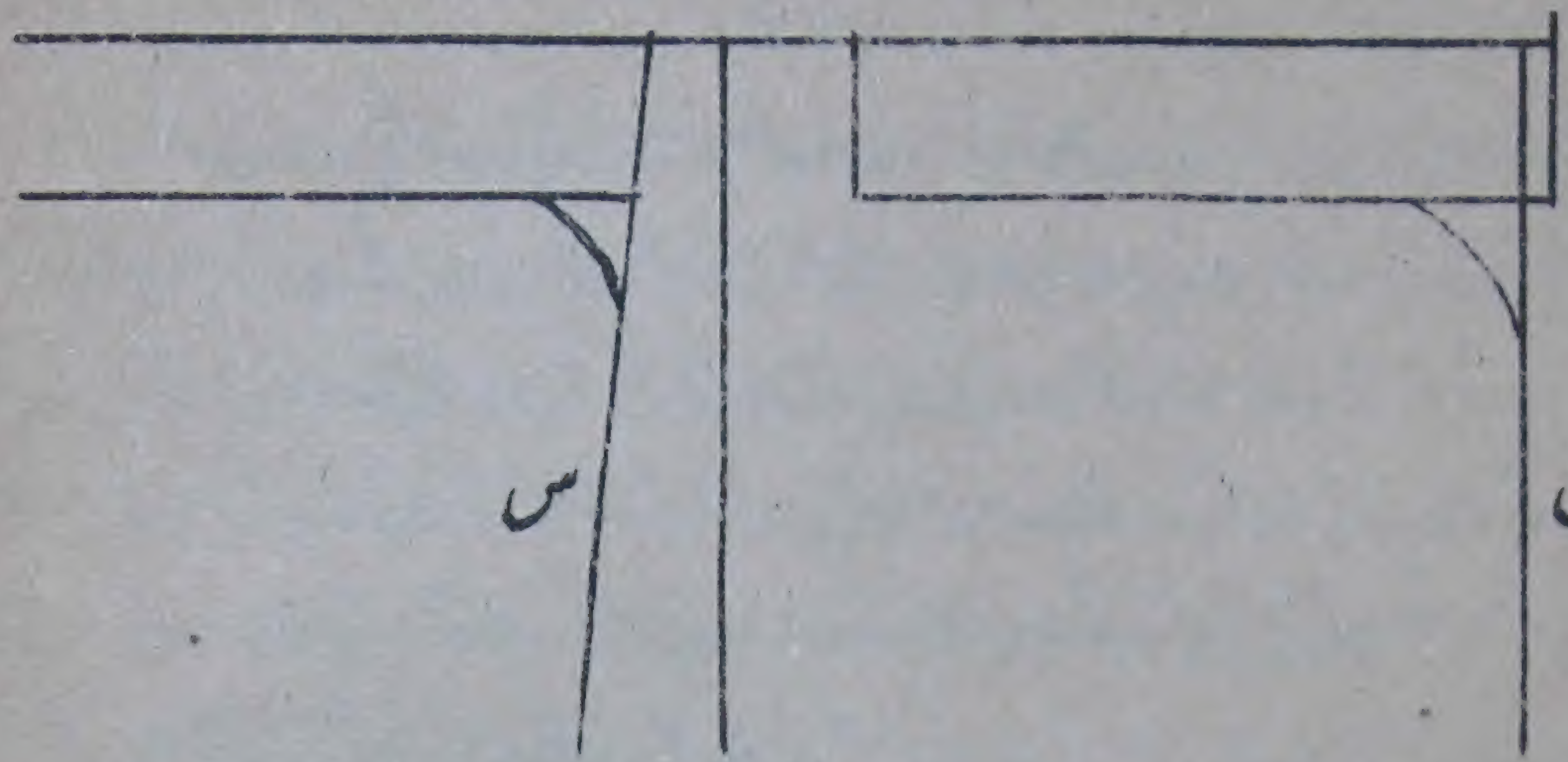
ل یعنی چکلی پٹی اُوپر کی اٹھا کر نیچے کی پتلی سیون میں جہاں حرف ج ہے یہاں ڈورا رکھا اور سیدھا کر کے احتیاطاً کوک دی اور بخیہ شروع کر دیا۔ اب کلی کی سیون شروع کی۔ اور وہ اس طرح۔



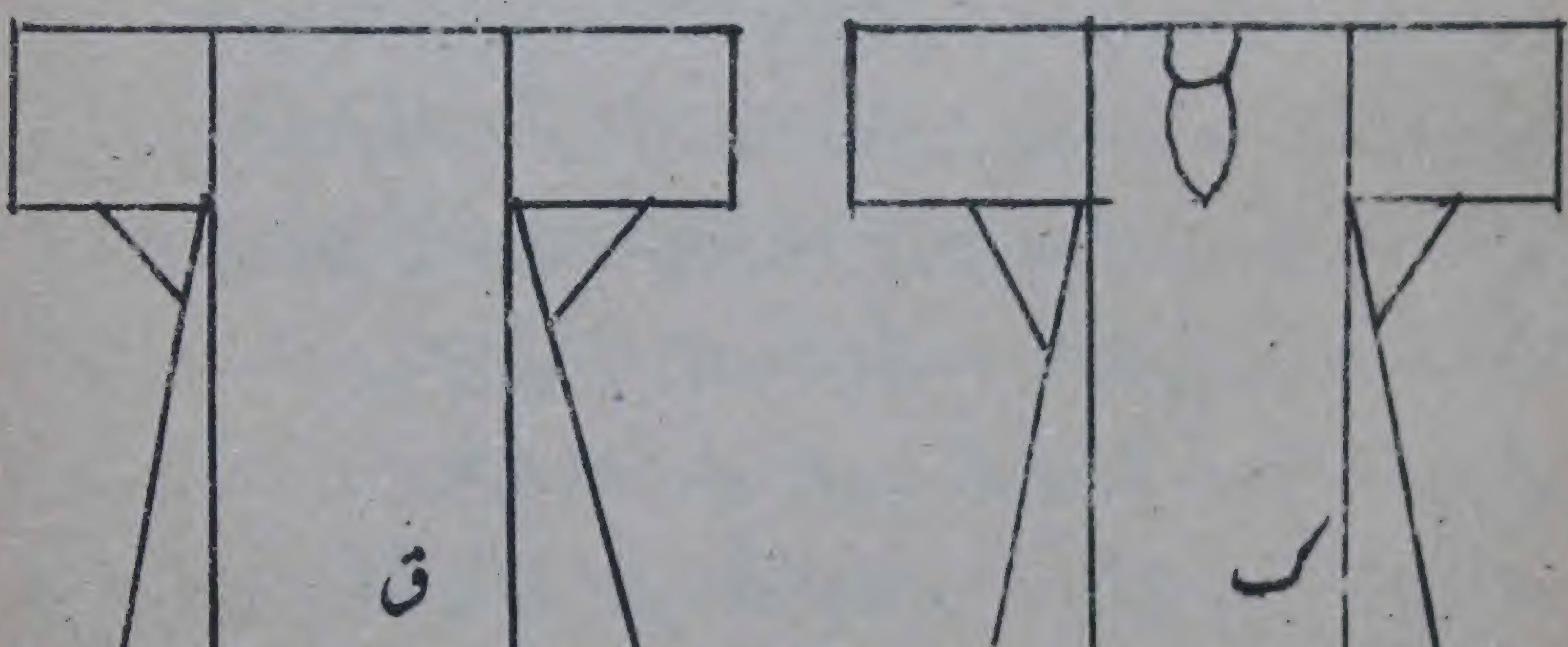
م اور ن یہ دونوں کلیاں ہیں۔ اگر کلی میں بغل پہلے سے لگا لینی چاہیئے یہ کلی میں بغل جڑی ہوئی ہے۔



یہ دونوں کلیاں بغل میں لگی ہوئی ہیں۔ جو آستین لگا کر تنے پر لگیں گی۔



کلی میں بغل لگانے کے بعد آستین میں لگی ہوئی صورت اس سے ظاہر ہو رہی ہے۔
جب یہ کلی بغل میں لگی۔ آستین میں چڑی تنے میں لگائی گئی تو اس کی صورت ش کی ہے۔



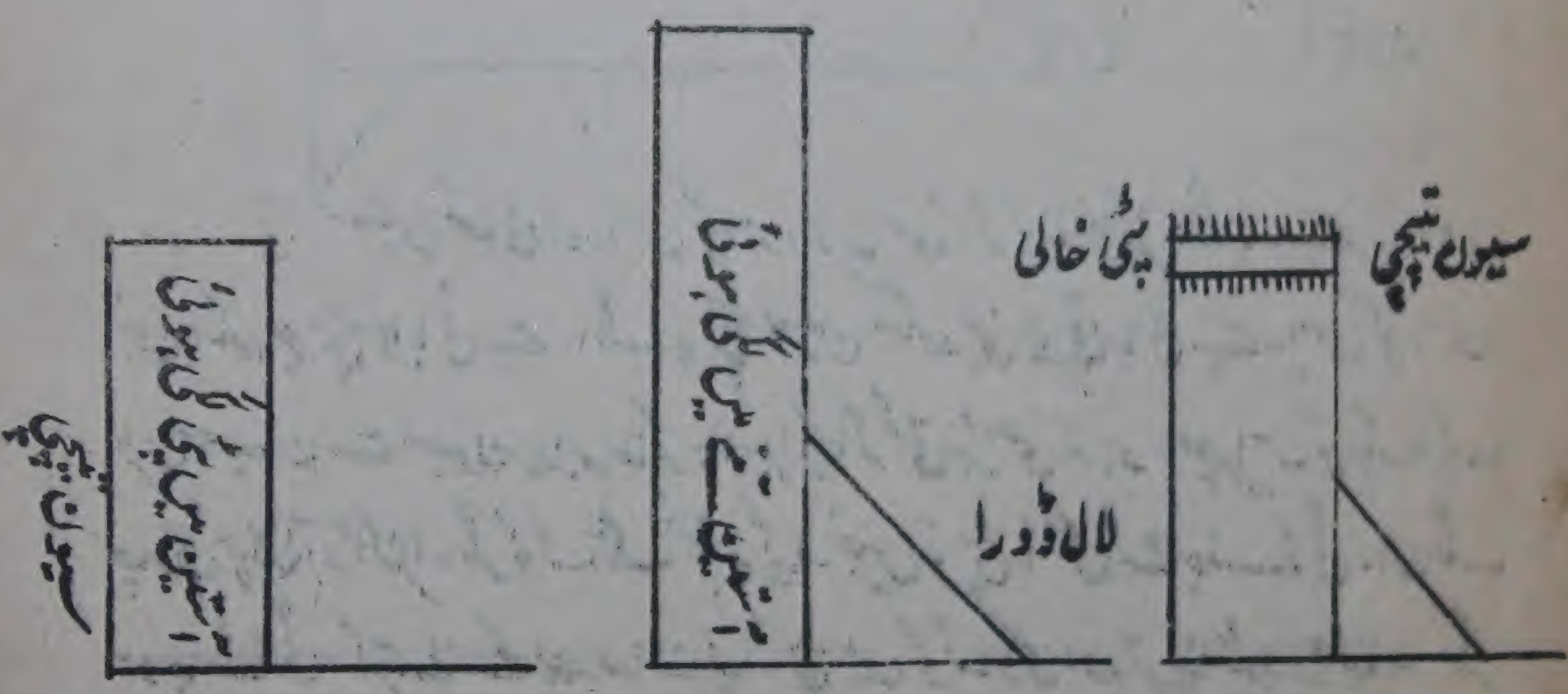
ق سادہ کُرتہ ہے جس میں فقط گھیر تُرپا ہوا ہے۔ چکوتیاں لگی ہوئی ہیں بخیہ وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ ک بالکل تیار کُرتہ ہے۔ گھیر میں بیل لگی ہے۔ لال ڈورا ہے۔ یوں سمجھو یہ زنانہ ہے وہ مردانہ۔

(٣٧)

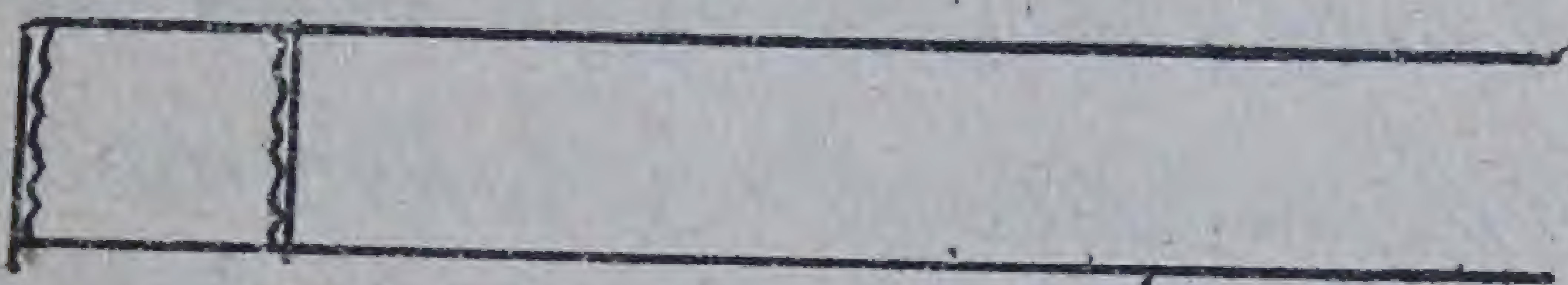
شوق سے سیکھنے والی دل سے سکھانے والی نسیمہ کے ہاتھوں میں صفائی
نہ ہوتی تو پھر کس کے ہوتی۔ کچھ ایسا چسکا پڑا کہ اِدھر اُدھر سے مانگ مانگ کر کپڑے
لیتی۔ آدھی رات تک سیتی اور سنوار کرتی۔ دس بیس کپڑوں کا نکلنا تھا ہاتھ جم گیا۔
ٹک سے سکھوٹ ٹکے سے ٹانکا ملا۔ کرتہ ہو یا پاجامہ، صدری ہو یا کمری ایک سے ایک
بڑھی۔ ایک سے ایک چڑھی۔ بارہویں برس تو یہ کیفیت تھی کہ غیر تو غیر خود سگی ماں
مشکل سے پہچانتی تھی کہ نسیمہ کا ٹانکا ہے۔

خدا کی قدرت منجھلی کے ہاں لڑکا ہوا۔ تحصیلدار صاحب کو بیٹے کا ارمان تھا۔
بھائی بہنوں کو ماشاء اللہ پانچ چھ تھے۔ اور سب صاحب اولاد تھے۔ مگر نری
بیٹیاں سینکڑوں تدبیریں ہزاروں ترکیبیں گنڈے اور تعویذ، فلیتے اور ٹوٹکے
دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر لڑکا نہ ہونا تھا اور نہ ہوا۔ خدا خدا کر کے یہ دن ہوا
خاندان میں بیٹے کی صورت دکھائی دی۔ کنبے میں عید تھی۔ وہ دھوم دھام ہوئی
کہ سارے شہر میں نام ہو گیا جس جس سے جو کچھ ہو سکا اپنی اپنی حیثیت کے لائق
سب ہی لین دین میں شریک ہوئے۔ نسیمہ نے بھی بھانجے کے لئے کرتہ ٹوپی تیار
کیا۔ ریشمیں ململ کا گلابی کرتہ۔ سبز ساٹن کا پاجامہ، اسی کی ٹوپی۔ پھوپی کو بھی بتانے
کی ضرورت نہ ہوئی۔ اس نے آپ ہی کترا اور سیا بھی۔ ٹوپی کے لئے ایک پٹی آڑی
تین انگل کی چکلی پٹھے کے نیچے لگائی پہلے پھٹا ٹانکا اس کے آگے پکے گوکھرو کی
ایک لڑی اور پھر سادے کی کٹوریوں کی پچرنگی توئی۔ آگے پکے گوکھرو کی ایک
لڑی اور پھر تری سنہری کرن۔ اس سیدھی پٹی پر ٹانک کر الگ رکھی۔ چندوے
اور باز پر ماہی پشت کا گوکھرو کا جال بیچ میں کرن کا پھول۔ مانگ پر گوکھرو کی

قینچی ٹانک وہ جو پٹھا الگ رکھا تھا اس میں لگا دیا۔ ٹوپی تیار ہو گئی۔ بہن کے بچے کی خاطر اس قدر محنت کی یہ تو کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ مگر نسیمہ کی مروت تو اپنے بیگانے سب کے حق میں یکساں تھی۔ آدھی آدھی رات تک بیٹھی پڑوسیوں کے کپڑے سیتی اور سینا نہ نمٹتا۔ مفت کا درزی، بے داموں کی مغلانی۔ سلوانے والوں کا کیا جاتا تھا جس کو ضرورت ہوئی اٹھائے کپڑے بھیج دیئے۔ پڑوس میں بھی ایک بڑی بیگم رہتی تھیں۔ صبح کی نماز پڑھ ایک دن نسیمہ قرآن شریف پڑھنے بیٹھی کہ بڑی بیگم صاحبہ کی ماما بڑے عرض کی چھ گز تن زیب لے کر آئی۔ سلام کیا۔ اور کہا "بیوی نے بہت بہت دعا کہی ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ اگر آپ کو فرصت ہو تو چار کرتے سی دیجئے۔ گریبان اور مونڈھوں میں کیکری کا کٹاؤ ہو گا۔" انکار تو بڑی چیز ہے۔ نسیمہ کے مزاج سے تو تامل بھی مشکل تھا۔ تن زیب گٹھڑی میں باندھنے بیٹھ گئی۔ دوپہر کو کھانے پینے سے فراغت پا کر کرتے سینے شروع کئے اور آستینیں لگائیں۔ ڈھائی انگل کی پٹی تین سکھ کی پھاڑ کر ادھر ادھر دونوں مونڈھوں پر لگائی۔ سیون کی جگہ ایک ایک انگل کی پٹی آستین کی طرف کیکری کے حق کی چھوڑ کر بخیہ۔ برابر میں لال ڈورا دے کر کوک دی اور پھر بخیہ کیا۔

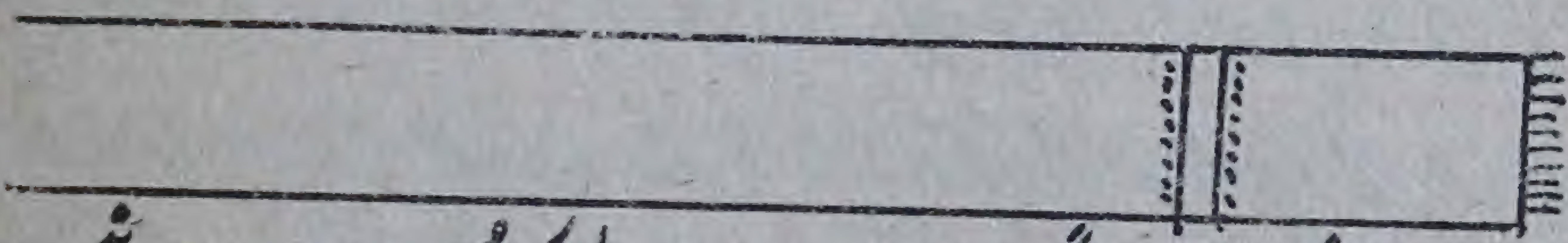


اب چوپٹی تہ کی طرف بچی ہے اس کو صاف کیا۔ اور جتنی پٹی ادھر چھوڑی تھی۔ اتنی ہی دوسری طرف کیگری کے حق کی چھوڑ کر کوک دی۔ وہ پٹی جو کیگری کے واسطے باقی ہے۔ اس کو انگل انگل بھر سے کم برابر کترا اور کیگری موڑ کر سینا شروع کیا۔



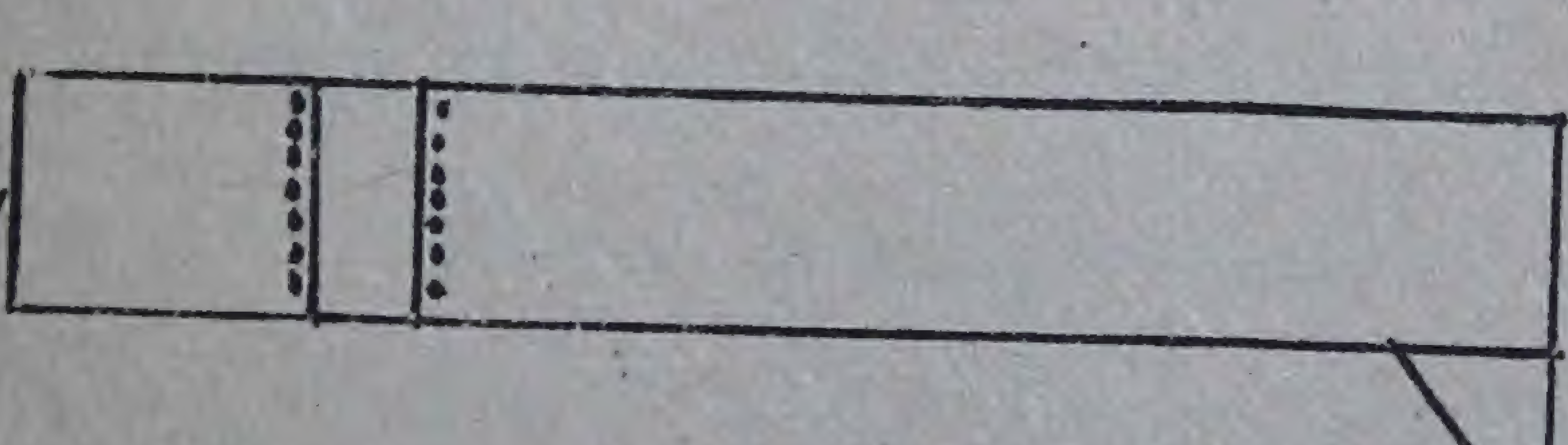
کیگری کا کچھ حصہ مڑا ہوا

خالی پٹی میں کیگری کتری ہوئی



موڑتی گئی اور سیتی گئی۔ دانہ اس طرح موڑا کہ اوپر سے زیادہ نیچے سے کم اتنا ہی دوسری طرف سے مڑا تو بیچ کا دانہ خوبصورت ہوگیا۔ نوک ٹیڑھی نہیں۔ پھونسڑا نہیں نوک سیدھی دانہ برابر، جتنی نوک پتلی مڑی۔ اتنی ہی خوبصورت کیگری ہوئی کیگری ہوچکی۔

تیار کیگری



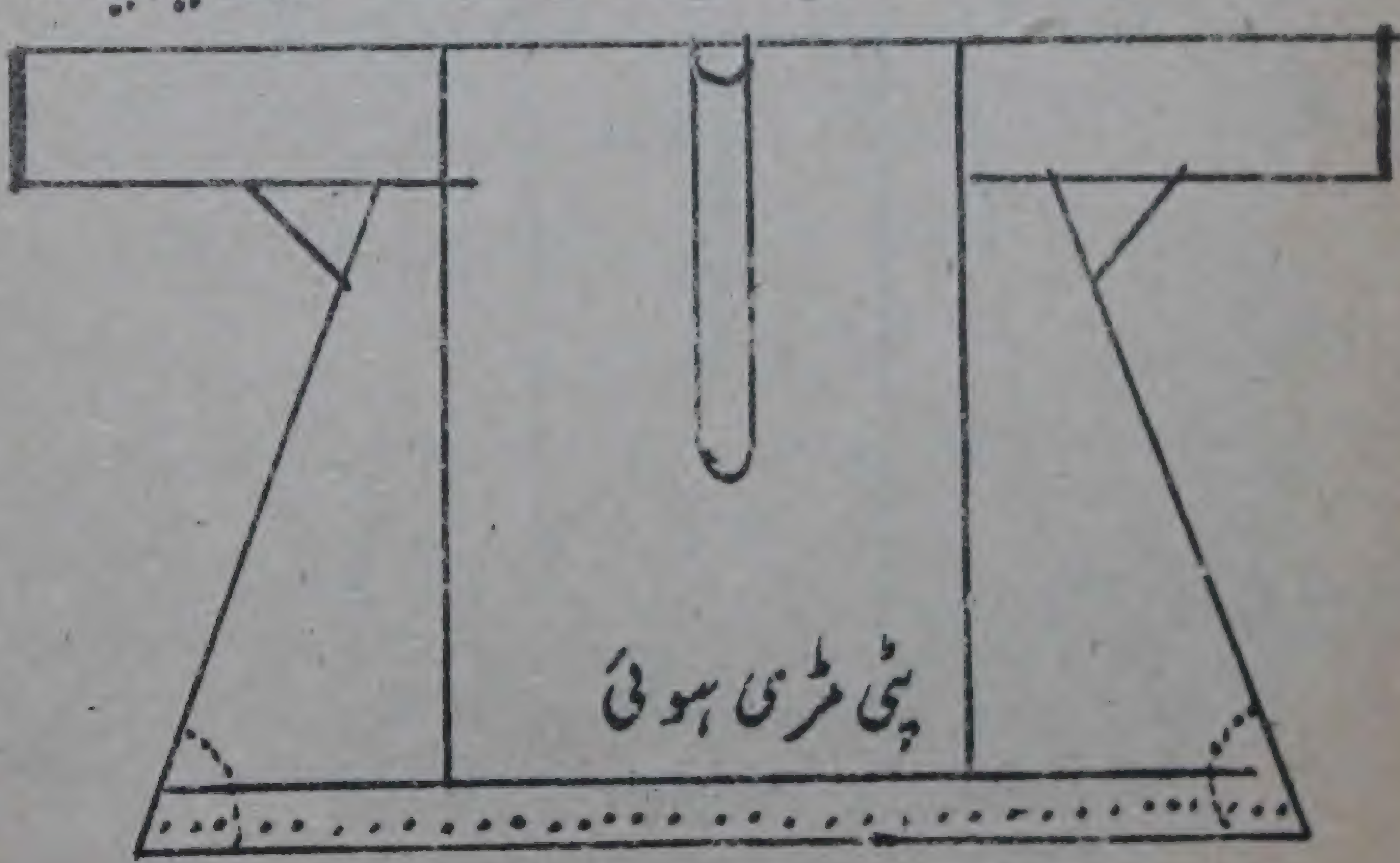
تو آستین کھولی اور اس کو اس طرح موڑا کہ کرتہ کا کپڑا الگ رہے۔ اور نین سکھ جو بیچ کا باقی ہے۔ الگ یہ بیچ کا نین سکھ یعنی جو پٹی باقی ہے۔ اس کو اس طرح سیون سے سیون برابر ملا کر دوہرا کیا کہ کمتی بڑھتی نہ ہو۔ پھر اس کو ایک ایک چاول چکلا آڑا کترا۔ مگر کوک تک ختم نہ کیا۔ نہیں تو پٹی بالکل کٹ جائے گی۔ اور الگ ہو جائے گی۔ کترنے کے بعد صاف کیا۔ بیچ میں کوک دی اور ترپنا شروع کیا۔ مگر

وہیں سے تر پنا شروع کیا جہاں سے کترا ہے۔ ایک طرف سے جس قدر کترا ہے۔ سب سیونیں ختم کیں پھر دوسری طرف کا شروع کیا۔ کٹاؤ میں سب سے بڑی احتیاط اس بات کی ہے کہ نوک برابر رہے۔ الگ کے پیٹ میں سے ایک ہو۔ جیکلی تیلی یا ٹیڑھی سیدھی نہ ہو۔ گو بعض آدمی کٹاؤ پہلے کرلیتے اور بعض دوسری طرف سے بھی کرتے ہیں۔ مگر یہ بہت آسان طریقہ ہے۔

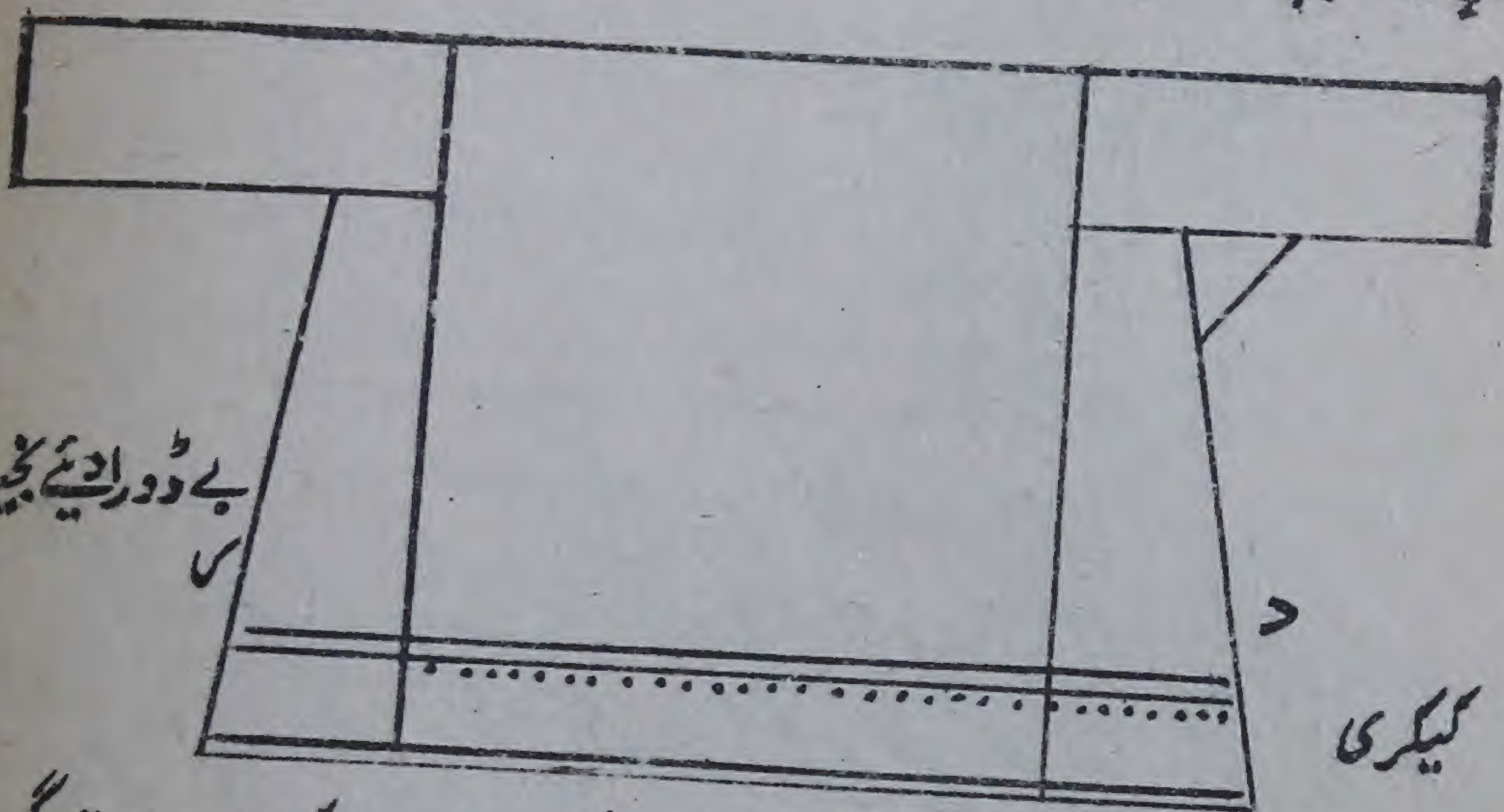


کیکری اور کٹاؤ

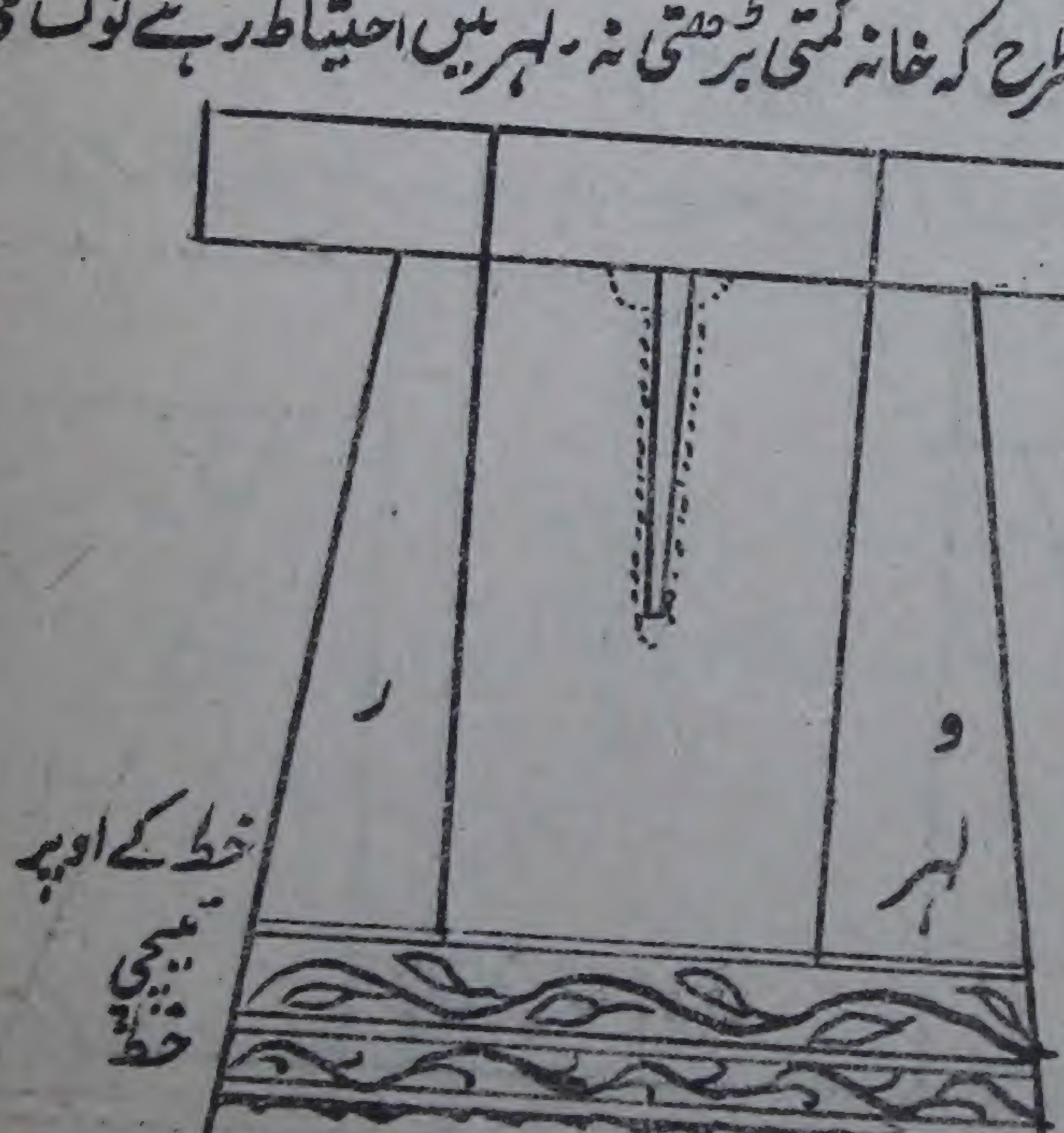
بیگم صاحبہ کی درخواست یا فرمائش جو کچھ بھی تھی بس اتنی کہ گیکری اور کٹاؤ ہوجائے مگر نسیمہ نے تو کرتے ایسے تیار کئے کہ بیگم صاحبہ کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ گیر میں پھول پتی کی بیل ایسی کہ دیکھنے دکھانے کے لائق پہلے ایک انگل پٹی نین سکھ کی کتری اور گھیر پر رکھ کر ایک چاک سے دوسرے چاک تک نیچی پھر دی۔ موڑ کر چنکی دی۔ صاف کیا۔ دھجی کو الٹ کر اس میں لال ڈورا دے دیا۔ سیدھا کرکے کوک ماردی بخیہ کیا۔



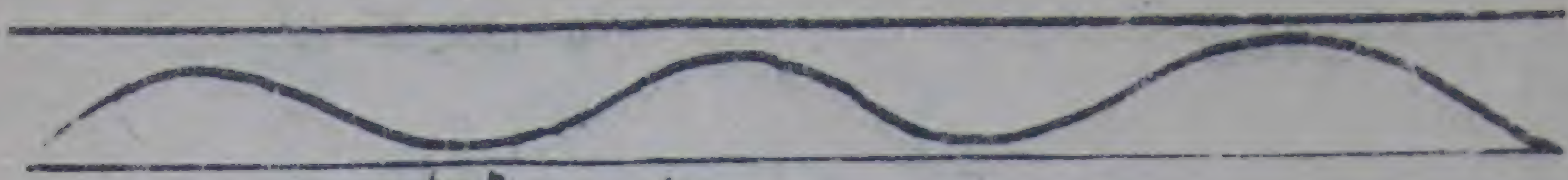
اب نیچے اتری تھوڑی سی جگہ بیچ میں الف سے ب تک چھوڑ کر بخیہ بغیر ڈورے کے کر دیا۔ اس کے آگے کیکری بنائی۔ باریک پیچپ کا دوہرا دھاگا سوئی میں پرو کر کیکری کے آگے چاروں طرف تیپچی بھر دی۔ ایک انگل کپڑا گرتے کا کیکری کے آگے والا د سے ہ تک چھوڑ کر موڑا اور رشنگی اس سے دے دی کہ خط بن جائے۔ خط کے اوپر ایک تیپچی اور بھری۔



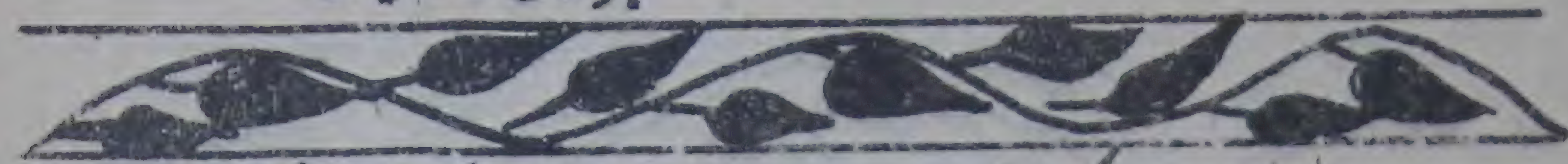
بیچ کی جو جگہ خالی ہے یعنی ہٹی کیکری کے آگے د سے ہ تک اس میں تلے سے لہر بنائی مگر تیپچی کی اس طرح کہ خانہ کمتی بڑھتی نہ۔ لہریں احتیاط رہے نوک نکلی ہو۔



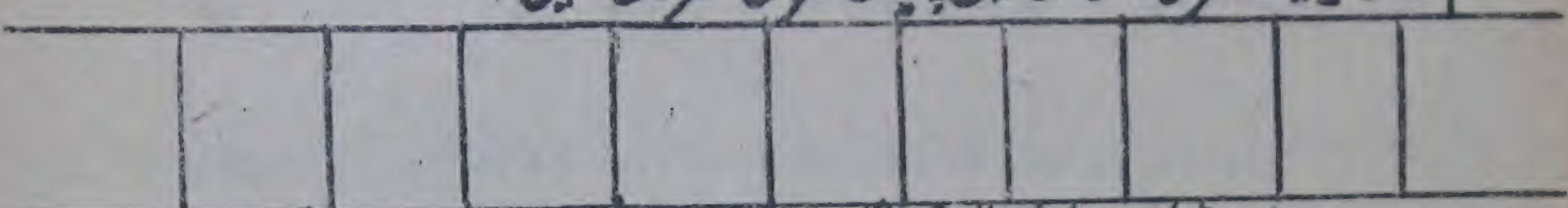
لہر بن گئی اب اس میں پیچک کے ہرے دھاگے کی ڈنڈیاں کروٹ میں نکالیں ۔



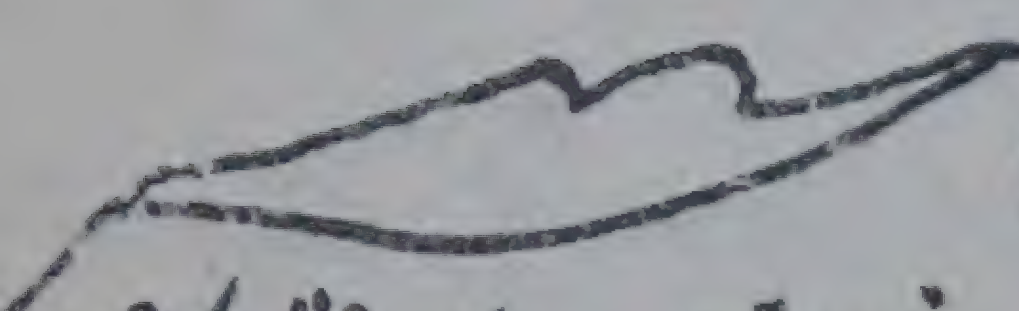
لہر میں ڈنڈیاں



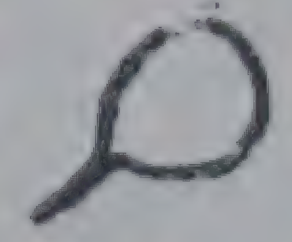
جب ڈنڈیاں بن چکیں تو ہر خانہ میں پھول بنایئے نین سکھ کی پٹی انگل بھر سے ذرا کم موڑ کر ایک کتری اور اس میں پتیاں کترنی شروع کیں ۔



اس لمبی پٹی کو موڑ کر انگل انگل بھر سے کم خط ڈال لئے اور پھر قینچی سے اس صورت پر ہر نشان کو کترنا شروع کیا۔



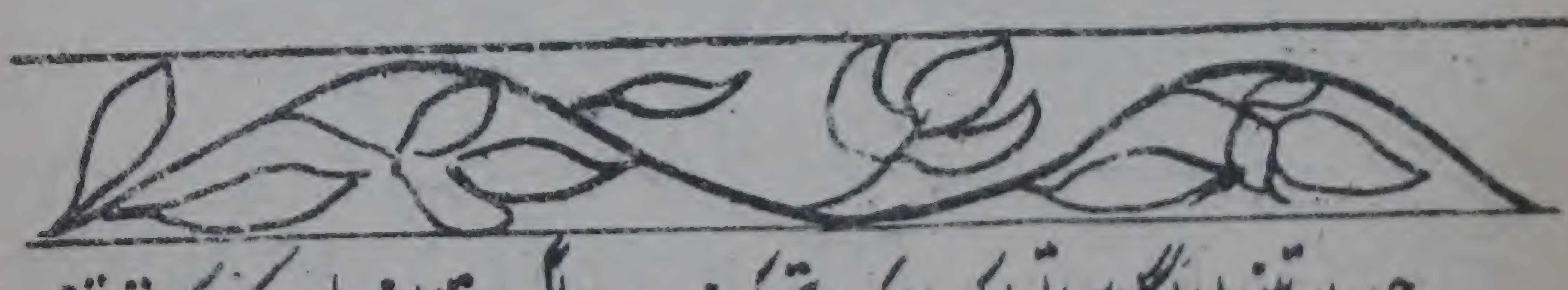
گول پتی



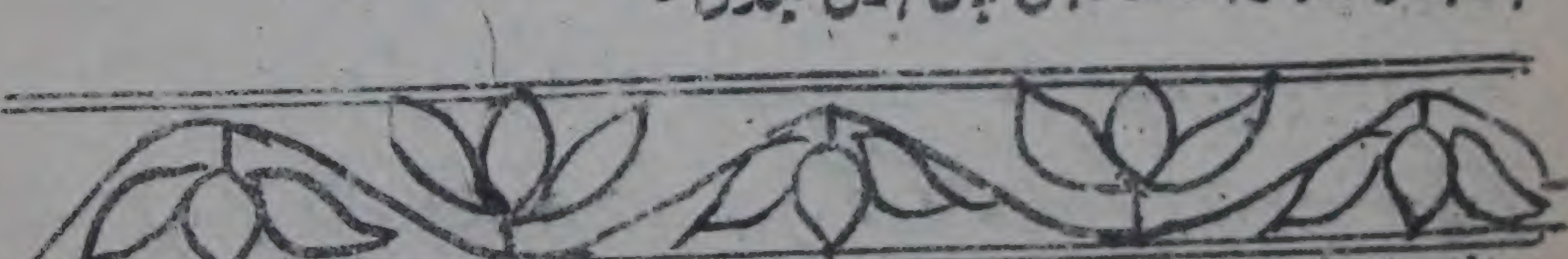
لمبوتری پتی

اب یہ پتیاں کتری ہوئی اس ڈنڈی میں تین تین ۔ خواہ تینوں ایک قسم کی خواہ دو گول اور ایک لمبوتری ۔ خواہ تینوں لمبوتری ۔

تینوں گول پتیاں　　　　دو گول ایک لمبوتری



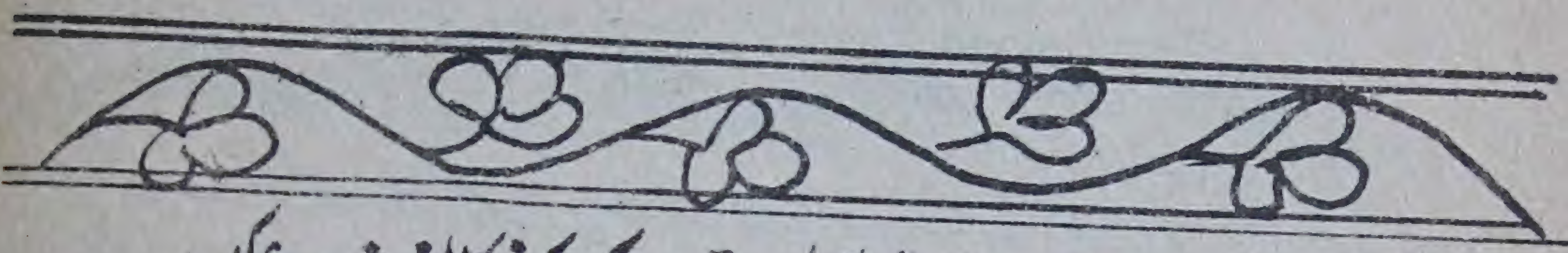
جب یہ تینوں لگا دیں تو ایک ایک پتی کو نہ برابر لگی ۔ اتنا خیال رکھا کہ پتی جتنی پتلی ہو گی خوبصورت اور جتنی چپکی ہو گی بھدی ۔



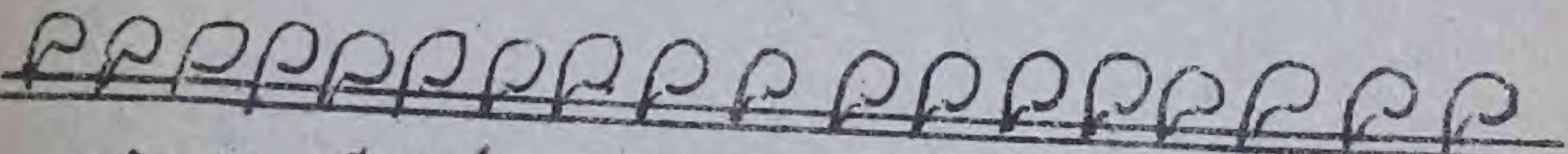
چوتھی پتی　　　　چوتھی پتی　　　　چوتھی پتی

اب اس میں کنگورہ بنایا وہ اس طرح کہ سوئی میں دہرا تاگا لے کر پہلے بے پتی کے کنگورہ کی حد تیپچی سے بنائی ہے۔

بے پتی کی کنگورے کی حد تیپچی



اب اس ڈورے کے آگے آڑی پتیاں کتر کر نکالنی شروع کیں۔



رشتہ نہیں ٹوٹتا نہیں۔ محلہ کا رہنا۔ پڑوس کی بات۔ بیگم صاحبہ سمجھی تھیں نسیمہ جب کبھی گھر کے کام دھندوں سے چھٹکارا ہوا۔ گھڑی آدھ گھڑی کو یہ بھی بیٹھے گی اٹھتے بیٹھتے مہینے دو مہینے میں کسی نہ کسی طرح کرتے تیار ہو جائیں گے۔ مگر نسیمہ اللہ کی بندی کو تو شروع ہی سے مرض یا خبط جو کچھ بھی ہو گھٹی میں یہ بات پڑی تھی کہ جو کام کرنا ہے جب تک ختم نہ کرے چین سے نہ بیٹھے۔ ایسی ہی مجبوری یا لمبا چوڑا کوئی کام ہونا تو وہ دوسرے دن پر رکھتی نہیں تو کھانا پینا لیٹنا اٹھنا سب چھوٹ جائے۔ مگر کام پورا ہو۔ کرتوں کا ہاتھ میں آنا تھا کہ لپٹ پڑی اور ختم کر کے چھوڑا۔ آٹھ ہی دن میں چاروں کرتے جھٹ پٹ سی سلا کاڑھ کوڑھ تیار کر کے الگ کئے۔ بیگم صاحبہ نسیمہ کو سگھڑ ہوشیار محنتی سب ہی کچھ سمجھتی تھیں۔ مگر کرتوں کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ کہتی تھیں ہاتھ یا مشین یہ بیل بوٹے کیکری کنگورے لٹی سے جوڑے یا گوند سے چپکائے۔ صفائی یہ کہ کیا مجال جو کوئی ٹانکا بڑا چھوٹا ہو گیا ہو۔ داغ دھبہ تو در کنار سلوٹ تک نہیں۔ آب و تاب ایسی کہ جو بزاز کے ہاں تھی وہ سل سلا کے موجود۔ ساڑھے چھ آنے گز کی تن زیب نسیمہ کا ہاتھ لگ جانے سے دس بارہ آنے گز کی رفل کو مات

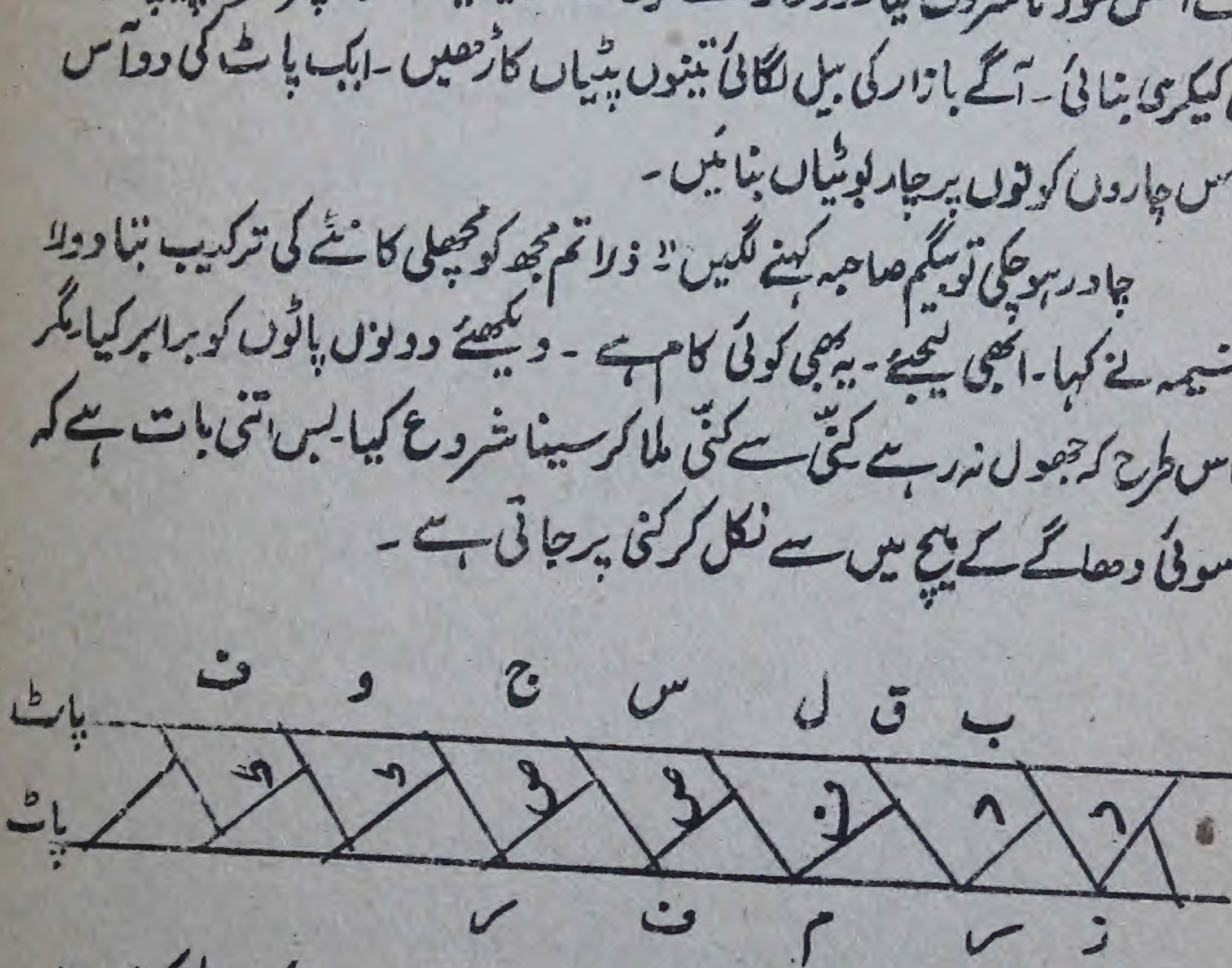
کررہی تھی۔ دھلوانے کی ضرورت نہ استری کی حاجت۔ بیچاری پسالی کی رہنے والی، انھوں نے یہ رنگ ڈھنگ کہاں دیکھے تھے۔ وہ تو یہی جانتی تھیں۔ ساٹن کا پاجامہ پہنتے پہنتے گھٹنے پر سے نکل گیا۔ پہنے ہی پہنے سیدھی گھونپ بھردو۔ شلوکے مار لئے۔ انھوں نے تو خواب میں یہ ستھرائی نہیں دیکھی تھی۔ منجھلی ہی کا جہیز دیکھ کر کہتی تھیں۔ "بیوی دلی والیاں الٰہی تو بہ عورتیں کیا ہیں آفت کا پرکالہ۔ ہنڈی کی چندی کرتی ہیں۔ کرتے دیکھ کر تو جتنی بیٹھی تھیں سب ہی واہ واہ کرنے لگیں۔ بیگم صاحبہ تو بالکل ہی لٹو ہو گئیں۔ پہلے تو سمجھیں کہ دلی والیاں سب ہی سگھڑ ہوتی ہوں گی۔ مگر منجھلی کو دیکھتی تھیں تو زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اسی ماں کی بیٹی اسی پھوپی کی بھتیجی بخیہ اور کیکری تو بڑی چیز ہے۔ ڈھنگ کا ٹانکا بھی چاہو تو ناممکن۔ آخر کرتے ہاتھ میں لیکر کہنے لگیں۔ خوشا نصیب اس ماں کے جس کے یہ بیٹی، اور دھن بھاگ اس گھر کے جس میں یہ بہو ہو۔ شاباش ہے بی سنجیدہ کو ایسی بیٹی اٹھائی۔ میں نے تو اس دن عقیقے ہی میں دیکھا تھا کیسی بھولی بھولی شکل تھی کہ دیکھ کر دل خوش ہوتا تھا۔ ڈومنیوں کے ناچ میں سب ہی لڑکیاں بالیاں آئیں۔ اور بچوں ہی کی خوشی تھی۔ مگر نسیمہ نہ آنا تھی نہ آئی۔ ۲ بجے کے قریب کھڑے کھڑے آئی۔ بیل کا روپیہ دے الٹے پاؤں سیدھی ہوئی۔ میرا تو ایسا جی کڑھا ہے کہ کیا بتاؤں صبح نماز کے وقت ٹھنڈے پانی سے بیٹھی دھو کر رہی تھی۔ میں تو اس وقت سے اس کی دیوانی ہوں۔ چھوٹی سی تو یہ کچھ ہے بڑی ہو کر کیا کچھ ہو گی۔ خدا اس کی عمر میں برکت دے اور پروان چڑھائے۔ لڑکی کیا نعمت ہے۔ بات کرے تو پھول جھڑیں۔ آپ اور جناب کے سوا کوئی دوسرا لفظ اس کی زبان سے سنا ہی نہیں سا ہلتی اس کی ماں اور پھوپی کا کلیجہ سدا ٹھنڈا رہے۔ خیر بٹنے طوطے پڑھیں گے تو خاک مگر کوشش تو میں بھی کروں شاید کوئی ہنر ہاتھ میں پڑا رہے۔

کچھ ایسا شوق چرایا کہ ایک لٹھے کا تھان ساتھ لے ڈولی منگوا سنجیدہ کے

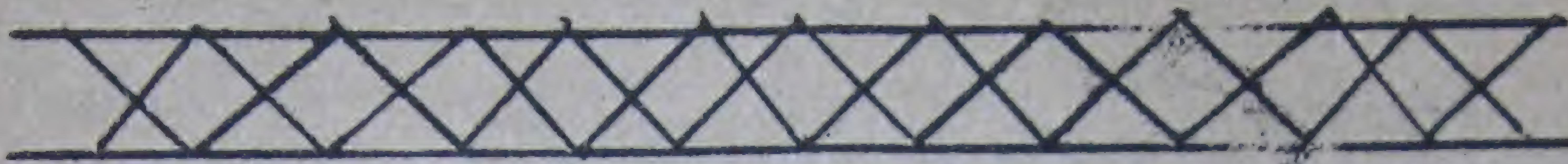
ہاں جا اتریں۔ نسیمہ کو گلے لگایا۔ سینکڑوں دعائیں دیں اور کہنے لگیں۔
"بچی میں تو تیری شاگرد ہونے آئی ہوں۔ وہ جو بی منجھلی کی چادروں میں مچھلی کانٹا ہے میری بھی ایک چادر بنا دو۔"

نسیمہ نے اسی وقت پانچ گز لمبا پھاڑ دو پاٹ کی چادر تیار کی بیچ میں مچھلی کانٹا کیا۔ جب سیون کی جالی پوری ہو گئی۔ پاٹ جڑ چکے تو چاروں طرف سے ایک ایک انگل موڑنا شروع کیا۔ ڈورا دے کر کوک کا بخیہ کیا۔ وہ جو کپڑا مڑ کر پیچھے رہا اس کی کیکری بنائی۔ آگے بازار کی بیل لگائی تینوں پٹیاں کاڑھیں۔ ایک پاٹ کی دو آس پاس چاروں کونوں پر چار بوٹیاں بنائیں۔

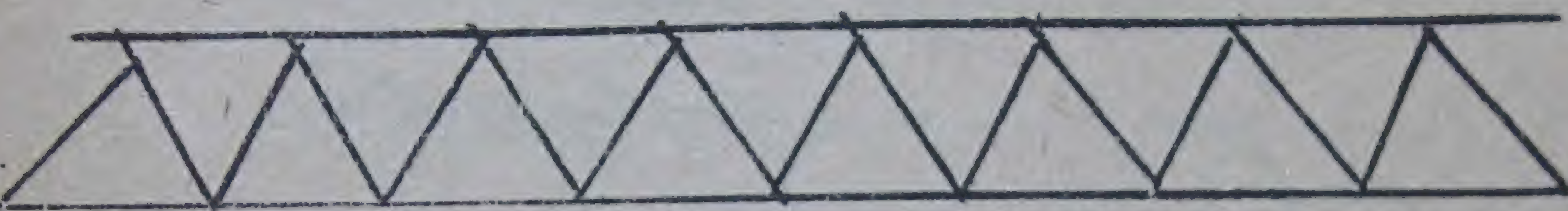
چادر ہو چکی تو بیگم صاحبہ کہنے لگیں "ذرا تم مجھ کو مچھلی کانٹے کی ترکیب بتا دو"۔ نسیمہ نے کہا۔ ابھی لیجیے۔ یہ بھی کوئی کام ہے۔ دیکھیے دونوں پاٹوں کو برابر کیا۔ مگر اس طرح کہ جھول نہ رہے کنّی سے کنّی ملا کر سینا شروع کیا۔ بس اتنی بات ہے کہ سوئی دھاگے کے بیچ میں سے نکل کر کنی پر جاتی ہے۔



یہ دیکھیے الف سے ب تک چلی اور پھر ب سے سوئی پلٹ کر اسی میں سے د کی جگہ ڈال کر س تک نکالی ف سے ق تک لے گئے اور پھر اسی تاگے میں سے پرو کر م تک لائیے م سے ل تک لے گئے پھر اسی میں ت سے پرو کر ن تک لائے اسی طرح چلے گئے اگر تاگے میں نہ نکالو برابر سے سوئی نکالو تو جالی بن جائے گی۔



بات فقط اتنی ہے سوئی ختم کرکے ذرا ہلٹ کر نکال لی۔ مگر بیگم صاحب ایک چیز اور رہ گئی۔ لایئے وہ بھی بتا دوں۔ اسے لیٹا اُورما کہتے ہیں۔ اس میں کچھ بھی ہیر پھیر نہیں نہ تلگے میں نکالو نہ پلٹو۔ سیدھی طرح سُوئی نکالتی چلی جاؤ۔ لیجئے لیٹا اُورما ہو گیا۔

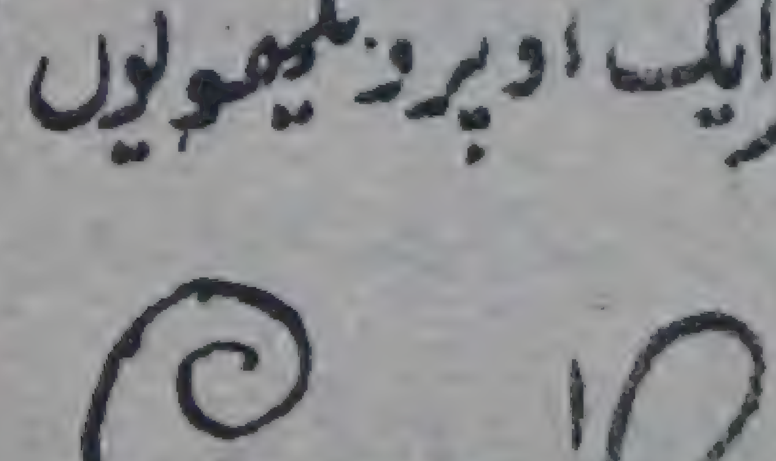


مچھلی کانٹے میں تاگا ذرا ڈھیلا رہے گا کہ خوبصورت معلوم ہو اور جالی میں بھی زیادہ نہ کھچے گا۔ ہاں اُورمے میں بہت کھچا رہے گا اور موٹا ہو گا۔ کنی سے کنی ملی رہے گی۔ اگر کنی نہ ہو دونوں طرف سے باریک موڑ بننا چاہیے۔

ابھی بیگم صاحب بیٹھی تھیں کہ رابعہ کے گھر سے کمر کی کھول کر لڑکی چھپا ہوا کرتہ ہاتھ میں لے کر آئی اور کہنے لگی۔

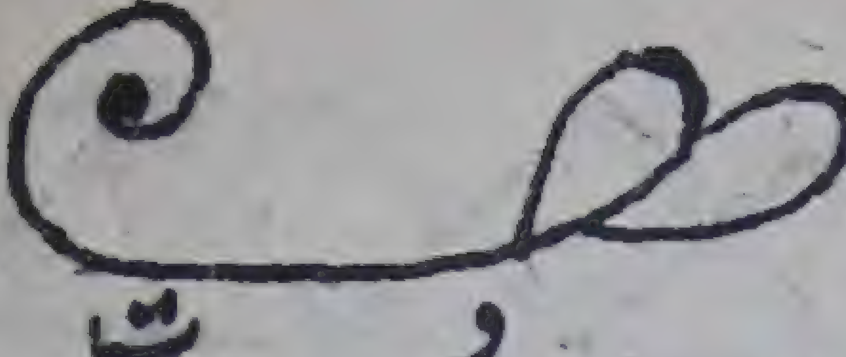
"آپا نسیمہ انگلیاں تو دونوں چھد گئیں اور بُوٹی ایک نہ بنی۔"

نسیمہ نے کہا "بُوا میں نے تو اسی وقت کہا تھا۔ دو چار بیٹیاں تمہارے سامنے بنا دوں تم کہنے لگیں میں سمجھ گئی۔ دیکھو یہ مولسری کی بوٹی کہلاتی ہے صرف دو ٹانکے سے سی جاتی ہے۔ پہلے ایک نیچے نکالا پھر ایک اوپر دیکھو یوں سمجھو یہ بوٹی جڑ کی ہے



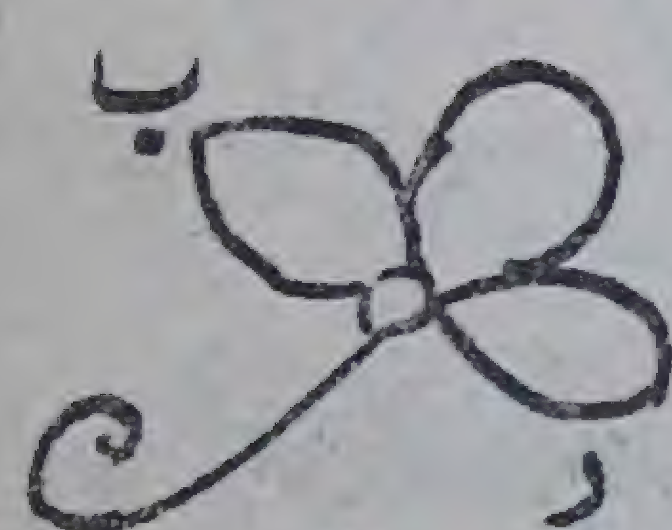
الف سے شروع کیا اور ب تک نیچی بھر کر لائے مگر اس طرح کہ یہ کنڈلی سی

ہے اس پر پھیرتے ہوئے سوئی کو ت



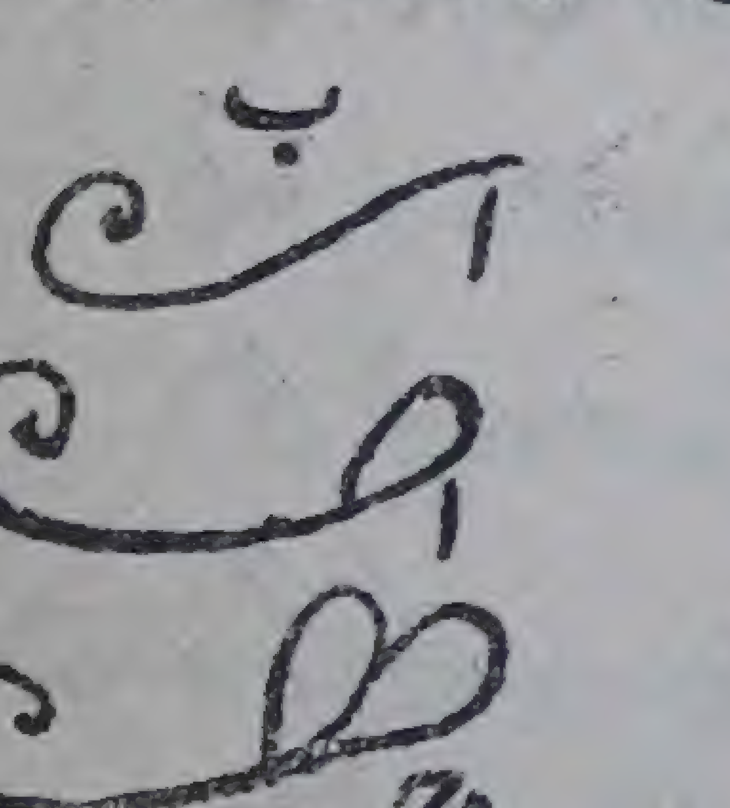
تک لائیے۔

اب ایک ٹانکا جس جگہ د لکھا ہے یہاں نکالا۔ کیونکہ جڑ یعنی ت میں سے نکالا اب یہاں دو ٹانکے جڑ میں ت سے ب تک ٹیپچی کے لیئے کر ٹانکا پتی بنانے کے واسطے وہاں لیا جہاں ج لکھا ہے پھر اس طرح سوئی کو اس پتی کی جڑ میں سے نکالا۔ غرض اس طرح تیسری چوتھی اور پانچویں پتی بنالی۔ اس کے بعد یہ الف سے ب تک خالی ہے۔ اس پر آڑے اوٹے کی نکلے گی۔ یہ تو چھپی ہوئی ہے بہت مشکل نہیں۔

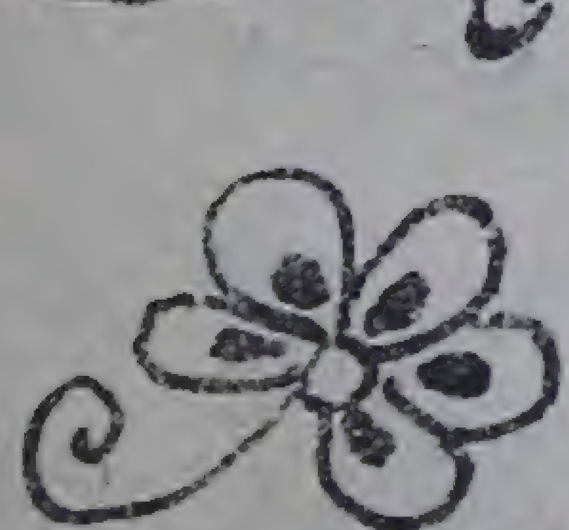


اے لو مولسری ہو گئی اور یہ دیکھو

یہ دوسری بوٹی ٹیپچی کی ہے اسے چوسوئیا کہتے ہیں۔ پتیاں اس میں بھی ہیں۔



پہلے الف سے ب تک ٹیپچی بھری۔ پھر ب سے الف تک سوئی واپس پھیری تو الف کے پاس یہ کنڈلی سی بنالیجیے۔ جڑ تیار ہوئی۔ اب پتیاں بنانی ہیں۔ جڑ یعنی ڈنڈی کے بیچ میں سے جہاں ج ہے۔ پتی بنائی۔ پہلی پتی ج سے د تک گئی۔ دوسری د سے ج تک واپس آئی۔



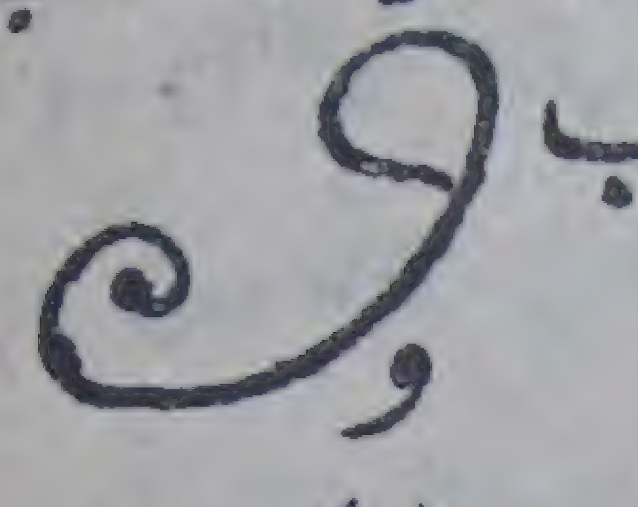
چونکہ بوٹی چوسوئی کہلاتی ہے۔ اس لئے ہر پتی پر چار سوئیاں نکلیں گی۔

یہ بوٹیاں تیار ہو گئیں۔ مگر اتنی بات ہے کہ یہ کچی تیار ہے۔ اگر پکی بنیں گی۔ تو کنڈلی کے بیچ میں سے سوئی سے چھید کر کے اودما بھرا جائے گا۔ ہر پتی پر اودما ہوگا۔ اور ہر ڈنڈی پر بھی لیکن نین سکھ پر کڑھے گی تو بنڈل سے اور جو تن زیب

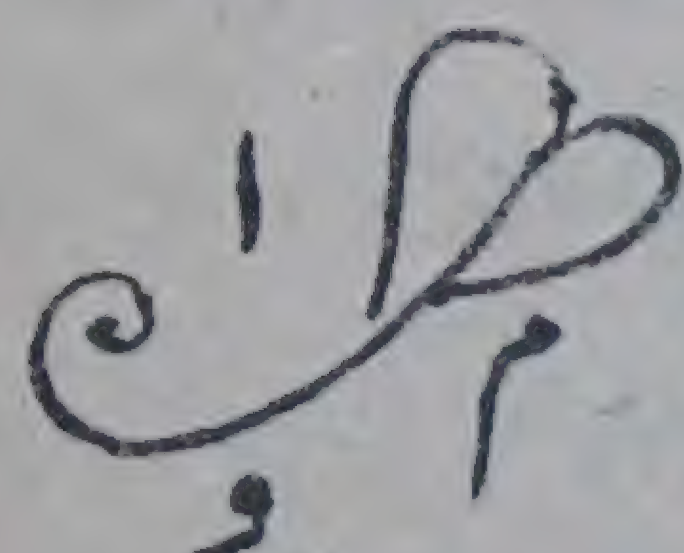
پر کڑھے گی تو باریک تاگے سے یہ جو کنڈلی میں چھید سا
ہے - یہ اُورما ہے۔ لوپکی ہوگئی سب پتیوں پہ اُورما
کر دیا ہے۔ فقط اتنی بات ہے کہ ہر پتی پہ آڑی سوئی
سے اُورما کیا ہے - اب تم ایک اور بوٹی یہ دیکھو۔ اسے



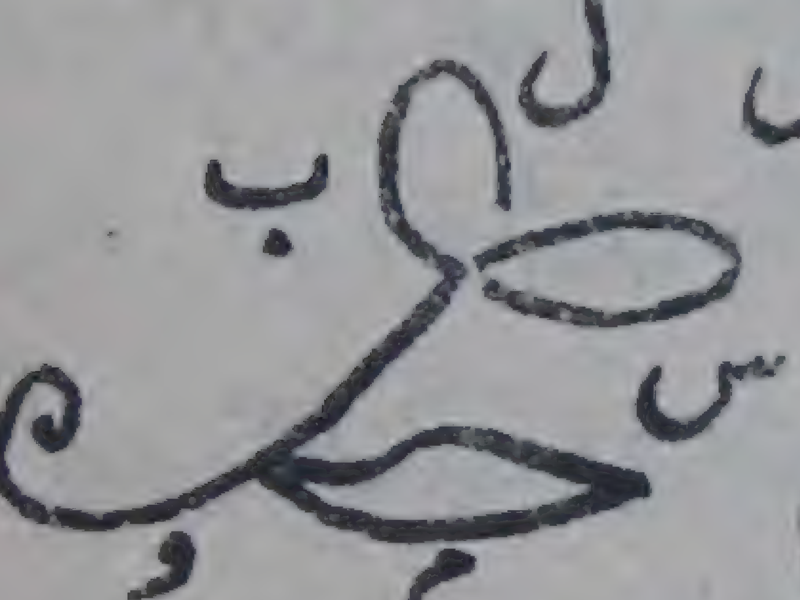
موپے کی جو سیاں کہتے ہیں - یہ اس طرح کڑھتی ہے کہ چاروں سوئیاں اوپر
رہتی ہیں نیچے نہیں آتیں - یعنی جڑ تو اسی طرح بنائی جس
طرح پہلی بوٹیوں میں الف سے ب تک پیچی کی اور کنڈلی
بنا کر سوئی کو د تک پھیر لاؤ - اب جس طرح مولسری کی بوٹی میں جڑ کے بیچ سے
پتی بنائی شروع کی ہے۔ اسی طرح د سے



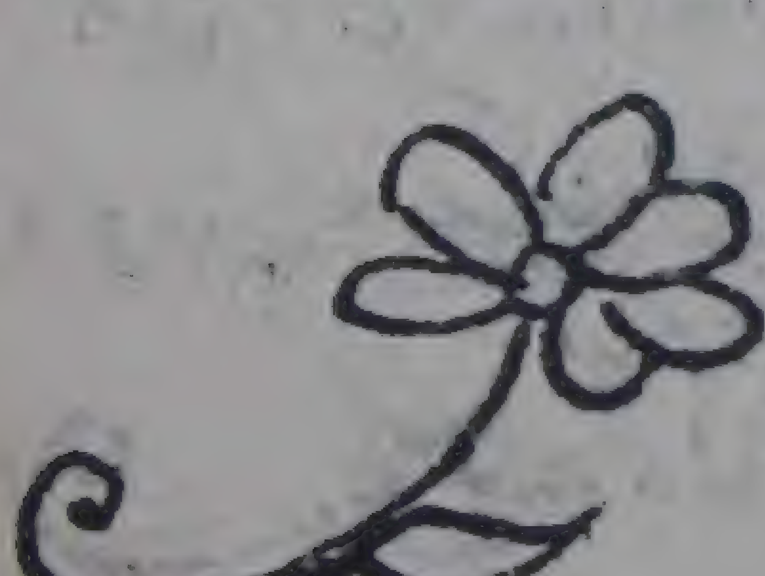
پہلا ٹانکا م پر نکالا - اور دوسرا ٹانکا م د پر نکالا
اب تیسری سوئی اسی ٹانکے میں سے نکلے گی یعنی



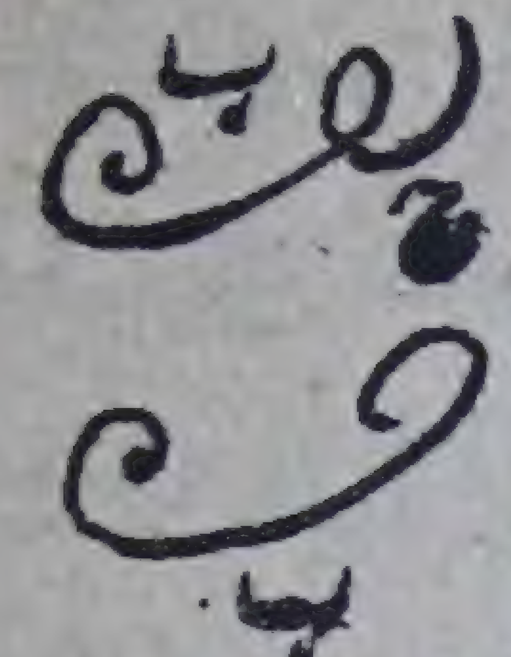
موتیا ہوگی - م میں سے سوئی ہوتی ہوئی د پر آئے گی - اب سوئی ب کی طرف
بڑھی - دو ٹانکے لے کر دوسری بوٹی پر سوئی گئی - دو ٹانکوں
سے مطلب یہ ہے ایک واؤ اور اس کے بیچ میں اور ایک
س پر چنانچہ س جڑیں گئی - اب ٹانکا ل پر نکالا اور دوسرا



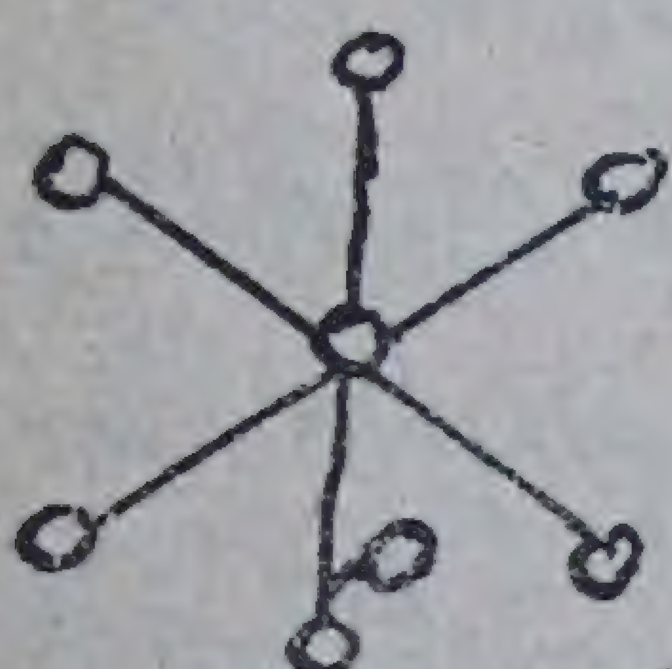
س پر تیسری سوئی ن میں سے ہوتی ہوئی س پر آئی - اب تم سمجھ گئی ہوگی - بس
اتنا خیال رکھو کہ سیدھی طرف سے شروع اور الٹی طرف ختم - ہاں یہ یاد رکھنا کہ
تیسری تاگے کے اندر سے نکلے گی - رہی یہ بیچ کی کنڈلی اس میں اسی طرح جیسا
پہلی بوٹیوں میں تم نے دیکھا - تین چار دفعہ سوئی
پھیر کر چھید کر لیا اور اورما کر لیا - چاہے پتیوں سے
پہلے چاہے پیچھے - اچھا ایک آدھ بوٹی پکی بھی دیکھ لو۔



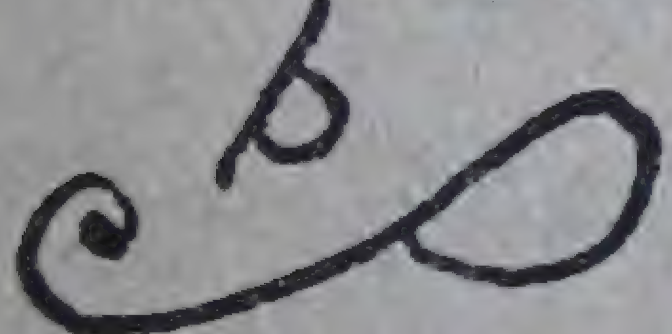
دیکھو خانہ توڑ کے بناتی ہوں پہلے الف پر ادرے کی پکی کنڈلی بنائی پھر سوئی پیچھے



پھر کے ب تک لائے اس پر آڑا اور ما شروع کیا کہ پکی ہو جائے۔ اب جو جڑ کی بنی ہے۔ ج اس کو پکا کیا۔ یعنی آڑا اور ما کیا۔ یہ دیکھو پتی پر آڑا اور ما ہوا ہے۔ پکی ہو گئی۔ اب اس کے بعد پنیاں شروع کیں۔ دیکھو نیچے کی پتی تو اسی قسم کی رہی۔ باقی پنیاں ایسی رہیں گی۔ یہ تو تم کو اختیار ہے چاہے



نیچے ایک رکھو یا دو۔ مگر ہاں یہ خیال رکھنا جب پتی ج کی تیار ہو گئی تو دال کی کے وقت پتی کی ڈنڈی کی جڑ میں جہاں م ہے دو ٹانکے لے کر سوئی سے اوپر جا کر پتی کے بیچ میں چھید کیا۔ پھر برابر چھید میں اور ما شروع کیا پتی میں آڑا ہے، بوٹی میں گول ہو گا۔ اس کے بعد ڈنڈی جہاں دو ٹانکے پیچھے کے لئے تھے اس پر اور ما کر دیا۔ اسی طرح سب پتیوں کو تیار کر لیا۔ یہ تو ہو گئی۔ اب ایک بوٹی پھندے کی جسے بٹن ھ بھی کہتے ہیں۔ جڑ اور ایک پتی



تو اس طرح بنے گی جیسے پہلے، ہاں پتیوں میں فرق ہے دیکھو یہ پہلی پتی ل کی ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے۔ جب جڑ اور جڑ کی پتی بنالی تو پتی ل پر آئے پہلے تو تین چار دفعہ اندر سوئی پھرا کر چھید کر لیا۔ اب چھید میں سوئی نکالی اور ہاتھ کے انگوٹھے سے تاگا دبا کر دوسری پھر نکالی۔ اور چونکہ تاگا دبا ہوا ہے۔ دوسری سوئی تاگے کے اندر سے نکلے گی۔ اسی طرح تیسری سوئی تاگے کے اندر سے نکالی۔ غرض جتنی سوئیاں نکلیں گی کہ پھندا بن جائے۔ غرض اسی طرح سب بنالیں۔ چاہے تین رکھو چاہے چار رکھو"

نسیمہ لڑکی کو سمجھاتی رہی اور بیگم صاحب بھی پاس بیٹھی توجہ سے سنتی رہیں۔

وہ تو پہلے ہی سے نسیمہ کا کلمہ پڑھ رہی تھیں۔ اس وقت بالکل ہی ایمان لے آئیں۔ اور ہزاروں دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوئیں۔

(۲۸)

بھتیجی کو دیکھ دیکھ کر پھوپی کا خون چلوؤں بڑھتا تھا۔ کہتی تھیں "۔ اس بیٹی پر سو بیٹے قربان اور ہیرے لال نثار۔ بارہویں برس کا پورا ہونا تھا۔ کہ کنبہ بھر میں دھاک ہو گئی۔ قیمتی سے قیمتی کپڑے اور مشکل سے مشکل پھول پتیاں جو ساٹھ ساٹھ برس کی بڑی بوڑھیاں دیکھ کر حیران ہوں اتنی سی جان بے جھلپے اور بے نشان اُلٹے ہاتھ کا کرتب سمجھتی۔ سنجیدہ کی گڑیا، تیرہ برس کی عمر میں پچاس سال کی بڑھیا پھوپی سے بازی لے گئی۔ ایسے ایسے ترنج اندربیل دل سے نکالتی اور ہاتھ سے بناتی کہ وہ پھوپی یا اُستانی جو کچھ بھی دنگ رہ جاتی۔

ایک دن دوپہر کے وقت باہر سے نوکر نے گھر کا نلمع[۱] بھیجا۔ اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہا:" یہ پورے بیالیس روپے کا سودا آگیا تول لیجئے اور حساب کر لیجئے۔ دس روپے کے گیہوں پونے گیارہ سیر کے ہیں۔ آٹھ روپے کا گھی ڈیڑھ چھٹانک سیر کا ملا ہے۔ پہلے ان دونوں کو تلوا دو تو اور بتاؤں۔ نسیمہ نے پتیلے کا دھڑا کر کے بھیجد یا تھا۔ دھڑے کے بٹ ترازو میں جوں کے توں رکھے تھے۔ اس نے ماما کی نواسی سے کہا کہ زرا لے گھی تولا۔ تو پونے نو سیر اترا۔ نواسی کہنے لگی۔

" تو چھوٹی بی پونے نو سیر ہے۔ ایک روپیہ کا ڈیڑھ چھٹانک سیر آٹھ روپیہ کا کتنا چاہیئے "؟

---

[۱] کھانے پکانے کا تمام سامان۔

نسیمہ مجھ سے پوچھ رہی ہو خود نہیں حساب کر سکتیں؟ پہاڑے اگر یاد ہیں تو کیا دقت ہے سیر کی سولہ چھٹانک ہوتی ہیں آٹھ روپے کا آٹھ سیر تو الگ ہو گیا۔ اب رہا ڈیڑھ چھٹانک فی روپیہ آٹھ ڈیوڑ بارہ یوں سمجھو آٹھ روپیہ کی آٹھ چھٹانکیں الگ ہوئیں۔ اب رہ گیا آدھی چھٹانک فی روپیہ آدھی چھٹنکیوں کی چار چھٹانکیں۔ چار چھٹانکوں کا پاؤ سیر تو اب جوڑ لو آٹھ سیر ایک، آٹھ چھٹانک ایک، ساڑھے آٹھ سیر تو یہ ہو گیا۔ پاؤ سیر ایک پونے نو سیر ٹھیک تو ہے۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر ڈیڑھ چھٹانک کم سیر ہوتا تو کتنا ہوتا؟ پہلے چھٹنکیوں سے حساب کرو۔ سولہ ڈیڑھ چھٹانک۔ فی سیر کم ہے۔ سولہ چھٹانک نکال دو۔ ساڑھے چودہ رہیں۔ اب آدھی چھٹانک تو الگ کرو۔ چودہ رہیں۔ آٹھ روپے کا حساب کرنا ہے۔ چودہ اٹھے ایک سو بارہ اگر آدھ پاؤ کم سیر ہوتا۔ یعنی چودہ چھٹانک فی روپیہ تو آٹھ روپے کا ایک سو بارہ چھٹانک ہوتا مگر میں پوچھ رہی ہوں۔ ڈیڑھ چھٹانک کم یعنی آدھ پا سے آدھی چھٹانک فی روپیہ اور حساب کر لو۔ آٹھ کے آدھے چار چھٹانکیں اور ہوئیں ایک سو بارہ تو اُدھر ہوئیں اور چار یہ کل ایک سو سولہ چھٹانکیں ہوئیں۔ اس کے سیر بنا لو۔ سولہ ستے ایک سو بارہ۔ سات سیر تو ہو گئے۔ چار چھٹنکیوں کا پاؤ سیر۔ کل سوا سات سیر ہو۔ دیکھو یہی ہے پہاڑہ :۔

	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
دو	دو	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس
تین	تین	چھ	نو	بارہ	پندرہ	اٹھارہ	اکیس	چوبیس	ستائیس	تیس
چار	چار	آٹھ	بارہ	سولہ	بیس	چوبیس	اٹھائیس	بتیس	چھتیس	چالیس
پانچ	پانچ	دس	پندرہ	بیس	پچیس	تیس	پینتیس	چالیس	پینتالیس	پچاس

	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
چھ	چھ	بارہ	اٹھارہ	چوبیس	تیس	چھتیس	بیالیس	اڑتالیس	چون	ساٹھ
سات	سات	چودہ	اکیس	اٹھائیس	پنتیس	بیالیس	انچاس	چھپن	تریسٹھ	ستر
آٹھ	آٹھ	سولہ	چوبیس	بتیس	چالیس	اڑتالیس	چھپن	چونسٹھ	بہتر	اسی
نو	نو	اٹھارہ	ستائیس	چھتیس	پینتالیس	چون	تریسٹھ	بہتر	اکیاسی	نوے
دس	دس	بیس	تیس	چالیس	پچاس	ساٹھ	ستر	اسی	نوے	سو
گیارہ	گیارہ	بائیس	تینتیس	چوالیس	پچپن	چھیاسٹھ	ستتر	اٹھاسی	ننانوے	ایکسو دس
بارہ	بارہ	چوبیس	چھتیس	اڑتالیس	ساٹھ	بہتر	چوراسی	چھیانوے	ایکسو آٹھ	ایکسو بیس
تیرہ	تیرہ	چھبیس	انتالیس	باون	پینسٹھ	اٹھتر	اکیانوے	ایکسو چار	ایکسو چار	ایکسو تیس
چودہ	چودہ	اٹھائیس	بیالیس	چھپن	ستر	چوراسی	اٹھانوے	ایکسو بارہ	ایکسو چھبیس	ایکسو چالیس
پندرہ	پندرہ	تیس	پینتالیس	ساٹھ	پچھتر	نوے	ایکسو پانچ	ایکسو بیس	ایکسو پینتیس	ایکسو پچاس
سولہ	سولہ	بتیس	اڑتالیس	چونسٹھ	اسی	چھیانوے	ایکسو بارہ	ایکسو اٹھائیس	ایکسو چوالیس	ایکسو ساٹھ

اور یہ دونوں سطریں تو یاد ہوں گی یا اس میں بھی سوچنے کی ضرورت ہے۔

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

اتنا البتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تولہ ماشے تو ہر وقت ہر گھر میں ہوتے نہیں۔ اگر تولہ بھر تولنا ہو تو روپیہ۔ چھٹانک بھر تولنا ہو تو پانچ روپے بھر تول لیا۔ ایک حساب اور بتاؤ۔ اگر گھی ڈیڑھ چھٹانک کے بدلے ڈھائی چھٹانک کم ہوتا اور آٹھ کے بجائے سات روپے کا ہوتا تو کتنا ہوتا۔ دیکھو سولہ چھٹانک کے بدلے ڈھائی چھٹانک کم کرو۔

ساڑھے تیرہ رہیں۔ سات کا حساب کرنا ہے۔ تیرہ ستے اکیانوے اور ساڑھے تین۔ ساڑھے چورانوے۔ اب چھٹنکیوں کے سیر بنالو۔ سولہ چھکے چھیانوے ہوتیں تو چھ ہوتے۔ اب یہ ساڑھے چورانوے ہیں یعنی ڈیڑھ چھٹانک کم۔ تو اسے تو حساب ہوگیا ڈیڑھ چھٹانک کم چھ سیر۔ اچھا اب گیہوں تو لو۔ پونے گیارہ سیر کہہ رہا ہے۔ دس روپے کے کتنے ہوں گے۔ گیارہ دھائی ایک سو دس ہوتے۔ اب پونے گیارہ ہیں یعنی پاؤ سیر کم۔ دس پوسیروں کا کیا ہوا۔ ڈھائی سیر ایک سو دس میں سے ڈھائی نکال لو۔ ایک سو ساڑھے سات سیر ہوئے۔ اس کے من بنالو۔ دو من اسی سیر کے ہوگئے باقی بچے ساڑھے ستائیس سیر اس کے دھون بناؤگی تو بیس سیر کا دھون۔ دو من ایک دھون ساڑھے سات سیر ہوئے دھڑی بناؤ تو پانچ سیر کی دھڑی چاہیے دو من ساڑھے پانچ دھڑی رکھ لو چاہیے۔ دو من ایک دھون ڈیڑھ دھڑی رکھ لو۔

نواسی۔ (نواسا کر) اچا ہاں چھوٹی بی ٹھیک ہیں۔ ذرا سے اٹکتے ہیں۔"

نسیمہ خیر تو اس کا خیال نہ کرو۔ چھٹانک آدھی چھٹانک پیچھے کے اِدھر اُدھر ہوگئے تو جانے دو یہ تو تم جانتی ہو تین ادھلیوں کا ڈیڑھ پا تین چھٹنکیوں کا پون پا اور ہاں یہ تو بتاؤ اگر یہ گیہوں سوا چودہ سیر کے ہوتے تو دس روپے کے کتنے ہوتے دیکھو چودہ دھائی ایک سو چالیس اگر چودہ سیر کے ہوتے تو سیدھا حساب تھا۔ اب یہاں سوا چودہ ہیں۔ پاؤ سیر بڑھتی ہیں۔ دس پوسیریوں کے ڈھائی سیر اور زیادہ کرلو۔ ایک سو چالیس سیر کے ساڑھے تین من ہوئے۔ انھیں چالیس پہ تقسیم کرلو۔ چالیس ستے ایک سو بیس۔ تین من تو الگ ہوگئے۔ بیس سیر یا دھون بھر یا چار دھڑی الگ ہیں۔ ساڑھے تین من سمجھو۔ اب ڈھائی سیر رہے۔ لو حساب پورا ہوگیا۔

اچھا اور بتاؤ ایک چیز چودہ آنے سیر ہے۔ پون پا کتنے کی ہوئی۔ اور پاؤ بھر

گننے کی سنو ایک بہت آسان طریقہ بتاتی ہوں۔ یہ تم کو معلوم ہی ہے تین پائی کا ایک پیسہ چار پیسہ کا ایک آنہ سولہ آنے کا ایک روپیہ پندرہ روپیہ کی ایک اشرفی جس کو گنی سورین پونڈ بھی کہتے ہیں۔ لو اب چیز کے نام گنو چودہ آنے کی سیر ہے نا۔ ان چودہ آنے کے پیسے بنا لو۔ چودہ چوک چھپن پیسے ہوئے۔ یعنی ایک چیز چھپن پیسہ کی سیر بھر۔ اٹھائیس پیسے کی آدھ سیر، چودہ پیسے کی پاؤ سیر۔ اس میں سے چھٹانک بھر کے دام نکالو۔ پون پا کے معلوم ہو گئے۔ چھٹانک بھر کے بڑھا دو۔ سوا پا کے معلوم ہو گئے۔ چودہ میں سے ساڑھے تین پیسے نکلے۔ دھیلہ ڈھائی آنے رہے۔ یہ پون پا کی قیمت ہوئی۔ لو اب یہ دال چاول سب تول لو۔ مونگ کی دال ایک آنہ روپے کی آٹھ سیر سوا چار روپے کی بتیس سیر ہوئی۔ ٹھیک ہے۔ مرچیں اچھی سرخ پٹنے کی کھلے بھاؤ چھ آنے سیر بک رہی ہیں۔ سوا سیر ساڑھے سات آنے کی ہوتیں۔ یہ پیلے آٹھ آنے کی کس حساب سے بتا رہا ہے۔

نئی چھالیہ کس نے منگائی تھی آدھی سے زیادہ گلی نکلتی ہے یہ تو یونہی الٹی پھیر دو۔ بیوقوف کہیں کا، جا نا بڑی بی کہنا بارہ مہینے کا لانے والا ہیں کبھی نئی چھالیہ منگاتی ہوں؟ پرانی لا۔

دیکھو کتھہ بھی اڑتا ہوا ہے۔ کمبخت آنکھیں بند کر کے کیوں سودا لاتا ہے۔ کیوں رے کریم یہ کتھا پاؤ سیر ہے۔ سوا روپیہ کے دام اور پھر بھی اڑتا ہوا؟ دیکھے نہ بھالے تولے نہ جوکھے۔ جو دوکان دار نے دیا آنکھیں بند کیں اور لے آیا۔ تجھے بھی ہیروں پھیروں کا مزہ پڑ گیا ہے۔ بس اب کا گیا گیا شام کو پلٹیو مفت کا پیسہ تو نہیں ہے کہ جو تو لے آئے وہ میں رکھ لوں۔ کوئی ایسا سینکڑوں کوس بازار نہیں کہ چلتے ہی چلتے آنا جانا ہے۔ نگوڑی دو قدم پر منڈی۔

ہاں یہ ارہر کی دال نو سیر کی کیوں کر آئی۔ پرسوں ہی تو نصیبا، بھائی کے

یہاں نئی دال سوا دس سیر کی لائی تھی۔ بختے مرد کی صورت دیکھ کر اور سوا سیر کم کر دی جا اس کو بھی پھیر۔ عورت ذات تو لائے سوا دس سیر یہ سو رما نو ہی سیر اٹھا لائے یہ چنے تیرہ سیر بارہ آنے کے کس حساب سے ہوئے۔ دنیا جہان میں پونے اٹھارہ بک رہے ہیں۔ ایک روپیہ کے پوتے اٹھارہ سیر۔ آٹھ آنے کے آدھ پا کم نو سیر چار آنے کے چھٹانک کم ساڑھے چار سیر جو چار آنے کے ہوئے۔ وہ پونے اٹھارہ میں سے نکال دو۔ باقی بارہ آنے کے رہ جائیں گے۔ نو پونے اٹھارہ میں سے چار سیر گئے پونے چودہ رہے۔ اس میں سے آدھ سیر اور نکالو۔ سوا تیرہ رہے۔ مگر نکالے ہیں۔ چھٹانک کم آدھ سیر اور نکالے پورے آدھ سیر سوا تیرہ سیر میں چھٹانک بھر اور ملاؤ سوا پا ہوئے۔ یہ فقط تیرہ سیر ہیں۔ سوا پا کہاں غارت ہوئے جب کمبخت سودا لائے گا۔ ایسا ہی خاک اڑا لائے گا۔ آدھا پاؤ اونا پونا۔ جو ہاتھ لگا لایا۔ اور پٹخ دیا۔

غضب خدا کا یہ چو سیرے چاول ہیں۔ موٹے کھردے۔ بھائی اتنا کھا جتنا آٹے میں نمک۔ بی نواسی اب یہ سب چیزیں مٹکے ٹھلیوں میں بھر کر کوٹھڑی میں رکھ قفل لگا دو۔ مہینہ بھر کا سامان ہے۔ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مہینے بھر کا ملمع گھر میں موجود ہو۔ ابھی ایندھن باقی ہے۔ اللہ چاہے کل وہ بھی منگوا لیں گے۔

گیہوں بھی سیلے معلوم ہوتے ہیں پہلے ان کو اچھی طرح سکھا لینا۔ پھر پسنہاری کو تول کر دینا مگر بیسن کی ایک چٹکی بھی گھر میں نہیں ہے۔ چنے تو کل ہی سکھا چھان پھٹک پسنہاری کے حوالہ کر دو۔ ایک دفعہ ہی اکٹھے پسوا لو۔ روز روز کی کہاں تکلیف اٹھاؤ گی۔ بڑی بی تو اور قسم کی آدمی تھیں۔ یہ لمبی بڑھیا مجھے ذرا چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ پرسوں بھی روٹیوں کی تہئی کی تہئی مٹکے میں سے نکال کر لائی ہوں۔ تم ذرا ہشیار رہنا۔ چیز نہ رکھوائیٹی اور چوروں گالی دو۔ اس پر کوٹھڑی

نہ چھوڑنا۔ چیز نکلوانی ہوئی اپنے سامنے نکلوائی اور قفل لگوا دیا۔ احتیاط کرو گی۔ تو مہینہ بھر سے ایک آدھ دن زیادہ ہی کا سودا ہے۔ پھوپی اماں بہت اچھا کرتی ہیں کہ مہینہ بھر کا سودا منگا لیتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی گئی اور بنئے کے ہاں سر جنس آ گئی۔ خیر نہ برکت، حاصل نہ فائدہ۔ سیر کا تین پاؤ تو بنئے نے بھڑایا۔ چھٹانک آدھ پاؤ۔ مالا نے ہضم کیا۔ روٹی پکی تو کیسی کہ دانت نہ دیا جائے کرکرا، بے حساب بُرے سے بُرا اور خراب سے خراب۔ خشکی ٹھہر گئی تو اب بنئے کی دوکان پر دوڑے جاؤ۔ گھی ہے وہ آدھا چربی آدھا تیل۔ مہینہ بھر تک قرض کا پھیر رہا۔ تنخواہ آئی۔ اور ریوڑیوں سی بٹ گئی۔ پھر وہی بنئے کی منت اور خوشامد۔

پھوپی اماں کہتی ہیں۔ چاہے سوکھا آٹا اور روکھی دال کیوں نہ ہو۔ مگر اکٹھی بھر والے۔ سالن نہ ہوگا۔ دال وال نہ ہو، چٹنی۔ دو وقت نہیں ایک وقت۔ وقت پر نہیں بے وقت، گھر میں چیز تو ہر وقت موجود ہوگی۔ وہ اس تکلیف کو آرام سے اور اس روکھی کو اس روغنی سے ہزار درجہ بہتر اور برتر سمجھتی ہیں۔ اب دیکھو چاروں طرف تلا توپ ڈال رکھی ہے۔ ایک ایک سے کہہ رہی ہیں۔ صبح بھی بھائی اقبال کو ٹال پر بھیجا تھا کہ ایندھن اکٹھا پڑ جائے۔ اول تو سادھے ہی دنوں میں ان کی عادت ہمیشہ یہی رہی اور پھر آج کل تو سر پر برسات آ رہی ہے۔ بازار میں بھیگے چوڑا اُپلے، سیلی لکڑیاں بیٹھے پھوں پھوں کرتے رہو۔ تکلیف کی تکلیف نقصان کا نقصان۔ سٹی کے تیل کی انھوں نے کبھی بوتل نہیں منگوائی۔ ہمیشہ کنستر۔ ایک بوتل کا فائدہ رہتا ہے۔ اور پھر تیل اچھا۔ یہ نہیں کہ آج دھواں ہے کل چمنی کالی ہو گئی۔ پرسوں پانی ملا ہے۔ کوڑیوں اور پیسوں کے حساب کو تم ادنیٰ چیز نہ سمجھنا۔ زیروں سے خیر اور کوڑیوں سے روپے بنتے ہیں۔ بوندیاں بوندیاں تلاب بھرتا ہے۔

ہاں ظہورن! اشرفی میں سے کیا کیا لائیں؟ دو روپے گیارہ آنے کا کنستر پونے چودہ آنے کا بان۔ کیا ہوا گیارہ آنے اور پونے چودہ آنے یہ پچیس ہوئے۔ ایک روپیہ نو آنے بلکہ ایک پیسہ کم۔ دو روپے ادھر کنستر کے ہیں۔ تین روپے پونے نو آنے ہوئے پیسہ کی پچکیں پورے نو آنے ہوئے۔ پانچ پیسے کا بنڈل سوا دس آنے۔ تین کی ریل پورے گیارہ آنے یعنی تین روپے گیارہ آنے کا سودا آیا۔ ساڑھے پانچ آنے کے دو مٹکے۔ پونے تین آنے چلو دو پیسے چار روپے ہوئے باقی دس روپے ساڑھے پندرہ آنے لاؤ۔"

پھوپی پاس بیٹھی سن رہی تھیں اور خوش ہو رہی تھیں۔ کہ نسیمہ نے کس خوبی سے نواسی کو حساب کی باتیں سمجھائی ہیں۔ جی میں آیا کہ نسیمہ کو کچھ باتیں اور سمجھا دے۔

"اچھا نسیمہ میں تم سے ایک بات پوچھتی ہوں۔ سوچ کر جواب دینا۔ دیکھو ٹھیک ٹھیک بتانا۔ بیس آدمیوں کی دعوت ہے۔ بریانی قورمہ شامی کباب تین چیزیں تیار کرنی ہیں۔ بتاؤ کیا کیا چیز کتنی درکار ہوگی ...... تم تو بالکل ہی چپکی ہو گئیں۔

تو سنو میں بتاؤں فی آدمی ڈیڑھ پاؤ رکھو۔ بیس ڈیڑھ پاؤں کا کیا ہوا؟ پو سیری کے حساب تو پانسیر ہوئے۔ یہاں ہیں ڈیڑھ پا یعنی آدھ پا بیس آدھ پاؤں کا ڈھائی سیر۔ پانچ دہ، ڈھائی یہ ساڑھے سات سیر ہوئے۔ پانچ سیر چاول رکھو ڈھائی سیر آٹا ہو گئے ساڑھے سات سیر۔ اب جنس لو۔ سیر کو پو سیری گھی چاولوں کا ہوا۔ اب بریانی کا گوشت لو۔ دگنا ٹھیک ہوگا؟ دس سیر ڈالو سنو زعفران تولہ بھر الائچی آدھی چھٹانک۔ نمک پون پا لہسن پیاز سیر بھر۔ کیوڑہ پاؤ سیر اب رہا قورمہ سوا سیر گوشت ڈھائی سیر آٹے کو بہت ہے۔ سالن میں ڈیڑھ پا

گھی - باقی ہلدی مرچیں دھنیا۔ لہسن پیاز دہی معمولی دو سیر کبابوں کا گوشت۔ سمجھو وہ ابل کر پس کر رہ ہی کیا جائے گا۔ ہاں یاد رکھنا کہ چار پانچ انڈے ضرور ڈال لینے چاہئیں۔ اس سے کباب ٹوٹیں گے نہیں بلکہ خوب پھولیں گے۔ تین پاؤ گھی رکھو۔

لو بھائی رحیم آ گئے۔ کل سے یاد کر رہی تھی۔ تین آدمی بھیج چکی ہوں۔ لو بیٹی تم لکھتی جاؤ میں سب کپڑا لکھوا دوں۔ دم بھر میں جا کر لا دیں گے۔ پھر میں کس کس کی منتیں کرتی پھروں گی۔ پھر بھائی رحیم جیسا کپڑا لانے والا۔ کہ دوکان کی جان نکال لاتے ہیں۔ لکھو ایک تھان ململ کا ساڑھے انیس گز کا سوا چار آنے گز کے حساب سے بھائی ایک عرض دیکھ لینا۔ چھ دوپٹہ بن جائیں گے۔ اچھا بی اب اپنی اوڑھنیاں لکھو۔ ڈھائی گز کی رہیں گی۔ وہی ایک عرض کی سوا گز پنے والی پونے چار آنے گز کے حساب سے ایک تھان پورا پونے انیس گز کا۔ اب رہے کرتے آٹھ میرے آٹھ تمہارے ایک تھان سکھیا کا۔ ایک ڈوریئے کا۔ سکھیا ساڑھے پانچ آنے گز کا سوا بارہ گز تھان ہوتا ہے۔ ڈوریا وہی ساڑھے تین آنے گز والا دس گز کافی ہوگا۔

اچھا بھائی صاحب! اب آپ تو تشریف لے جائیے۔ تو بیٹی اب تم حساب کرو کتنے کا سب کپڑا ہوا؟ منہ زبانی کو رہنے دو۔ لاؤ یہ سلیٹ پنسل ادھر لاؤ۔ میں بتاتی جاؤں تم لکھتی جاؤ پھر سب جوڑ لینا۔

ایک	دو	تین	چار	پانچ	چھ	سات	آٹھ	نو	دس	گیارہ	بارہ	تیرہ	چودہ	پندرہ	سولہ	سترہ	اٹھارہ	انیس	بیس
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	11	12	13	14	15	16	17	18	19	20

یہ ہندسے تو اردو انگریزی کے تم کو یاد ہی ہیں۔ بس اب تم لکھتی جاؤ اور

میں لکھواتی جاؤں۔ شروع سے چلو۔ململ کا تھان ساڑھے انیس گز کا سوا چار آنے گز کے حساب سے میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ سولہ گرہ کا ایک گز ہوتا ہے۔ دیکھو یہ نقشہ بھی دکھا دیتی ہوں۔ بھول گئی ہو تو یاد کر لو۔

انچ	فٹ	فٹ	گز	گز	میل	میل	کوس	فرلانگ	کوس
۱۲	۱	۳	۱	۱۷٦٠	۱	۲	۱	۸	۱

میں نے تم کو جب ہم ایک دفعہ سیر سے واپس آرہے تھے تو رستے میں چھوٹے چھوٹے پتھر دکھا کر کہا تھا کہ یہ فرلانگ ہیں۔ جب سات پورے ہو جاتے ہیں۔ تو آٹھویں پر میل آتا ہے اور ایک میل سے دوسرے میل تک سترہ سو ساٹھ گز کا فاصلہ ہوتا ہے۔ خیر اس وقت تم کپڑے کا حساب کرو۔ ہاں تو سوا چار آنے گز کے حساب سے ساڑھے ۱۹ گز کی قیمت نکالنی ہے۔ اس کے دو قاعدے ہیں یا تو بیس تک کے پہاڑے یاد ہوں یا ضرب سے نکالو۔ انیس کا پہاڑہ یاد ہے۔ انیس چوک چھہتر تو ایک آئے۔ مگر چونکہ سوا چار آنے ہیں ایک پیسہ کے حساب سے انیس پیسے ایک ہوئے یہ چھہتر آنے انیس پیسے ۱۹ گز کی قیمت ہوئی۔ چھہتر آنوں کے روپے بناؤ۔ اور انیس پیسوں کے آنے پھر روپے بنا لو۔ سولہ چوک چونسٹھ کے بعد بارہ بچتے ہیں۔ یعنی چونسٹھ اور بارہ چھہتر تو چار روپے بارہ آنے تو یہ ہوئے۔ اب رہے انیس پیسے پونے پانچ آنے یہ ہوئے دونوں کا جوڑ پانچ روپے تین پیسے ہوا۔ پورے ۱۹ گز تمھاری اوڑھنیوں کا تھان پونے چار آنے کے حساب سے یہ بھی اسی طرح نکالو چار آنے گز ہوتا اور انیس گز ہوتا تو وہی انیس چوک چھہتر۔ چار روپے بارہ آنے تھان میں پونے چار آنے یعنی ایک پیسہ کم بس تو انیس پیسے نکالو۔ چار روپے بارہ آنے میں سے پونے پانچ آنے گئے تو چار روپے سوا سات آنے رہ

اب چونکہ تھان پورے دس گز کا ہے اور یہ قیمت ۱۹ گز کی۔ اس لئے پاؤ گز کی قیمت اور کم کرو۔ گز بھر کے پورے چار آنے آدھ گز کے دھیلا سات پیسے پاؤ گز کے دمڑی کم چار پیسے تو چار روپیہ سوا چھ آنے اور ایک دمڑی ہوئی۔ اب سیکھیا اور ڈوریا تو سیکھیا ساڑھے پانچ آنے گز سوا بارہ گز کی قیمت چھیاسٹھ آنے۔ یعنی چار روپے دو آنے ہوئے پاؤ گز کی قیمت تین پیسے کل ہوئے چار روپے سوا تین آنے اور ایک دھیلا ڈوریا ساڑھے تین آنے گز کے حساب سے دس گز تیس دھائی تیس آنے جس کے ایک روپیہ چودہ آنے دو پیسہ کے حساب سے دس گز کے پانچ آنے۔ کل مل کر دو روپے تین آنے اور سب کو جمع کر دو۔

دمڑی	دھیلہ	پائی	آنے	روپیہ	
۰	۱	٦	۳	۵	میرے دوپٹوں کی ململ
۱	۱	۳	٦	۴	نیہ کی اوڑھنیاں
۰	۲	۳	۳	۴	سیکھیا
۰		۰	۳	۲	ڈوریا
۱	۰	۹	۱۵	۱۵	کل میزان

جمع کرنا تو کوئی مشکل کام نہیں پہلے سب دمڑیاں جوڑ لو دو جوڑ دی گئی کیا کل تو ہے تھا ایک، کی ایک لکھ لو اب دھیلوں پر آ کو اور ایک اور ایک دو ہو گئے۔ مگر دو دھیلوں کا تو ایک پیسہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں کچھ نہ رہا ہاں ایک پیسہ جو ہو وہ پائیوں میں جوڑ لو گے۔ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ دو دھیلوں کا ایک پیسہ ہو گیا اس لئے کہ جو کچھ جمع ہو کر آیا ہے اس کو دو پر تقسیم کیا۔ اس لئے کہ دو دھیلوں کا ایک پیسہ ہوتا ہے تقسیم کر دی اگر کیا دو دکن دو غرض ایک حاصل ہوا اور بچا کچھ بھی نہیں اس لئے خالی نقطے دیدیئے۔ اب پیسہ جو ہاتھ لگا۔ اس کو پائیوں میں جوڑیں گی کس طرح

یہ پیسہ وہ پائیاں۔ اس کا ان کا کیا جوڑ۔ برابر کی چیزیں جمع ہوتی ہیں پیسے پیسوں
میں پائیاں پائیوں میں تو اب جو یہ ایک پیسہ جوڑتا ہے اس کی بھی پائیاں ہی بنالو
تین ہوئیں اب ان کو جوڑو نیچے دیکھو پائیوں کے خانے پر نظر رکھو تین اور نو بارہ
بارہ تین پندرہ اور تین اٹھارہ۔ اب اٹھارہ پائیوں کے آنے بناؤ۔ بارہ پائی
کا آنہ اٹھارہ کو بارہ پر تقسیم کیا۔ بارہ اکن بارہ چھے باقی بچے ان چھ کو پائیوں میں
رکھو ایک آنہ حاصل ہوا۔ اب اس ایک آنہ کو آنوں میں جوڑو ایک اور دو تین
تین اور چھ نو اور تین بارہ، اور تین پندرہ یہ پندرہ کے پندرہ ہی رہے۔ اس لئے
آنوں میں پندرہ لکھو۔ آنوں کا کچھ حاصل تو ہوا ہی نہیں۔ جو روپیوں میں جوڑو
فقط روپے ہی روپے جوڑ لو۔ پانچ اور چار نو۔ اور چار تیرہ، تیرہ اور دو پندرہ
بس روپے پندرہ ہوئے۔ روپوں میں لکھ دو کل کیا ہوا؟ پندرہ روپے پندرہ
آنے چھ پائی ایک دمڑی تو یہ سب کپڑے کی قیمت ہوگئی۔

(۲۹)

نسیمہ تو خیر بیٹی بھتیجی شاگرد سب ہی کچھ تھی۔ سنجیدہ کی نسبت سے
جتنا کچھ بھی ہوتی تھوڑا اور کم۔ وہ بڑھیا ماما کی نواسی جو بیچ گستاگروں کی
طرح آئی۔ اور گنواروں کی طرح رہی۔ ایک سنجیدہ کے فیض تربیت سے بندروں
میں پتھر سے پارس۔ پیتل سے کندن، غرض دیکھتے ہی دیکھتے کچھ سے کچھ ہوگئی
شروع شروع میں تو بہت اکڑی اور اکڑنے کی بات ہی تھی۔ آئی یہ سمجھ کر کہ نسیمہ
برابر کی سہیلی کھیلوں گی اور کھاؤں گی۔ یہاں آکر دیکھا تو صبح سے شام تک کام ہی
کام۔ دن رات اسی تاک میں رہی کہ بس چلے تو رسی تڑا تڑا کر ایسی بھاگوں۔ کہ ملنا
تو درکنار نام تک نہ لوں۔ مگر ادھر نانی کا انکس ادھر سنجیدہ کا قبضہ۔ کچھ ایسی پھنسی
کہ پھڑپھڑائی بھی پھڑپھڑائی مگر نہ چھوٹنا تھا اور نہ چھوٹی لیکن یہ گھبراہٹ اور بھڑک

کچھ ہی دن کی بھی تھوڑے روز بعد روک ٹوک میں کمی۔ کھانا ملا اچھا۔ دل لگ گیا۔ پھر نسیمہ جیسی لڑکی کا ساتھ۔ بات کی تو چمکار کر اور کام لیا تو پیار سے۔ نواسی کی تو یہ کیفیت ہوئی کہ اس گھر پر پروانہ تھی۔ آٹھویں، دسویں، پندرھویں، بیسویں نانی کی زبردستی ملنے گئی۔ گھڑی آدھ گھڑی بیٹھی اور چلی آئی۔ ہر چند گھر والے کہتے کہ اب آئی ہے تو رات کی رات پڑ رہ۔ نماز دم چلی جائیو۔ مگر اس کا یہ حال تھا کہ باتیں ماں سے کر رہی ہے۔ اور دھیان نسیمہ میں پڑا ہے۔ بے سری بے تکی۔ آئیں بائیں شائیں۔ ادھر اُدھر کی ہاں میں ہاں ملائی خیر صلاح خیر و عافیت کہہ سن پوچھ پاچھ۔ اٹھی اور چلتی ہوئی۔

خدا کی شان ماما کی نواسی قلعی گر کی لڑکی اور یہ بھاگ کہ سنجیدہ نسیمہ اپنے ہاتھ سے سر دھلائیں۔ بھلے کے پاس بیٹھے چبائے ناگر پان۔ بُرے کے پاس بیٹھے کٹائے ناک کان۔ وہی نواسی جس کی آنکھوں میں پہلے دن ڈھیروں چیپڑ تھے۔ ایک سال ہی بھر میں ایسی ہو گئی کہ بے جگائے اور بے بلائے سنجیدہ سے پہلے نماز کو اٹھتی۔ اور نسیمہ کے ساتھ قرآن لے کر بیٹھتی۔ خدا کی قدرت یاد آتی جس لڑکی کے ہاتھ کے چھوئے بیر نہ کھائے آج وہ نہ صرف اچھی صحبت اور تربیت کی بدولت اس قابل ہو گئی کہ جس گھر میں جا نکلی عزت اور جس خاندان میں پہنچ گئی وقعت۔ بڑی بڑی بیویاں اور رئیس زادیاں اس کی خاطر و مدارات اور آؤ بھگت کریں۔ نواب علی نقی صاحب کی بیگم نے ایک دفعہ نہیں۔ بارہا کہلا بھیجا کہ اگر نواسی زیادہ نہیں ایک چار گھنٹے میری بچی کے پاس آ بیٹھا کرے۔ تو خیر اس کے قابل تو نہیں ہے۔ مگر پندرہ روپیہ مہینہ کپڑا جیسا بُرا بھلا مجھ کو میسر ہو۔ روٹی جیسی روکھی سوکھی مجھ کو نصیب ہے حاضر ہے۔ مگر نواسی تو پندرہ کیا اگر پندرہ سو بھی کوئی دیتا تو نسیمہ کو خوشی سے چھوڑنے والی نہ تھی۔ اس کی کیفیت تو یہ تھی کہ اگر دم بھر بھی

نسیمہ اِدھر اُدھر ہو جاتی تو بالکل بے چین۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دو جڑواں لڑکیاں ہیں۔ جو کبھی کبھار وہ بھی مشکل اور زبردستی سے علیٰحدہ کردی جاتی ہیں۔ وہی گھر اور وہی گھر کا کام جس میں دونوں پھوپی بھتیجیاں اور دو ایک ماما دن بھر پلے رہتے۔ اب اکیلی نواسی کے سر تھا۔ اگر یہ کہنا غلط ہے کہ اپنی آلکسی سے تو یہ کہنا یقیناً صحیح ہے کہ نواسی کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے نسیمہ نے دوسرے سال بالکل ڈھیل دیدی۔ سلیقے کا شوق ایسا لگا کہ ہفتوں باورچی خانہ میں آکر جھانکتی تک نہیں۔ اگر نواسی سے کچھ بھول چوک ہو بھی گئی تو دور ہی بیٹھے بیٹھے حکم دے دیتی یا ہدایت کردیتی سب سے بڑی جیت یہ تھی کہ نواسی کچھ ایسی بلا کی ذہین واقع ہوئی تھی کہ جو بات نسیمہ کے دل میں ہے وہ نواسی کے منہ پر۔ پھر کیا ضرورت تھی کہ نسیمہ اپنے شوق کو اینڈ اور وقت کو ضائع کردیتی۔ جو سیکھنا تھا سیکھ لیا ایسا سیکھا اور اتنا سیکھا کہ نواسی گنواری کو بیگم بنا دیا۔ بڑی بی کے فرشتوں کو بھی یہ وہم و گمان نہ تھا کہ نواسی جو دن بھر گلیوں میں ننگے پاؤں اور گھر میں ڈیڑھ گز کی چھلانگیں مارتی پھرتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایسی ہو جائے گی۔ کہ کنبہ بھر میں اس کا شہرہ محلہ میں اس کی دھاک اور شہر بھر میں اس کا چرچا ہوگا۔ ایک وقت وہ تھا کہ جدھر گئی۔ دُر دُر اور جس طرف پہنچی پھٹ پھٹ۔ ایک آج کا دن ہے کہ اپنے تو سر پر بٹھاتے ہی ہیں آنکھوں پر غیر گھروں تک اس کی آؤ بھگت ہو رہی ہے۔

(۳۰)

اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ نسیمہ پلی ایسی ماں کے دودھ سے جو مذہب کی زیادہ پابند تو کیا ہے سے نماز ہی کی گنڈے دار تھی۔ مگر بڑی ایسی پھوپی کی گود میں جو بھلا کچھ نہیں تو رات دن میں ایک پچاس دفعہ خدا کے خوف سے کانپ کر استغفار پڑھتی ہوگی۔ پانچویں برس سے لے کر آج تک کون سا ایسا دن گیا۔ کہ

اس نے بھتیجی کے سامنے خدا کی عظمت نہ بیان کی ہو اور کون سی ایسی رات گزری کہ ساتھ لے کر لیٹی اور مسئلہ جزا و سزا کے متعلق گفتگو نہ کی۔ وہاں کا حال تو خدا ہی جانے مگر اتنا ہم بھی کہیں گے کہ اگر تیاس کوئی چیز ہے تو سنجیدہ اس دنیائے ناپائدار سے ایسا اسباب اور سامان ساتھ لے گئی۔ جو اس آڑے وقت میں جہاں کوئی رفیق و مددگار نہیں۔ اس پر کوئی مصیبت نہ آنے دے گا۔ اگلے زمانے کی کوئی بچی کھچی بڑی بوڑھی رہ گئی ہو تو ہو۔ ورنہ اب ایسی بیویاں بہت کم نظر آئیں گی۔ یہی خوف قیامت جس کو اول دن سے سنتے چلے آئے ہیں۔ اس کے دل میں کچھ ایسا بیٹھ گیا تھا کہ لباد و قات بیٹھے بیٹھے ہی خیال آیا اور تھر آ اٹھی۔ کچھ ہزاروں لاکھوں کی آمدنی نہیں۔ پچاس ساٹھ روپیہ کا کرایہ شہر کا خرچ بھاری پتھر آگئے۔ مگر بارہ مہینے دو ایک یتیم بچے ایک بڑھیا سہر یا غرض کوئی نہ کوئی اس کے دسترخوان پر ضرور ہوتا۔ بیماروں کی عیادت، اپاہجوں کی خدمت محتاجوں کی مدد غریبوں کی خاطر عورت کیا فرشتہ تھی۔ کھلا کر کھایا، پہنا کر پہنا۔ گرمی کے پہاڑ سے دن اور جمعرات اور جمعہ کا روزہ جاڑوں کی کٹھن راتیں اور تہجد کی نماز نعمت پر شکر مصیبت پر صبر یہ سوسے اُوپر عمر پائی۔ مگر ایک دن کسی کا دل نہ دکھایا۔ جی تو پھول جھڑے مری تو پھول چڑھے۔ ایسی نیک بیوی جس کی ہوا لگنے سے آدمی انسانیت پکڑے نسیمہ کو جتنا اچھا اٹھاتی کم تھا۔ یوں تو عذاب الٰہی کا خوف شروع ہی سے اس نے بھتیجی کے دل میں پیدا کر دیا تھا۔ مگر پانچ برس کی بچی خدا کو کیا پہچانتی ہاں اتنا ضرور ہوا کہ خدا کی ہستی کا یقین کچھ ایسا نقش ہوتا چلا کہ ذرا نماز کو دیر ہوئی اور گھبرائی۔ کوئی بھوکا آنکلا تو ننگے پاؤں کھانا چھوڑ چھاڑ روٹی دینے گئی۔ مصیبت زدہ دکھیاریاں دور دور سے نسیمہ کا نام سنکر آتیں ان کا دکھ سنتی اور ہاتھ سے پاؤں سے روپیہ پیسہ سے جو کچھ ہو سکتا مدد دیتی اور خدمت کرتی۔ امیر کی

بچی لاڈکی پلی۔ کنوار پتہ کا زمانہ، پہننے اوڑھنے کے دن، روپے گز کا پہنتی اور اشرفی تولہ کا کھاتی تو بجا تھا۔ مگر اس کو تو فضول اٹھانا قسم تھا جو پھوپی نے بنا دیا اور کھلا دیا سر آنکھوں پر۔ خدا معلوم قدرت کی اس حکمت میں کیا بھید چھپا ہوا تھا کہ کال دو سال گزر گئے اور ایک بوند مینھ کی نہ پڑی۔ دونوں برساتیں نکل گئیں ساون بھادوں کے مہینے کی موسلا دھار تو در کنار ابر کا ٹکڑا تک نظر نہ آیا۔ کچھ امید بند ھتی۔ پہلے سال تو کسان غریبوں نے جُوں توں کھینچ کھانچ کسی نہ کسی طرح کھیتوں میں پانی پہنچا دیا۔ دوسرے سال ندی نالے جوہڑ تالاب کوئی اس قابل نہ رہا کہ ان غریبوں کی محنت برباد ہونے پر دو آنسو گرا دیتا۔ کال پڑا، اور ایسا کہ خاصے کھاتے پیتے آدمی دو دو دانوں کو محتاج ہو گئے۔

شہر پر تو یہ آفت اور شہر والوں پر یہ مصیبت مگر سنجیدہ کی ہمسائی بی لنکا کے یہاں کال دیکھ کر عید ہو گئی۔ آنکھوں پر رکھی ٹھیکری دل کیا پتھر امرنے کو بھول چال دل کی زندگی پر پھول، گھر بھرنا شروع کیا۔ باپ کے ترکہ کا تین ساڑھے تین ہزار روپیہ نقد موجود تھا۔ روپیوں کی چیزیں کوڑیوں میں خریدنی شروع کیں۔ اپنی غرض باولی اس ظلم و ستم پر بھی مصیبت ماریاں کوسوں سے آتیں منتیں کرتیں۔ اور آدھے پھٹے آدھی جو بھائی جو دام مل جاتے غنیمت سمجھتیں اور صبر کرتیں۔ خدا کسی پر وقت نہ ڈالے اور غرض نہ اٹکائے۔ چار چار پانچ پانچ سیر تانبے کے برتن تین تین چار چار سیر آٹے میں دینے پڑتے۔ غضب یہ تھا کہ کمبخت ٹھگتے اور تگنے وعدہ پر رکھتی۔ اور چند ہی روز میں آئے گئے کر دیتی۔ کمال یہ تھا کہ حقیقی رشتہ دار ہر وقت کے اٹھنے بیٹھنے والے بھوکے مر جائیں چھوٹے چھوٹے بچے سگے بھانجے بھتیجے بلبلوں کرتے پھریں۔ اور اس ناگن کا دل نہ پسیجے۔ کچھ ایسا خدا کا خوف دل سے اٹھا کہ مزے سے دونوں وقت ڈٹ ڈٹ کر کھاتی اور دکھا دکھا کر کھاتی۔ زمانہ کا انقلاب جان کے ساتھ ہے

ساون تو تیرا ابھی البتہ کورا ہی گیا۔ بھادوں کا تیسرا چوتھا روز تھا کہ دوپہر کے وقت دھواں دھار گھٹا پورب سے اٹھی۔ ابھی پانی کا پتہ بھی نہ تھا کہ لوگ خوشی کے مارے اچھل پڑے جو جہاں تھا۔ گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگا۔ بھوکوں کی زاری خالی نہ گئی۔ مینہ برسنا شروع ہوا اور برس کا رکا ہوا ابر بھلا دو چار گھنٹے کیا برستا وہ دھو تتال پڑا کہ جی چھڑا دیئے۔ صبح ہوتے ہی ذرا تھما تھا۔ ایک گھنٹہ ہی بعد ابر سیاہ نے پھر اندھیر اگھپ کر دیا۔ پھوئیاں پھوئیاں پھوار پڑ رہی تھی۔ اور کالے کالے بادل جھوم جھوم کے آ رہے تھے۔ آخر برسا اور کچھ ایسے برسے کہ دن گزرا رات گزری اور دوسرا دن بھی مگر پانی کی رفتار میں کمی نہ ہوئی۔ اونچی اونچی حویلیاں اور پکی پکی محل سرائیں آخر تھیں تو مٹی گارے ہی کی تیسرے دن جا کر ٹپک اٹھیں۔ رات کو اِکا دُکا تارے جھلملانے لگے۔ امید تھی کہ اب نہ برسے گا۔ مگر ادھر چھ گھڑی کی توپ چھوٹی اُدھر پھر برسنا شروع ہوا۔ اب پانی نہ تھا طوفان تھا۔ موسلا دھار مینہ اور ہوا کے جھکڑ ایسے ویسے کچے ڈھابے تو کبھی کے رخصت ہوئے سنگین عمارتیں کچھ ٹھہریں۔ مگر آدھی رات تک وہ بھی جھلنی تھیں۔ چھتیں اور کوٹھے بیٹھے اور [illegible]یاں چاروں طرف سے دھوا دھوں آوازیں آ رہی تھیں۔ نکاشر سے دیوار بیچ ایک یتیم خانہ تھا۔ جس میں استانی جی نے بیس پچیس بن ماں باپ کی لڑکیاں جمع کر لی تھیں جو کچھ اِدھر اُدھر سے آجاتا۔ پکا پکو ان کے آگے رکھ دیتیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کسی کو اپنے پیٹ کے بچوں کی ممتا ہو گی تو اتنی ہی جتنی استانی جی کو ان بے وارثوں کی۔ ہزار بارہ سو کا مکان۔ ڈھائی تین سو کا زیور۔ چار[illegible] پچاس کے برتن۔ غرض جو کچھ پونجی تھی وہ سب ان بچیوں کی نذر کر دی۔

نکاشر استانی جی کو راگ دے۔ فرزندی کے بہلاتے ایک لڑکی کو قبضہ میں

لے مٹی پلید کر چکی تھی۔ اور اب ایک اور لینے کی فکر میں تھی۔ استانی غریب ایک ہی کو دے کر ایسی پچھتائی تھیں کہ جب اس پر چار چوٹ کی مار پڑتی ڈاڑھیں مار کر رو دیتیں۔ گو کال نے اوسان بگاڑ دیئے اور تنکا ٹر نے ستم میں کوئی کمی نہیں مگر صد آفریں استانی جی کو کہ دو دو، تین تین وقت بعد ابھی یا بڑی جو میسر ہوئی پہلے ان کے پیٹ میں ڈال دی پھر اپنے منہ پر رکھی۔ ٹیریاں لگائیں اور تھپیڑے پہنے چکیاں پیسیں اور تھپیڑے اوڑھے لیکن ان معصوموں کو کلیجہ سے جدا نہ کیا اس وقت آدھی سے زیادہ رات گذر چکی تھی پانی برابر اسی طرح پڑ رہا تھا۔ اور استانی جی بچیوں کو لئے بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں ٹپکے نے اور بھی دم ناک میں کر دیا۔ بالشت بھر جگہ ایسی نہ تھی جو محفوظ ہو اوڑھنے کو کھیس بیٹھنے چراغ لئے کوٹھری میں آئیں دیتی ہیں۔ تو بڑی دیوار جس پر کڑیاں ہیں پھولی کھڑی ہے۔ جلدی جلدی چیز بست اٹھا کر لڑکیوں کو باہر لے آئیں۔ پانی دھونتال، اوپر سے آیا بھونچال۔ دالان اڑاڑا کر کے نیچے گرا۔ ایک بچی چھجے کے نیچے لیٹی تھی۔ برابر کی دو کڑیاں اوپر آئیں۔ مغز پاش پاش ہو گیا۔ چھ برس کی لڑکی بساط ہی کیا جب تک استانی جی پہنچیں آنکھیں پھیر پھار رخصت ہو گئی۔ کیسا نازک وقت تھا۔ مینہ کی وہی کیفیت ہوا کی وہی حالت۔ خدا کسی پر وقت نہ ڈالے استانی جی اس شان کی عورت کہ کبھی ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دی بھیگتی بھاگتی کھڑکی میں آئیں اور تنکا ٹر کو آواز دے کر منت سے کہا۔

"اتنی اجازت دو کہ ان معصوموں کو لے کر رات کی رات تمھارے ہاں پڑ رہوں۔ اندھیرے منہ اٹھا کر نواب صاحب کے ہاں چلی جاؤں گی۔"

تنکا ٹر سنگدل کیا موم ہونے والی تھی ہنسی اور ہنس کر کہا۔

"بیٹھنے کو گھر نہیں کھانے کو ٹکڑا نہیں۔ پھر یہ لڑکیوں کی حمائل کیوں ڈالی

رکھی ہے۔ میں نے کتنی منت سے کہا تھا۔ کہ "استانی جی ایک لڑکی ہمیں اور دیدو۔ ناک بھوں سکیڑ سیدھی ہوئیں۔ میں تو وہی ظالم بے رحم ہوں۔ ایک لڑکی میرے حوالہ کرو۔ شوق سے آجاؤ۔ ایک رات کی جگہ دو رات پڑ رہو!"

استانی جی اس وقت لاکھ حاجت مند ہوں مگر ایسی گئی گزری نہ تھیں کہ حاجت سے دب کر اور ضرورت سے مجبور ہو کر لڑکی دینے کی حامی بھر بیٹھیں۔ تلاش ان کو ملائی بھیک منگی مُردہ شو فقیرنی کچھ ہی سمجھے مگر ناداری میں بھی اتنی عزت رکھتی تھیں کہ سردار آباد تک کی رئیس زادیاں ان کی تعظیم کو سرو قد کھڑی ہوتیں۔ خدا کی شان تھی کہ اس آن بان کی عورت جس نے سگے چچا پھوپی کے آگے آج تک ہاتھ نہ پھیلایا ایک ایسی ناہنجار و کمبخت کی خوشامد کر رہی تھیں

رات اپنی منزل کا بڑا حصہ طے کر چکی تھی بادل زور شور سے گرج رہا تھا۔ اور بجلی کی چمک آنکھوں میں گھسی جاتی تھی۔ ایک ایسی مسلمان بچی کا مُردہ جس کا والی وارث سوا خدا کی ذات کے کوئی نہ تھا کڑیوں میں دبا پڑا تھا۔ اور چند معصوم لڑکیاں مع استانی جی کے صحن میں کھڑی بھیگ رہی تھیں۔ کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑتی تھی زندہ اور مردہ دونوں کی مٹی پلید تھی۔ گرانی کے موسم اور ایسے نازک وقت میں سنجیدہ اور نسیمہ دونوں پھوپی بھتیجیوں کی ہمدردی پر بے اختیار دل سے آفریں نکلتی ہے۔ یوں تو جس دن سے کال پڑا اور خلقِ خدا پر مصیبت کی گھڑی آئی۔ ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ پھوپی بھتیجیوں کے دسترخوان سے دو چار بھوکوں کا پیٹ بھرا ہو۔ سیر بھر آٹا اس وقت سیر بھر اس وقت یتیم خانہ کا مقرر ہی تھا اس کے علاوہ بھی جب ضرورت ہوئی۔ اور جو موجود ہوا ہنسی خوشی دیا اور بے منت دیا۔ قرض نام لین دین دنیا میں چلا ہی آتا ہے۔ نسیمہ نے اس کال میں یہ کمال کیا کہ جس کو دیا اور جو کچھ دیا نہ سمجھ کر دیا کہ واپسی کی ضرورت نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا اور ہونا چاہیئے تھا کہ نہ صرف محلہ ہی میں

بلکہ دُور دُور جہاں صبح اُٹھ کر ثریا کا نام لینا لوگ منحوس سمجھتے تھے وہاں تیتے تیتے دلوں تک سے نسیمہ کو دعائیں ملی تھیں۔ گو ثریا نے دو ڈیڑھ سال میں کئی ہزار کی جائداد کر لی۔ اور نسیمہ پورے چار سو روپے کی بھوپی کی قرضدار ہو گئی۔ مگر یاں سیر چاندی اٹھا کر دو خزانہ جمع کر لیا کہ رپاشئیں قربان اور سلطنتیں نثار دو دو تین تین وقت کے ناقہ زدہ جس وقت اس کے دروازے سے پیٹ بھر کر جاتے اور بچھونا سے پڑ کر سوتے تو اگر رات کو بھی آنکھ کھل جاتی تو کہتے " الٰہی اس گھروالی کو دنیا جہان کی خوبیاں " ان ہی دعاؤں کا اثر تھا کہ نسیمہ ایسی پھلی پھولی کہ خدا سب بیٹیوں کو نصیب کرے۔

مینہ برسنے کی خوشی میں پہلے پہل تو سب کی طرح وہ بھی شریک تھی مگر جب بارش نے قیامت برپا کر دی اور ادھر سے ہولناک آوازیں اور دہشت انگیز خبریں آنے لگیں۔ بڑھیوں کو دیکھا کہ سنتی ہی سنت پر جان ہے تو گویا اپنا مکان پختہ اور سنگین سب ہی کچھ تھا مگر ہمسایہ ماں کا جایا۔ ذرا کہیں سے دھماکے کی آواز آئی۔ اور اس کا کلیجہ دھک سے ہوا۔ کوٹھے پر کھڑی ایک ایک کی خیر صلاح پوچھ رہی تھی۔ رجبن ستی کا گھر پرانا اور الگ کھڑا تھا اس کو بال بچوں سمیت شام ہی سے اپنے ہاں بلا لیا تھا۔ خرابی یہ تھی کہ استانی جی چار گھر پرے تھیں۔ اور گھر بھی کچھ ایسا پرانا نہ تھا بظاہر گرنے کے کوئی آثار نہ تھے۔ اتفاق کی بات اور ہونی شدنی کہ خاصا اچھا مکان بتاشے کی طرح بیٹھ گیا۔ استانی جی کی پریشانی یہاں سے وہاں اور وہاں سے وہاں اس گھر سے اس گھر اور اس گھر سے اس گھر سنتی ہوئی نسیمہ تک بھی پہنچی۔ سنتے ہی ہائے چیخنا ہو گئی۔ دیوانہ پر چڑھ کر آوازیں دیں۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخی مگر ہر محلہ اور ہر پینہ کا شور۔ استانی جی تو رہیں اُس پار برابر کے گھر میں کسی نے کروٹ نہ لی۔ مایوس ہو کر چپکی ہوئی تھا البتہ ہو کر نیچے آئی تو اسی کو ساتھ لیا۔ لال ٹین

ہاتھ میں لی۔ اور پھوپی کو اطلاع دے چلی استانی کے ہاں۔ مان لیا کہ سنجیدہ فرشتہ صفت انسان تھی مگر تھی تو انسان ہی۔ نسیمہ کو اس وقت جاتے دیکھ طرح طرح کے وہم اس کے دل میں آنے لگے۔ سوچا اور سوچ کر بولی بیٹی اس وقت تو جانا اچھا نہیں، چاروں طرف دیواریں اور کوڑے پھوسے کھڑے ہیں۔ ذرا مینھ تھم جانے دو۔

نسیمہ:۔ "اے ہے پھوپی اماں آپ نے سنا نہیں مکان گر پڑا۔ عائشہ دب گئی استانی جی ایک ایک کی منتیں کر رہی ہیں اور کوئی اتنا نہیں کہ اس مصیبت میں ان کا ساتھ دے۔ ہماری کا وقت تو یہی ہے۔ بیس بائیس دم اس وقت آسمان کے نیچے کھڑے بھیگ رہے ہیں۔ جب تک یہ ہاتھ پاؤں چلتے ہیں ان سے کام لینا چاہیئے۔ پھر تو شاید ان کو کبڑے نہ کھائیں عائشہ نگوڑی شاموں شام تو پیالہ لینے آئی ہے پھوپی اماں مسلمان کا مردہ ہے اجازت دیدیجئے۔ پہ تعداد ڈھے ہوئے ہوں گی اور آئی پہنچی اور لائی۔" اب یہ خدا جانے حسبی خوشی یا مجبوری ولاچاری سنجیدہ خود بھی ساتھ مگر بڑھاپے کی عمر، گھٹنوں گھٹنوں پانی۔ ٹخنوں ٹخنوں کیچڑ دو ہی قدم چلی تھی۔ کہ آم کے چھلکے پر سے پاؤں رپٹا۔ وہ تو خدا نے خیر کی گھڑوںچی ہاتھ میں آ گئی نہیں تو بیٹھے بٹھلائے مفت کی پریشانی تھی۔ غرض سنجیدہ کو گھر میں چھوڑ لو اسی کو ساتھ لے استانی کے ہاں پہنچی۔ استانی اور گرد سب کے سب کھنڈر میں اللہ اللہ کر رہے تھے نسیمہ کی صورت دیکھتے ہی استانی جی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے جوش محبت میں کھڑی ہو گئیں۔ اور صرف یہ الفاظ منہ سے نکلے۔ "میری بچی میں تیرے قربان" گڑیاں پٹا ملبہ سرکایا۔ عائشہ کو نکال استانی جی کو ساتھ لے اپنے ہاں آ گئی۔ اپنے ہاتھ کمرے میں تین پلنگ دو چار پائیاں بچھا، ان پر بچھونے کئے اور لاوارث لڑکیوں کو لٹا کر سلا دیا صبح ہوتے ہی پانی تھما تو عائشہ کو اول منزل پہنچایا۔

ناممکن ہے کہ یہ سطریں اس کیفیت کو ظاہر کرسکیں جو اس وقت استانی جی کے دل کی تھی جب دل سے انھوں نے دعائیں دیں۔ اور دکھ پڑی لڑکیوں کی آتما نے سکھ پاکر جو کچھ کہا وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ زندگی ہو تو ایسی دینا ہے تو یہ، دینا ہے تو یہ۔

(۱۳۱)

بات سدا رہنے والی نہ تھی آئی بھی اور نکل بھی گئی۔ البتہ وہ بات جاتی ہے۔ اور کچھ روز تک باقی رہے گی۔ چار روز کی زندگی کے واسطے انسان جو چاہے کرے۔ خدا کی لاٹھی اور بے آواز دیر ہے اندھیر نہیں۔ آج کے تھپے آج ہی نہیں جلتے پاپ کی ناؤ آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں ایک دن ڈوبے اور پھر ڈوبے۔

کال ختم ہوا اور چوتھے سال تو اللہ کی کچھ ایسی مہربانی ہوئی کہ چھ دھڑی کے گیہوں بک گئے۔ سستا سماں ہوتے ہی وہ تکلیف اور پریشانی سب بھول بسر گئے۔ ہاں تکاثر کا ستم اور نسیمہ کا کرم دلوں پر نقش تھا تو بات یہاں تک پہنچی کہ محلّہ والوں نے ملنا جلنا بات چیت تکاثر سے قطعی بند کردی۔ اس خود غرضی کا اور نفس پروری کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندوں نے جیتے جی اُسے مردہ سمجھ لیا۔ دن بھر بیٹھی مکھیاں مارتی۔ اور کوئی اگر جھانکتا تک نہیں۔ آدمی کچھ کھو کر سیکھتا ہے۔ چاہیئے تھا کہ تکاثر اب تو اپنی حرکتوں سے باز آتی مطلق نہیں یتیم خانہ کی وہ لڑکی معصومنا جو قبضہ میں تھی طویلہ کی بلا بندر کے سر محلہ بھر کا غصّہ اس غریب پر تھا۔ دوپہر کے وقت لڑکی کو بخار چڑھا۔ جاڑوں کے دن تھے۔ دھوپ میں بیٹھی کپکپا رہی تھی تکاثر نے پٹاری منگوائی۔ زبردستی گئے لیسوے بیس اٹھی اور لائی چھ سات برس کی جان، بخار میں جلتی، پکایا ان سیری تانبا۔ ہاتھ پھسلا اور دھڑام سے گری۔ بیمار کا گرنا تھا کہ تکاثر جھلا کر اٹھی پٹاری کو تو وہیں چھوڑا۔ اور معصومن کا ہاتھ

پکڑ کر بیدردی سے گھسیٹتی ہوئی لائی۔ بخار زدہ معصومن کی حسرت آمیز نگاہیں۔ نکاشر جلاد سے رحم کی ملتجی تھیں۔ اور بیگناہی کا اظہار کر رہی تھیں۔ مار پڑنی شروع ہوئی۔ جب طاقت ضبط نہ رہی تو رو کر کہنے لگی۔

"بیگم صاحب اب معاف کر دیجئے۔ پھر کبھی نہ گراؤں گی

یہ کہنا ہی فضول ہے کہ بے بس لڑکی کی منت و زاری کا نکاشر پر کیا اثر پڑتا جتنا مار سکتی تھی مارا اور جب تھک گئی تو ایک دھکا دیا کہ اوندھے منہ جا کر تخت پر گری کنپٹی میں کیل چبھی خون کی تلی بندھی۔ سارا چہرہ لہو لہان ہو گیا۔ معصومن سے بد زیادہ بدنصیب اور کون ہوگا پہلی مصیبت تو یہ آئی کہ ماں چھوٹی۔ ماں کا پلو چھوٹا۔ دوسری آفت تقدیر نے یہ دکھائی کہ پہونچی ایک کٹر کے پاس جس کے دل میں رحم کا نام تک نہیں ہے۔ اور پھنسی ایسی ظالم کے پھندے میں جس کو خدا سے غرض نہ رسول سے واسطہ۔ بخار پر مار۔ مار پر چوٹ۔ اولاد والی ہوتی تو کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جاتی۔ مگر اس کے تو بھاویں بھی نہیں۔ معصومن میلی کچیلی اوڑھنی سے آنسو پونچھ پانچھ کونہ میں جا بیٹھی۔ غنیمت تھا کہ نکاشر اسی پر بس کرتی نہیں بیٹھی کو اٹھوا مصالحہ پسوایا برتن دھلوائے اور کھانا کھانے بیٹھی۔ بڑا ہو یا بچہ، تکلیف کا احساس تو ہوتا ہی ہے۔ معصومن کچھ دیر تو باورچی خانہ میں بیٹھے پر سر رکھے ہوئے ہائے اللہ ہائے اللہ کرتی رہی۔ اور پھر اپنی مری ہوئی ماں یاد آگئی۔ بخار کی گھبراہٹ چوٹ کی تکلیف۔ خون کی کثرت۔ اس پر ماں کی شفقت کا یاد آنا تھا کہ ننھا سا دل بھر آیا۔ روئی اور رو کر باہر آئی۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آسمان چھوٹے چھوٹے تاروں کو گود میں لئے مکرا رہا تھا۔ کچھ دیر تک چپکی کھڑی سوچتی رہی اور پھر کہنے لگی۔

"بس اللہ میاں میرے اماں باوا تم ہی ہو۔ میرا بخار اتار دو، میرا خون

سمجھا دو اور مجھ کو یہاں سے نکلوا دو۔ دیکھو سر میں کیسا درد ہو رہا ہے۔ اللہ میاں کی قسم بھیجا نکلا پڑتا ہے۔" آدمی غور کرے تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جس طرح ایک یا دو چند گردش نئے ملدے زمانے کے ستائے ہمارے ماتحت ہیں۔ اور ہم ان پر حاکم ہیں۔ اسی طرح ایک زبردست طاقت ہمارے اوپر بھی حاکم ہے۔ جس وقت نکاثر معصومن کا ہاتھ پکڑ لائی ہے۔ اور معصومن نے نگاہ یاس سے نکاثر کو دیکھا ہے۔ تو اس کی نظر اور وہ خود دونوں مجبور و لاچار تھے۔ مگر اس کا دل یہ ضرور کہہ رہا تھا۔ اے تھوڑی سی دیر کی حاکم میرا تیرا فیصلہ اور انصاف وہ مالک حقیقی کر دے گا۔ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرا اور تیرا دونوں کا حاکم ہے۔ میں اس وقت بے بس ہوں اور بے کس ہوں، ماں میرے ساتھ نہیں۔ باپ میرے پاس نہیں۔ مگر میرا وارث اور حمایتی ابھی ایک موجود ہے۔ جو میری بے گناہی اور تیرے ظلم کو دیکھ رہا ہے۔

قبولیت کی گھڑی عام آدمیوں کے واسطے کوئی خاص ہو تو ہو۔ مظلوم کے واسطے تو حاکم حقیقی کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ معصومن کی التجا دکھے ہوئے دل کی آہ تھی کلیجہ سے نکلی زبان پر آئی۔ زبان سے نکلنے کی دیر تھی۔ آسمان و زمین دونوں کانپ گئے۔ حاکموں کا حاکم، بادشاہوں کا بادشاہ، مظلوموں کا والی، معصومن کا وارث۔ جس کے حضور میں اتنی دیر گڑگڑائی۔ اس کی فریاد سن رہا تھا۔ نکاثر کھانا کھا رہی تھی۔ کھا چکی تو آواز دی کہ برتن اٹھا۔ معصومن سنتے ہی چلی مگر چلا نہ گیا۔ خون بند ہو گیا تھا۔ مگر بخار جوں کا توں چکرا آیا اور ساتھ ہی اندھیر۔ گری مگر سنبھلی اتنی دیر میں دو تین آوازیں اور تین چار گھڑکیاں پڑ چکی تھیں۔ گرتی پڑتی پہنچی دستر خوان لپیٹا برتن اٹھائے اور پھر پڑ رہی۔

نکاثر کی گردن میں گدی کے نیچے پھنسی نہ پھوڑا ایک یوں ہی سا دوڑا

دو تین دن سے تھا۔ صبح کو جو اٹھی تو ذرا جلن معلوم ہوئی سمجھی گرمی دانہ پک گیا مگر جلن زیادہ ہوئی کلے مرہم کا پھاہا لگایا۔ السی کی باندھی فلگدی بھی لگا کر پان جیسا پایا کاسٹک کی پھریری پھیری۔ مگر وہ باحرہ برابر دانا خدا معلوم کس قیامت کا تھا گھنٹوں اور گھڑیوں منٹوں اور پلوں بڑھ رہا تھا۔ دوپہر کو کہیں سہ پہر کو کہیں شام کو تو کہیں کا کہیں پہونچا آدھی رات تک کچھ سوئی کچھ جاگی۔ مگر آدھی رات کے بعد پلک سے پلک جھپکانی حرام تھی۔ منہ اور گردن دونوں سوج کر کپا ہو گئے۔ بڑی مشکلوں اور مصیبتوں سے چیخ پیٹ کر رات کاٹی۔ نماز دم خالہ نانی کو بلوایا بچی پھوپی کو ڈولی بھیجی۔ غرض جس نے دیکھا دم بخود رہ گیا۔ ڈاکٹر، جراح، حکیم طبیب سب ہی آئے اور گئے مگر تسکین کی کوئی صورت نہ نکلی۔ ایک چیخ آسمان اور ایک زمین پر تھی۔ جس شخص نے کبھی پیسہ تو پیسہ سوکھی روٹی تک نہ دی ہو بھر بھر مٹھیاں روپے دے رہی تھی۔ اور ایک ایک کی خوشامد کر رہی تھی۔ دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر آرام اور افاقہ کیا بیس سے انیس بھی نہ ہوا۔ کس قیامت کی کھولن اور غضب کی جلن تھی کہ کسی کروٹ بھی چین نہ پڑتا تھا۔ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ دن رات اسی آفت میں بسر ہوا۔ پھوپی اور بچی نے تو ڈولی ہی الٹی پھیری۔ البتہ خالہ اور نانی اور وہ بھی سگی نہیں رشتہ کی آ پہنچیں تھیں شام کو وہ بھی چلی گئیں۔ محلہ والے تو پہلے ہی دن رات اس کی جان کو رو رہے تھے۔ بلا واسطہ بے غرض تکلیف پہنچاتی تھی۔ کچھ ایسا الٹا بغض لگا تھا۔ کہ جب تک دن بھر میں ایک آدھ کو نقصان نہ پہنچا لے صبر ہی نہ آتا تھا۔ استانی جی اگلے زمانہ کی عورت نکاحتر کی ماں کی سائنہ کھیلی ہوئی۔ یہ کیفیت سن کر آ گئیں۔ مگر ظہر پڑھ کر آئیں عصر گھر جا کر پڑھی۔ تیمار دار تھی یا خدمت گار دہی نے دے کر ایک معصوم سو وہ غریب آپ ہی مر رہی تھی مگر پھر بھی سر سے پٹی باندھ جتنا

کچھ ہو سکا برابر لپٹی رہی۔ دوسری رات پہلے سے بھی بدتر گزری۔ ایک زخم تھا۔ جس پر کوئی کچوکے دے رہا تھا۔ صبح جراح نے آ کر چیرہ دیا۔ دوپہر کو بخار چڑھا غفلت شروع ہوئی۔ گھڑی دو گھڑی بعد ہوش آجاتا تھا تو ایسی بلبلاتی تھی کہ سننے والوں تک کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ شام کو بخار ذرا ہلکا ہوا۔ مگر پھوڑے کی تکلیف بدستور تھی پلنگ باہر بچھوا انگنائی میں آ کر لیٹی۔ یہ عمر بھر میں پہلا ہی دن ہوگا کہ نکاشا رحم الرحمین کے رحم کی ملتجی تھی۔ اور اس کو یاد کر رہی تھی۔ عشاء کا وقت تھا کہ فقیر نے دروازے پر آ کر صدا لگائی۔

"سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا۔ جب لاد چلے گا بنجارہ۔"

بیماری کی حالت، رات کا وقت، مضمون دردانگیز۔ فقیر خوش لحان۔ دفعتاً نکاشا کو عاقبت کا خیال بندھا سوچنے لگی "بس زندگی کے دن پورے ہو گئے اور ایک آدھ روز یا دو چار گھڑی دنیا کی ہوا کھا رہی ہوں۔ لے لیا جو لینا تھا اور کر چکی جو کچھ کرنا تھا۔ افسوس ہے اس دنیا پر جس کے واسطے اتنا کچھ کیا۔ آخر بے وفا نکلی۔ بچے بچے پر ظلم کئے بڑے بڑوں کو دھوکا دیا۔ آج شہر میں ایک متنفس نہیں جو مجھ سے خوش ہو۔ یہ اتنی بجیاں محلہ بھر میں پڑی ہیں۔ مگر ایک اتنا نہیں کہ جھوٹ سوت تو آ کر میری خیر صلاح پوچھتا۔ مگر کیوں پوچھتا اور کس لئے آتا۔ میں ہوں ہی کس سے بھلی جو میرا خیال کسی کو ہو۔ میرا گور گڑھا ہی کر دیں تو بھی ان کا احسان، ورنہ میں تو اس کی بھی مستحق نہیں۔ افسوس ناکام جی اور بدنام مری۔ یتیموں کے مال مارے رانڈوں پر ستم کئے معصوم جیسی بچی ماں نہ باپ میرے ہاتھ سے کیسی کیسی بے گناہ پٹی وقت گزر گیا۔ دن نکل گئے۔ اب اس کی سزا ہے۔"

ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی کہ یکایک ایسا معلوم ہوا کہ ایک

عظیم الشان مکان میں شادی کا سامان ہے۔ ڈولیوں پر ڈولیاں اتر رہی ہیں۔ مگر آنے والیاں کچھ ایسی سراسیمہ و پریشان ہیں کہ باوجود ملاقات اور جان پہچان کے کوئی کسی سے بولتا ہے نہ چالتا۔ نگاشر نے کئی ایک سے پوچھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور یہ کس کا گھر ہے۔ مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ دفعتہً ایک بڈھا سا شخص آیا۔ اور نگاشر کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹتا لے چلا۔ اس شخص کی صورت ظاہری تو خوفناک نہ تھی۔ مگر آواز میں کچھ اس بلا کی دہشت تھی کہ کلیجہ بلیوں اچھل رہا تھا ایک کوٹھری کے قریب لے جا کر اس شخص نے دھمکا کر کہا "چل چل اپنے کئے کا پھل پا۔ جو بویا وہ کاٹ" کہا اور کچھ ایسا کڑک کر کہا۔ کہ نگاشر کے ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑ گیا کوٹھری کے کواڑ کھل گئے۔ اندھیرا گھپ تھا یہ حالت دیکھ کر چاہتی تھی کہ اس شخص کے پاؤں پر سر رکھ کر کچھ عرض کرے۔ کوٹھری کے اندر سے ایک سانپ نے ایسی پھنکار ماری کہ بالکل ہی دہل گئی۔ لیٹتے ہیں ایک آواز اس کے کان میں آئی جو یہ کہہ رہی تھی۔

"کیوں نگاشر چار دن کی زندگی پر ایسی بھولی کہ اگلے دن کا بھی خیال نہ آیا۔ تو رات دن دیکھتی تھی کہ تیری ماں بہنیں بھاگی دوڑی چلی آرہی ہیں۔ مگر تو نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ایک دن تجھ کو بھی یہاں آنا ہے۔ دیکھ اس کاغذ کو دیکھ، تیری ایک ایک پل کی کیفیت اس میں لکھی ہوئی ہے۔ ہم نے تجھ کو لکھ کر اطلاع دی۔ زبانی پیغام بھیجے کر نادان ابھی کچھ نہیں گیا کچھ کرنا ہے تو اب بھی کرلے ورنہ روئے گی اور پچھتائے گی۔ مگر تیرے کان پر جوں بھی نہ چلی ان خوشیوں میں جو پانی کے بلبلے کی طرح زیادہ ٹھہرنے والی نہ تھیں۔ تو ایسی گھسی کہ نکلنے کو جی نہ چاہا۔ وہ تیرے جھوٹے دوست اور خوشامد کرنے والے آج کہاں ہیں؟ اسے نمک حرام ہم نے پکار پکار کر کہا کہ سکھ سے جی، چین سے رہ۔ خوشی سے رہ۔

اور شوق سے رہ۔ مگر رہنے کو مستقل نہ سمجھو۔ بتا آج تیرے پاس ہمارے لئے کیا کیا سوغاتیں ہیں۔ ہماری محبت پر بھی تو نے غور کیا۔ تیری خاطر ہم نے سارے دنیا کو گلزار بنا دیا۔ کام کاج کو دن دیا۔ سونے کو رات دی۔ جاڑے کے بعد گرمی، گرمی کے بعد برسات دی۔ طرح طرح کے میوے۔ قسم قسم کے پھل۔ یہ وضع وضع کی نعمتیں کس کے لئے۔ گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ۔ ہماری عنایتیں اور مہربانیاں اسی قابل تھیں کہ تو ہمیں بھول کر بھی یاد نہ کرے۔ دیا ضرورت سے زیادہ کافی سے بڑھ کر بے روک ٹوک دیا۔ جتنا چاہے کھا جتنا چاہے پی۔ جہاں ضرورت ہو جا۔ جدھر مرضی ہو پھر۔ پہن اوڑھ، اٹھ بیٹھ، لیٹ سو، کھا پی۔ ماری جائیو کمبخت تکاش! کبھی ہمارے احسان کو احسان نہ سمجھا۔ او احسان فراموش، ناگنی، ذرا سوچ اور غور کر۔ تجھ جیسی بے وفا کہ ۳۳، ۳۴ برس میں ایک وقت ہمارے روبرو سر نہ جھکایا۔ ہم نے اپنی نعمت سے محروم نہ رکھا۔ پیٹ بھرنے کو روٹی دی۔ پہننے کو کپڑا دیا۔ ہاتھ دیئے۔ پاؤں دیئے۔ کان دیئے ناک دی۔ ہمیں مشکل نہ تھا کہ تجھے اندھا کر دیتے بہرا بنا دیتے۔ تیری جیسی عورتیں تیرے ہی آنکھوں کے سامنے۔ آنکھوں سے اندھی، پاؤں سے لنگڑی، ہاتھوں سے لولی۔ کانوں سے بہری، موجود تھیں۔ کبھی ان کو دیکھ کر بھی تو نے ہماری قدر نہ کی۔ تجھے کبھی یہ بھی نصیب ہوا کہ نیا کپڑا پہن کر ہمارا شکر بجا لائے۔ کبھی یہ نیک توفیق ہوئی کہ اچھا کھا کر ہماری شفقت کو یاد کرے۔ سر اٹھا کر اور آنکھ ملا کر بات کر۔ ہم نے تجھ کو کہاں کہاں بچایا۔ کس کس جگہ مدد دی۔ کیسے کیسے موقعوں پر تیرا ساتھ دیا۔ تیرے ہی کارن اے نمک حرام صرف تیری خاطر تیری پرورش کی خاطر۔ ماں کو ممتا دی۔ باپ کو پیار دیا بھولی بھولی صورت دی۔ میٹھی میٹھی باتیں دیں۔ کیوں نکاش اسی لئے نہ کہ جب

تو پل پلا کر بڑی ہوا اور بڑھ بڑھا کر جوان ہو تو ہم کو بالکل ہی بھول جائے۔ منتیں مان چادریں چڑھا۔ قبروں پر جھک۔ پیروں کو پوج۔ اول سے آخر تک اپنے تمام حالات سُن اور تو ہی بتا ہم تیرے ساتھ کیا سلوک کریں۔ تجھ سے زیادہ ناعاقبت اندیش کون ہوگا۔ مسافر بن کر آئی۔ گھر والی بن کر بیٹھی۔ پردیس کو وطن سمجھا۔ سرائے میں ڈیرے ڈالے اور اس بات کا کبھی خیال نہ آیا کہ جو کچھ کر رہی ہوں حرف بحرف لکھا جا رہا ہے۔ اور یہ دفتر ایک دن کھلنا ہے۔ کیوں تکاثر کال کے دن مٹھی بھر دانوں کے لالے اور تیرے ہی جیسے مظلوم و معصوم بندے دور دور سے آس لگا کر تیرے پاس آئیں اور تو منہ پھیر لے! دکھیاریاں مصیبت کی ماریاں بھوکی پیاسی تیرے در پر آ کر پڑیں اور تو اُن کا زیور تلکے۔ بیس تیس، چالیس چالیس روپے کی رقمیں محنت کی بنائی مصیبت کی جوڑی دس دس، پندرہ پندرہ روپیہ میں ہتھیائیں اور کبھی رحم نہ آیا۔ یتیموں کے مال مارے۔ وقت پڑوں کے زیور چھینے، رانڈوں کے دل توڑے۔ بچوں پر ظلم کئے کسی کا مکان دبایا۔ کسی کی دکان اڑائی۔ مگر او بیوقوف وہ سب وہیں تک کا تھا۔ اور وہاں کا وہیں رہا۔ آج تیرے ساتھ ان میں سے تو کچھ نہیں مگر ہاں مظلوموں کی آہیں اور دکھے ہوئے دلوں کی بددعائیں تیرے ساتھ ضرور ہیں۔ تکاثر وہ ظلم و ستم اور غرور و تمکنت سانس ہی تک کا تھا۔ اب ختم ہوا۔ اب تو ہے اور اور ان کرتوتوں کا پھل۔ جو کیا وہ بھر۔ جو بویا وہ کاٹ۔ یاد ہے یا بھول گئی۔ آدھی رات کا وقت، پانی کا طوفان اور وہ بن ماں باپ کی بچیاں۔ رات کی رات تیرے گھر پر رہنا چاہیں، منتیں کریں، خوشامدیں کریں اور تو اس کان سنے اور اس کان اڑا دے۔ سوال کا کچھ نہ گیا۔ تو نے آخرت برباد کی، وہ دن رات کچھ بھی نہ رہا۔ مگر تیرا عمل باقی رہ گیا۔ جس مکان پر اتنا گھمنڈ کیا۔ وہ سدا

رہنے والا نہ تھا۔ لیکن آج اس گھر میں اُلّو بول رہے ہیں۔ اور کوئی اتنا نہیں کہ چراغ جلا کر بیٹھ جائے۔ کس برتے پر تتا پانی۔ کس بات پر پھولی اور کیا سمجھ کر پھولی جو کچھ کرتی اور جو کچھ دیتی۔ وہ سب تیرا امانت ہوتا۔ اور آج ہم تجھ کو تیری امانت دگنی اور تگنی واپس کر دیتے۔ اور اتنا دیتے کہ تو خوش ہو جاتی۔ مگر تو تو ہمارے نام سے ایسی بیزار ہو گئی کہ مر گئے اور ہم کو جھوٹوں بھی یاد نہ کیا۔ کچھ معصومین کے برتاؤ کا دھیان ہے۔ آج ہم وہی برتاؤ تیرے ساتھ کریں گے تو نے اس کو بیٹی کی طرح رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور اس کا ننھا سا دل باغ باغ تھا۔ مگر اے سنگدل تو نے اس کی بڑی مٹی پلید کی۔ اور ذرا سے کلیجہ پر بڑے بڑے داغ دیئے۔ اس ایک معمولی سی پھنسی میں تو نے محلہ کا محلہ سر پر اٹھا لیا۔ اور وہ بخار میں بلبلاتی آفت زدہ بچی جو تیرے حکم پر پان سیر کا بوجھ اُٹھا کر لاتی۔ صرف پاؤں پھسل جانے پر اس سزا کے قابل تھی کہ سر لہولہان ہو جائے۔ وہ بھی تیری طرح جان رکھتی تھی۔ صرف اتنا فرق تھا۔ کہ تو زبردست تھی وہ کمزور۔ تو اختیار والی تھی وہ مجبور۔ مگر اس وقت ایسی عدالت میں موجود ہے۔ جہاں کا حاکم تجھ سے زیادہ زبردست اور جس کا فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔ معصومین کا دل مجروح اس بارہ میں تجھ سے زیادہ پیارا ہے۔ اور یہ اسی سات برس کی لاوارث بچی اور تیری دست نگر لونڈی کی خاطر ہے۔ کہ تو اس عذاب میں پڑتی ہے۔ اٹھ اور جو کیا اس کو بھگت۔"

آنکھ کھلی تو جنگل تھا نہ میدان، خدا تھا نہ فرشتہ۔ وہی ٹوٹے پھوٹے جھلنگے اور آئے گئے آدمی۔ کلیجہ بلیوں اچھل رہا تھا۔ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی تھی۔ بہتیرا چاہتی تھی کہ سنبھلے مگر دل تھا کہ اندر سے

بیٹھا جا رہا تھا۔ بمشکل تمام رک رک کر اور تھم تھم کر معصومن کو آواز دی پاس بٹھایا اور خواب کے حالات پر غور کرنے لگی۔ سوچتی ہے تو واقعی ہیں پچیس برس میں مہینہ اور مہینے کا کوئی دن اور کوئی گھنٹہ اور کوئی ساعت اور کوئی گھڑی ایسی نہ گذری۔ کہ سچ مچ نہیں تو جھوٹ موٹ اور واقعی نہیں تو دکھاوا ہی سہی۔ کبھی تو خدا یاد آیا ہو۔ خدا کے خوف سے کوئی کام کیا ہو۔ دو ڈھائی گھنٹہ تک پڑی ہوئی۔ اپنی حالت پر سوچتی اور افسوس کرتی رہی۔ جس پہلو پر نظر ڈالتی تھی ندامت اور شرمندگی کے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ خواب میرے واسطے غیبی ہدایت ہے۔ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ ابھی تمام باتیں میرے اختیار میں ہیں۔ جو کہیں مر گئی ہوتی۔ ہمیشہ اسی عذاب میں پڑی سڑا کرتی۔ اگلے پچھلے گناہوں کا دھیان خدائے وحدہٗ لاشریک کی قدرت اور ہستی کا یقین تھا کہ افسوس و ندامت کے ساتھ بیمار کے چہرہ پر مسکراہٹ آگئی۔ اتنے میں دل نے اندر سے صدا دی کہ غافل یہی وقت توبہ کا ہے۔ منٹ منٹ اور پل پل کا بھروسہ نہیں۔ گو دقت سے اٹھی بیٹھے بیٹھے ہی وضو کیا جا نماز بچھوائی اور سجدے میں گری۔

یہ عمر بھر میں پہلا اتفاق تھا کہ نکالنے ارحم الراحمین کے حضور میں سچے دل سے پڑی۔ گڑگڑا رہی تھی۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ تک پڑی روتی رہی۔ رو چکی تو پلنگ پر آئی معصومن کو بلا کر گلے لگایا قصور معاف کرایا۔

خدا کی قدرت کہو یا اتفاق محض۔ رات کی تکلیف میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ صبح ہی اٹھ کر استانی جی کو بلایا رونی ہوئی بیٹا۔ اور جھکتی ہوئی ملی۔ ایک ہزار روپیہ کے نوٹ یتیم خانہ میں دے۔ انیس بیس کا فرق تو رات ہی کو تھا۔ صبح کو بہتر۔ دوسرے دن اور بہتر ایک ہفتہ بھر میں پھوڑا ایسا ہو گیا۔ گویا کہ تھا ہی نہیں۔

(۳۲)

میرزا ہد نسیمہ کے والد ماجد کچھ ایسے بڈھے تو نہ تھے مگر ہاں سدا کے روگی اور ہمیشہ کے مریض۔ وہمی اس غضب کے کہ اگر چھینک بھی آگئی تو گھنٹوں کریدتی اور پرچول احتیاط اتنی زیادہ کہ تول کر کھائیں ناپ کر پہنیں۔ باوجود اس کے چھ تھیا بخار کچھ ایسا ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا کہ دلی اور کلکتہ بمبئی اور لکھنؤ چاروں ہی کھونٹ تلا توپ ڈالی مگر نہ ٹلنا تھا اور نہ ٹلا۔ زاہد جیسا نازک مزاج جس کا آدھ پاؤ دودھ میں جی متلائے۔ بھرے بھرے قدمے اور لبالب پیلے جن کو دیکھ کر دوسروں کو ابکائی آئے۔ مجبوری اور معذوری غٹ غٹ پی جاتا۔ اس کمبخت زندگی کے کارن سب ہی کچھ کیا۔ مگر جو دوا پی وہ الٹی اور جو علاج کیا وہ برعکس ڈھاتیخ تورہ ہی گیا تھا۔ اس پر ستم ہوا کہ ایک دن صبح کو گرم پانی سے نہا کر چاولوں کے دو نوالے کھانے تھے کہ پسلی میں درد شروع ہوا۔ حکیم، ڈاکٹر، تو میں سب ہی آئے اور گئے مگر درد نے جنبش نہ کی۔ بال بچوں والا شخص کنبہ دار آدمی اور آدمی بھی ایسا کہ پرائی آگ میں کود پڑنے والا شام کو عورتوں کا ٹھٹھ مریض کے سرہانے موجود تھا۔

اُن کے آنے کی غرض دراصل ہمدردی ہو یا محبت لیکن بظاہر تو کچھ تھوڑی سی حماقت ہی تھی۔ دوائی کے یہ نہیں۔ ٹھنڈائی کے یہ نہیں۔ حکیم کے یہ نہیں بلکہ اور ان کو دیکھ کر مریض کو وحشت نہ ہوتی ہوگی۔ ادھر گھر والوں کا جی الٹتا ہوگا۔ بیمار غریب کو اول ہوش نہ تھا۔ اور اگر کبھی گھنٹہ دو گھنٹہ بعد لمحہ دو لمحہ کو آنکھیں کھولتا بھی ہوگا۔ تو یہ رنگ برنگ کی صورتیں اور طوفان بے تمیزی دیکھ کر اپنے مرنے کا یقین ہو جاتا ہے۔ گھر والی عجیب پریشانی میں تھی۔ بیمار کی تیمارداری کرتی، یا مہمانوں کی خاطر داری۔ اگر ایسا ہی آنے والوں کا دل پھڑک

رہا تھا۔ تو سیدھی سی بات یہ تھی کہ کھانا کھا پی کر آئے۔ گھنٹہ آدھ گھنٹہ بیٹھ دور سے دیکھ دا کھ ادھر اُدھر سے پوچھ پاچھ، چلے گئے۔ یہ کس نے بتایا تھا۔ کہ دس بجے کے آئے آئے شام ہو گئی۔ جانے کا نام نہیں۔ پھر یہ کیسی آفت تھی کہ آئیں عیادت کو اور بال بچوں سمیت۔ بچوں کی چیخم دھاڑ عورتوں کی کچر کچر اور بھی آفت تھی۔ بیوی جتنی خدمت چاہیئے تھی سر آنکھوں سے کر رہی تھیں۔ مگر اس کے ساتھ دودھ پیتے بچے کا ایسا اڑنگا لگا ہوا تھا کہ ذرا پاس سے سرکی اور اس نے بلکنا شروع کیا۔ سامنے کی چار پائی پر لیٹے پڑی رہتی۔ وہ سو جاتا تو اٹھتی اور پاس آ بیٹھتی۔ ہاں خدمت کا حق ادا کیا تو نسیمہ نے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ تیرہ چودہ برس کی بچی باپ کو ماں کی یاد دلا دے گی۔ پہاڑ سی راتیں گھر کا بچہ بچہ سو جائے اور وہ اللہ کی بندی ٹکٹکی باندھے ماں باپ کی صورت دیکھ رہی تھی۔ تیسری رات دو بجے ہوں گے۔ سنجیدہ نے کہا۔ بیٹی اب تو جا کر ذرا لیٹ جاؤ میں بیٹھ جاتی ہوں۔"

نسیمہ:۔ پھوپی جان اب مجھے لیٹنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا میں سب چیزیں میسر آجائیں گی۔ مگر یہ نعمت گئی تو پھر ہاتھ آنے والی نہیں۔ ابا جان تیرہ چودہ برس تک میری خدمت کرتے رہے آج میرا فرض ہے کہ اس تکلیف میں ان کا ساتھ دوں۔ پھوپی جان زندہ ہوں تو راتیں سینکڑوں آئیں گی۔ بہی نیند ہو گی اور میں۔ مگر ابا جان کہاں اور میں کہاں جس کے صدقہ میں برسوں راج کیا۔ اگر اس وقت اپنا تھوڑا سا آرام اس کے واسطے چھوڑ دوں تو کیا بے جا ہے۔ میرا بس چلے تو میں اپنی جان تک قربان کر دوں۔

پھوپی:۔ تو یہ نسیمہ کیسے بڑے بڑے خیالات تمھارے دل میں آتے ہیں۔ انشاء اللہ صحت ہو جائے گی۔ کمزوری کے مارے غوطہ میں پڑے

رہتے ہیں۔ بیٹی ایسی باتیں زبان سے نکالتے تمہیں وہم نہیں آتا۔
نسیمہ "ہاں پھوپی جان! اللہ ابا کی عمر میں برکت دے گا۔ مگر پھوپی جان لاکھ آپ مجھ سے چھپائیں۔ میں کبھی تو آخر چھوٹی سوٹی بُری بھلی کچھ تو عقل رکھتی ہوں بچہ نہیں نادان نہیں۔ ہائے پھوپی جان میرا دل اندر سے کہہ رہا ہے کہ میں باپ سے چھوٹی اور ایسی چھوٹی کہ سدا کو۔ اب تو آپ اباجان کو اس گھر میں مہمان ہی سمجھئے۔ کلیجہ اندر سے اُڑا چلا آتا ہے۔ کس قیامت کی رات ہے۔ دیکھئے تو سہی صبح ہونے کو نام نہیں لیتی۔ سیجئے دو بجے ہیں۔ میں تو خدا سے التجا کرتی ہوں۔ کہ اباجان کی بیماری مجھ کو لگ جائے۔ اور یہ اچھے ہو جائیں۔ اللہ میری دعا قبول کرلے ڈاکٹر کمبخت کو تو دیکھئے کیا منہ بھر کہہ گیا ہے کہ "اب علاج بے سود ہے۔"

پھوپی سے یہ کہہ کر جو باپ کی صورت پر نظر ڈالی اور ساتھ ہی اس کی شفقت اور محبت کا خیال آیا تو دل بالکل ہی بے اختیار تھا۔ اس کا "نسن نسن" کہہ کر آواز دینا پاس بلانا سر پر ہاتھ پھیرنا۔ کھلانا۔ پلانا۔ غرض شفقت پدری کا فراق کیا تھا۔ کلیجہ پر نشتر لگ رہے تھے۔ کچھ ایسا جوش آیا کہ جھکی اور جھک کر اپنی آنکھیں باپ کے تلوؤں سے ملیں۔ نسیمہ کا رو رو کر آنکھیں ملنا اور بوسہ دینا تھا کہ میرزا صاحب نے آنکھ کھولی۔ دیکھا تو گھر بھر پڑا سوتا تھا۔ سنجیدہ کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔ نسیمہ کو پاس بلا کر گلے سے لگایا۔ اور آہستہ سے کہا۔

"میری جان! میں تو اچھا ہوں تو کیوں دل بھاری کرتی ہے۔"

باپ کے یہ الفاظ سن کے تسکین کے بدلے ایک ایسا نشتر تھا جو فوراً ہی دل کے پار ہو گیا۔ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ ہر چند باپ نے سمجھایا اور دلاسا دیا مگر وہ کچھ اس درجہ ناامید ہو گئی تھی کہ کسی طرح نہ سنبھلی۔ سنجیدہ سوئی تو کیا خاک تھی تین چار راتوں کی جاگی ہاری تھی۔ گاؤ تکیہ پر سر رکھ کر کمر سیدھی کرنے

لیٹ گئی تھی۔ ذرا کی ذرا آنکھ جھپکی ہوگی کہ بھتیجی کے رونے کی آواز آئی۔ گھبرا کر اٹھی اور سٹ پٹا کر دوڑی۔ بھائی کو ہوشیار دیکھ کر جان میں جان آئی۔ بھتیجی کو سمجھا بجھا کر پانی پلایا اور بھائی سے باتیں کرنے لگی۔ میرزاہد کی حالت اس وقت تعجب انگیز تھی۔ یا تو وہ غفلت اور غوطہ گھنٹوں چپکا پڑا ہے۔ آوازوں پر آوازیں مگر خبر نہیں۔ یا یہ ادسان اور ہوش کہ اپنے منہ سے پانی مانگا۔ اٹھ کر بیٹھا۔ گھر کے ایک ایک بچہ کو نام بنام پوچھا۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ اس طرح گزرا ہوگا کہ حالت پھر بگڑی تبلیسی بیٹھ گئی۔ آنکھیں پھر گئیں۔ سنجیدہ پاس بیٹھی تھی۔ نسیمہ سہارا دیئے بیٹھی تھی۔ بہتیرا سنبھالا مگر جب دیکھا کہ اب میرے بس کا نہیں۔ ہاتھوں پہ سر لے کر تکیہ تک لائی ابھی سر تکیہ تک پہونچا بھی نہ تھا کہ میرزاہد کو ہچکی آئی۔ اور بیٹی کے ہاتھوں میں ہمیشہ کو رخصت ہو گیا۔

سنجیدہ نے آ کر دیکھا تو بھائی کبھی کا رخصت ہو چکا تھا۔ چیخ مار کر گر پڑی۔ ہوش آیا تو بھتیجی کو گلے لگا کر کیسی بلکی ہے کہ سننے والوں کے دل پر چوٹ لگتی تھی۔ نسیمہ کی آنکھ سے باپ کی زندگی میں ساون بھادوں کی جھڑیاں تھیں مگر باپ کا دم نکلنا تھا کہ بالکل ہی پتھر ہو گئیں۔ آنکھ میں آنسو ٹھنڈا سانس ایک تصویر تھی کہ گم سم بیٹھی ہے۔ یوں گھنٹے اس طرح گذرا ہوگا کہ اٹھی۔ اٹھ کر کلام اللہ لائی۔ اور باپ کے سرہانے بیٹھ کر پڑھنا شروع کیا۔ رات ختم ہوئی اور موذن نے صدائے اللہ اکبر بلند کی۔ فراق ابدی کا ثبوت باپ کا مردہ آنکھ کے سامنے موجود تھا اذان کی آواز کان میں آتے ہی منہ پر سے کپڑا اٹھایا۔ اور یہ کہہ کر لپٹ گئی۔

"اباجان لونڈی سے کچھ خدمت نہ ہو سکی۔"

(۳۳)

میرزاہد کو تو خیر مرنا تھا وہ مرگیا مگر سچی بات یہ ہے کہ نسیمہ کو جیتے جی مردہ بنا گیا۔ سنجیدہ جیسی پھوپی جس پر سو مائیں قربان۔ جس نے تیرہ چودہ برس تک بھتیجی کی آنکھ تک نہ میلی ہونے دی اس معاملہ میں بالکل مجبور تھی یہ پہاڑ نسیمہ پر ایسا آن گرا کہ سنجیدہ کے سرکائے نہ سرکا۔ لاکھ تسلی و تشفی دیتی۔ مگر میرزاہد کی موت نسیمہ کے لئے ایک کاری زخم تھا جس نے اندر ہی اندر گھلانا شروع کر دیا۔ پھوپی کی زبردستی ماں کے کہنے سننے سے برائے نام دسترخوان پر آ بیٹھتی۔ مگر جہاں نوالا توڑا اور باپ کا تصور بندھا۔ مشکل سے رات دن میں آدھا پاؤ ڈھائی چھٹانک اناج اس کے پیٹ میں جاتا ہو گا۔ دسواں، بیسواں، چالیسواں سب کچھ ہو گیا۔ میرزاہد کو مرے دو تین مہینے ہونے آئے۔ بیوی اور بہن دونوں رو پیٹ کر صبر کر چکیں۔ مگر نہ درست ہوئی تو حالت نسیمہ کی۔ ذکر ہے تو اسی کا اور فکر ہے تو اسی کا۔ مردوں کی صورت یتیموں کی پڑی ہے تو چپکی کھڑی ہے تو گم سُم۔ بھائی کا صدمہ تو سنجیدہ بھول بسر گئی۔ مگر بھتیجی کی یہ کیفیت اس کے دل پر ہر وقت کچوکے دیتی۔ سب کوشش کر چکی تو استانی جی کو جو چند روز کے واسطے کلکتہ گئی ہوئی تھیں مفصل حال لکھ کر ان سے مدد مانگی کہ اگر آ سکیں تو خود آئیں ورنہ لکھ کر سمجھائیں۔ استانی ایسے الجھیڑے میں تھیں کہ کئی دفعہ آنے کا ارادہ کیا۔ مگر ہمیشہ کوئی نہ کوئی سبب ایسا ہو گیا کہ نکل نہ سکیں۔

اس وقت جو خط انھوں نے نسیمہ کو لکھا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے۔

پارہ جگر نسیمہ بیگم سلمہا۔!

"دعائے فراواں، میر صاحب کی رحلت سے جو صدمہ تم کو پہنچا مشکل

ہے کہ دوسرا آدمی اس کا ٹھیک اندازہ کر سکے۔ میں ہرگز اس خیال کی آدمی نہیں ہوں کہ ایک شخص پر ایک مصیبت پڑے اور دوسرے اس کو صبر کی تلقین کرنا محض اپنا فرض سمجھیں۔ صبر ایسی چیز نہیں کہ کسی کے کہنے سننے سے آجائے یا دینے سے مل جائے۔ بلکہ میں تو اس کو ایک قسم کی زیادتی سمجھتی ہوں۔ بننے والے کی تو جان پر بنی ہوئی ہے۔ اور دیکھنے والے صبر صبر پکار رہے ہیں۔ یہ کہنے کا حق تو اسی معبود کو حاصل ہے جو مصیبت پر صبر کرنے والے کو صبر جمیل بیان فرماتا ہے۔ تم کو اس وقت جس قدر صدمہ ہو صحیح اور جتنا غم کرو درست۔

سنجیدہ بہن کے خطوں سے تمھاری حالت معلوم ہوئی۔ وہ اپنی مامتا کے مارے کچھ ہی کہیں مگر میں تو یہ کہتی ہوں کہ یہ حالت جو تمھاری ہوئی بجا ہوئی۔ اور جائز ہوئی۔ اور ہونی چاہیے تھی۔ کس منہ سے کہوں۔ اور کس دل سے لکھوں کہ صبر کرو۔ وہ تو اپنے وقت ہی سے آئے گا۔ اور ضرور آئے گا۔ مگر ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھنا تھا وہ اٹھ گیا۔ محبت اور خوشامد کرنے والے زندہ ہو تو بہت سے ملیں گے۔ مگر دل سے چاہنے والا نصیب نہ ہوگا۔ میری رائے میں زندگی کی گراں بہا نعمت ماں باپ کا سایہ ہے۔ اور تم اس آدھی نعمت سے محروم ہوگئیں۔ تقدیر نے تم سے ایک بیش بہا چیز چھین لی۔ اور اس طرح چھینی کہ اب ہاتھ نہ آئے گی۔ میرے خیال میں کنوار پنے کی بڑی کمائی اور میکے کا انمول جہیز یہی دو چیزیں ہیں۔ تم کو تعجب ہوگا مگر غور کروگی تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ ماں باپ جہیز میں نہیں ہوتے۔ مگر اُن کی دعائیں بیٹی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ نسیمہ بیگم میں سچ کہتی ہوں نہ اب میر زاہد قبر سے زندہ ہو کر آئیں گے نہ ویسی دُعا دینے والا میسر ہوگا۔ ایسے نقصان پر جس کی تلافی تمھارے کیا کسی کے بس کی نہیں۔ جتنا رو دُ تھوڑا ہے۔ تم کو تو یہ معلوم ہوگیا

ہو گا کہ یہ ایسی دولت جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں چند روز کی مہمان ہوتی ہے جب مہمان نے رخصت کی ٹھانی تو کچھ ہی کرو۔ اور کتنا ہی رو کو سب فضول۔ پھر یہ دم بھر ٹکنے والا نہیں چھوٹے اور ایسے کہ پھر چاہے دنیا بھر کی خاک چھان ڈالو مگر یہ کہاں نسیمہ بیگم برا نہ ماننا اس وقت جو غم کر رہی ہو اپنے آرام کا ہے محبت آزمانے کا وقت تو وہ تھا کہ جب باپ مرض الموت میں گرفتار اور تمھاری مدد کا محتاج ہو کر پڑا تو تم نے کتنی خدمت کی۔ مجھ کو تمھاری سعادتمندی سے امید نہیں یقین ہے۔ کہ وہ شخص جس نے اپنا سکھ چین تم پر سے قربان کر کے نسن سے نسیمہ بنایا۔ آخر وقت میں اس طرح رخصت ہوا ہو گا کہ اس کی روح ہمیشہ ہمیشہ تم کو دعائیں دے گی یقین نہیں کامل یقین ہے کہ تم نے باپ کا شوک کبھی صندل کیا ہو گا۔ میں وعدے سے کہتی ہوں کہ پھولو گی پھلو گی اور کبھی اس بات کا پچھتاوا نہ آئے گا کہ باپ کا حق الخدمت ادا نہ ہو سکا۔

"مجھ کو یہ سنکر خوشی ہوئی کہ باپ کی یاد میں آج تک تمھاری آنکھ سے آنسو بہ رہے ہیں۔ میں نہ تم کو منع کرتی ہوں نہ یہ کہتی ہوں کہ زاہد جیسے باپ کو دل سے بھلا دو اور دنیا کے مخمصوں میں ایسی پھنسو کہ مرحوم باپ کا کبھی خیال نہ آئے۔ مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گی۔ اور وہ بھی اس لئے کہ ضرورت ہے۔ بیٹی یہ تمام رشتے ختم ہونے والے اور فانی ہیں۔ یہ سلسلہ اسی طرح چل رہا ہے۔ اور چلتا رہے گا۔ ذرا سوچنے کی دیر ہے۔ آسانی سے معلوم کر لو گی کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہ ہوا ہے نہ ہو گا۔ جو اس رنج سے بچا ہو۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی یہ صدمے زیادہ ہوتے گئے۔ زندگی کے ساتھ ہی ان واقعات کا دیکھنا اور صدمات کا اٹھانا بھی لازمی سمجھ لو۔ کبھی قبرستان میں جانے کا اتفاق ہو تو دیکھنا بیسیوں اور سینکڑوں ہزاروں اور لاکھوں قبریں ہی قبریں کھائی

دیں گی۔ کچی اور پکی ثابت اور ٹوٹی۔ غرض چپہ چپہ اور کونہ کونہ ان ہی سے پٹا ہوگا۔ آخر یہ کون ہیں؟ کلیجے کے ٹکڑے آنکھوں کے تارے لالوں کے لال۔ یہ وہی چاند سی صورتیں ہیں۔ جو راتوں سینوں پر لوٹی ہیں۔ اور آج جنگل بیابان اندھیرے گھپ میں مٹی اور گارے کے نیچے دبی پڑی ہیں۔ ان کو کس دل سے رخصت کیا اور کن ہاتھوں سے سلایا۔ وہی دل جس پر ان کی چند روزہ جدائی سے چھریاں چلتی تھیں۔ ان کو گہری گور میں سلانے اور فراق ابدی پر راضی ہوگیا۔ ہوی دنیا کا یہی دستور ہے کہ ایک سے ایک چھٹتا چلا آیا ہے۔ جس طرح ہمارے ماں باپ ہم کو تنہا چھوڑ کر سدھار گئے۔ اسی طرح ایک دن ہم کو بھی اپنے بچوں سے منہ موڑنا ہے۔ یہ وہ قانون ہے جو بدلنے والا نہیں اور وہ سلسلہ ہے۔ جو کبھی نہ ٹوٹے گا۔ ہم ان پر رو رہے ہیں۔ لوگ ہم پر روئیں گے۔ جیسے ہم مرنے والوں پر رو رہے ہیں۔ مرنے والے اپنے پیاروں کو روئے مگر نہ ان کے مرنے سے قدرت کے انتظام میں فرق آیا نہ ان کے مرنے سے آئے گا۔ آسمان جیسے پہلے چھایا ہوا تھا۔ آج بھی چھایا ہوا تھا۔ وہی دن وہی راتیں۔ وہی صبح وہی شام مرنے والے مر گئے اور چلنے والے چل دیئے۔ اب ہم ہیں اور دنیا۔ وہی دنیا اور وہی دنیا کے دھندے۔ مرتے کے ساتھ کون مرتا ہے۔ اگر کہیں مردوں کے ساتھ زندہ بھی دفن ہوتے تو دنیا کے کام چوپٹ ہو جاتے دیکھنے کی بات ہے کہ مرنے والا کیسا مرا۔ گیا تو کیا کر کے گیا۔ اور چلا تو کیا کے چلا۔ میر زاہد خدا بخشے مجھ سے آٹھ برس چھوٹے تھے۔ میں ہٹی کٹی بیٹھی ہوں۔ اور انھوں نے جنگل جا بسایا۔ گو ان کی عمر مرنے کی نہ تھی۔ مگر پھر بھی ان کو جو کرنا تھا اگر سب نہیں تو بہت کچھ کر گئے۔ بیٹا بیاہا۔ بیٹی بیاہی۔ بیٹی کے بچے دیکھے۔ بیٹے کی دلہن دیکھی۔ رہے تو ایسے رہے کہ واہ واہ سبحان اللہ

اور گئے تو ایسے گئے کہ تم تو بیٹی ہو، میں غیر بھی آج تک رو رہی ہوں۔ ان کو نہیں رو رہی، بلکہ اپنی غرض کو کیونکہ محلہ میں کوئی اتنا نہیں دکھائی دیتا۔

بیٹی پیاری اُن کو تو جو کرنا تھا وہ کر گئے اور اچھا کر گئے۔ تم کو جو کرنا ہے اس پر بھی تو نظر ڈالو ورنہ دنیا میں آنے کی غرض گئی گزری ہوئی۔ جانتی ہو کیا کرنا ہے۔؟ اتنا تو تم کو معلوم ہے کہ تمھاری زندگی سے کارخانۂ قدرت کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ اگر فائدہ پہونچ سکتا ہے تو تمھارے اپنے بہن بھائیوں کو۔ تمھارے جیسے آدمی کو تمھارے ہی جیسے اللہ کے بندوں کو محتاجوں کی خدمت، حاجت مندوں کی مدد، مظلوموں کا ساتھ، بے وارثوں کا پاس، بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں سے سلوک، یہ کام ہیں جن کے لئے تم بنائی گئیں۔ تاکہ آدمی اور جانور غرض جس کا جو کچھ حق تمھارے ذمہ مقرر ہو گیا۔ اس کو پورا کرو۔ بیٹی زندگی کا مزہ تو جب ہی ہے ورنہ جینا فضول اور رہنا بے کار۔ تم نے تو ابھی عمر کی پہلی منزل بھی طے نہیں کی۔ حالانکہ پہنچنا بہت دور ہے۔ ابھی تو آگے چل کر دیکھنا کیسے کیسے ندی نالے پھلانگنے اور گھاٹیاں اترنی پڑتی ہیں ضرورت یہ ہے کہ بڑی بڑی ٹکروں اور سخت سے سخت مصیبتوں کے واسطے تیار ہو۔ آج ہی ہمت پست کرو گی اور جی ہارو گی تو یہ عمر کس کے کاٹے کٹے گی۔ یہ بیڑا کیوں کر پار ہو گا۔ اور یہ منزل کس طرح پوری ہو گی۔ نسیمہ بیگم تم کو چند بندوں کی پرورش کرنی ہے۔ اور ایک گھر کا مالک بننا ہے۔ تم ابھی سے کندھا ڈالو گی تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ تم یہ کوشش کرتی ہو کہ قدرت کے انتظام میں رد و بدل کرا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ چن لو۔ بیٹی یہ تو ہونا نہیں پھر کیوں کہہ کر بدنام اور گر کے شرمندہ ہوئیں۔ یہ انتظام میرے تمھارے دو ہاتھ دو پاؤں والے آدمی کے کام نہیں۔ بلکہ اک زبردست احکم الحاکمین کے احکام ہیں۔ کس کی مجال ہے

کہ دم مارے اور اس کے فیصلہ پر چیں بجبیں ہو۔ میں مسلمان کے ہاں پیدا ہوئی اور اب بھی مسلمان ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ مسلمان مروں۔ عقیدہ یہ ہے۔ کہ ہم سب اپنا وقت پورا کرکے ایک بڑے دربار میں اس غرض سے حاضر ہوں گے کہ زندگی میں جو غفلت کی اس کی جواب دہی کریں۔ ممکن ہے میری رائے صحیح نہ ہو لیکن میں تو زندگی کا ماحصل یہ سمجھتی ہوں کہ جس وقت دنیائے ناپائدار کو خیرباد کہوں تو جس طرح تم اپنے باپ کو رو رہی ہو دنیا مجھ کو اس طرح روئے اور میں جو دنیا میں روتی ہوئی داخل ہوئی ہنستی ہوئی رخصت ہوں۔ میں اس نتیجہ پر پہونچی ہوں کہ زندگانی کا مقصود خدا اور اس کے بندوں کی رضامندی ہے۔ تو کس کا صدمہ اور کس کا رنج جو حال ہے وہ اچھا۔ جو وقت ہے وہ خوب، باپ کی محبت رنج وغم سے ظاہر نہیں ہوسکتی۔ سچی ہو تو وہ باپ جس کا دن رات تمھاری صورت دیکھتے گزرتا تھا۔ اور آج تمھاری مدد کا محتاج ہے۔ اس کی خدمت کرو خیرات کرو۔ قرآن پڑھو۔ وہ بھی تو سمجھے کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔

مجھے میاں زاہد کا حال اچھی طرح معلوم ہے۔ جس طرح انھوں نے دنیا میں کسی کا دل نہ توڑا خالق حقیقی ان کا دل نہ توڑے گا مگر وہ تو جیسی گزارنی تھی گزار گئے۔ لیکن تم کو ابھی بہت سی گزارنی ہے۔ تسیمہ بیگم سب سے زیادہ اس کا لحاظ کرو۔ اور سمجھو کہ دنیا کی کسی حالت کو قرار نہیں۔ کوشش یہ ہو کہ جب تک زندگی ہے عزیز واقارب محلہ پڑوس اپنے ہوں۔ یا غیر رشتہ دار ہوں یا جان پہچان کسی کو تکلیف نہ پہونچے اور جب روانگی کا وقت ہو تو دربار حقیقی میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

(۳۴)

اُستانی جی کا خط ایک نشتر تھا جس نے صبح ہی نسیمہ کے پکے پھوڑے کو چھیڑ دیا۔ مواد بھرا ہی ہوا تھا۔ ہاتھ لگانے کی دیر تھی۔ پڑھتے ہی بے اختیار ہوگئی۔ اندر کے کمرے میں جا لگی پھوٹ پھوٹ کر رونے۔ دو ڈھائی گھنٹہ بعد جا کر ہچکی تھمی۔ تو سوچنے لگی سچ تو ہے جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب اس رونے دھونے اور فکر و رنج سے کیا حاصل۔ کیا کروں ہر چند دل کو سمجھاتی ہوں۔ مگر کسی خیال سے تسکین نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ کوئی میں انوکھی بیٹی تھوڑی ہوں اور کچھ میرے ہی سر سے باپ کا سایہ نہیں اٹھا۔ دنیا جہان میں یہی ہوتا آیا ہے خدا کی مرضی تھی۔ پوری ہوئی اب میں قدرت کے انتظام میں دخل دینے والی کون استانی جی نے کیسی اچھی بات لکھی ہے کہ خیرات کرو قرآن پڑھو باپ کی محبت ہے تو ثواب پہنچاؤ۔ مجھے اس کی تعمیل میں عذر نہیں۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بزرگوں سے بھی سنا کتابوں میں بھی پڑھا کہ مردے کو ثواب پہنچتا ہے۔ آخر یہ کس طرح پھوپی اماں سے چل کر پوچھوں۔

نسیمہ کو خبر ہو یا نہ ہو مگر یہ خط اصل میں سنجیدہ اور استانی جی کی ہی بھگت تھی۔ ڈاکیہ کا آکر آواز دینا تھا کہ وہ اندر بیٹھی بیٹھی باہر آئی۔ کن انکھیوں سے پتہ ٹٹولا اور لفافہ کی صورت دیکھتے ہی خط کا مضمون بھانپ گئی۔ نسیمہ مسئلہ ثواب کو دریافت کرنے آئی تو اس نے اس طرح جواب دینا شروع کیا۔

"تم جانتی ہو باری تعالیٰ خود تو کسی بندے کی عنایت یا عبادت کا محتاج ہے نہیں۔ خیرات و زکوٰۃ مقرر کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ حاجت مند اس بہانہ سے اپنی حاجتیں رفع کریں۔ جس طرح مالداروں کی ضرورتیں با آسانی پوری ہوتی ہیں۔ اسی طرح مفلسوں کی بھی اٹکی نہ رہیں۔ اور وہ لوگ جن کے

پاس ضرورت سے زیادہ ہے۔ دوسروں کی ضرورت کا بھی لحاظ کریں۔ اسی واسطے سب سے پہلے عزیز و اقارب کی خدمت ہے تاکہ وہ غیروں کے دست نگر نہ ہوں۔
ہر شخص کے اوپر دنیا میں دو قسم کے حقوق ہیں۔ ایک خدا کے جن کو حقوق اللہ کہتے ہیں۔ اور ایک بندوں کے جنہیں حقوق العباد کہتے ہیں۔ میں پہلے بھی ایک دفعہ تم کو بتا چکی ہوں۔ لیکن آج مسئلہ پر مفصل گفتگو کرتی ہوں تاکہ مسئلہ ثواب تمہاری سمجھ میں آجائے یوں سمجھو کہ ایک اپاہج کو کوئی ضرورت پیش آئی قدرت نے اس کو ان ذرائع سے محروم کر دیا جو اس کی ضرورت پوری ہونے میں مددگار ہوتے۔ اب اس کی ضرورت کا حق اس کے ہم جنسوں پر ہے۔ ایک شخص کو رحم آیا اور وہ مدد کرنے پر آمادہ ہوا مگر چونکہ اس حق میں جو اس پر ہے۔ تمام انسان شریک ہیں اور صرف ایک شخص اس حق کو محض ہمدردی کے طور پر ادا کرنا چاہتا اور سمجھتا ہے۔ کہ انسانیت متقاضی ہے اس بات کی کہ میں اس کی مدد کروں۔ جہاں تک امکان ہے مدد دی اور یہ چاہا کہ اس کا ثواب میرے کسی عزیز کو ملے۔ اب یہ خیال کے دینے والے نے ایک کو روٹی دی اور مرنے والوں کو روٹی پہنچی ٹھیک سا نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن اپاہج کی خدمت رضائے الٰہی کا سبب ہوا۔ اور جب خدا کی رضامندی حاصل ہوئی تو کچھ تعجب کی بات نہیں کہ وہ دینے والے کی خواہش پوری کرے اور اس کے عزیز کی جو ہر قسم کی مدد کا محتاج ہے۔ اپنی رحمت سے اعانت کرے۔ اور یہ ناچیز تحفہ کسی دوسری صورت میں اس تک پہنچا دے

(۳۵)

جس طرح برف کی ساری سل گھل گھلا کر آخر کار پانی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح رنج اور صدمہ تسکین ہوتے ہوتے ایک نشان سا باقی رہ جاتا ہے۔ استانی جی کا پھوپی کی تلقین الشیہ کر کچھ ایسی تسکین ہوئی کہ بظاہر غم کے کوئی آثار اس...

چہرے سے معلوم نہ ہوتے تھے۔ البتہ صبح شام دونوں وقت دو پارے قرآن شریف دو آدمیوں کا کھانا بلاناغہ باپ کے نام پر بھجوا دیتی۔ اگر کوئی مستقل فرق حالت میں ہوا تو صرف یہ کہ مونس و ہمراز و رفیق و دمساز گڑیاں یا سہیلیاں جو کچھ بھی تھیں وہ کتابیں۔ غرض معلومات مذہب میں جو تھوڑی بہت کمی تھی وہ اس طرح پوری ہوئی۔

نسیمہ کے سگھڑاپے اور سلیقہ شعاری کی دھاک تو گھر اور محلہ کیا کنبہ اور شہر میں کبھی کی بندھ چکی تھی۔ چودھویں برس ہی ہر طرف سے شادی کے چرچے ہونے لگے بڑی بڑی رئیس زادیوں اور امیر زادیوں کو نسیمہ کے لانے کا ارمان تھا اور ایمان کی بات بھی ہے کہ دھن بھاگ اس گھر کے جس میں نسیمہ دلہن بن کر پہونچے۔

ایک دو نہیں بڑے بڑے گھرانوں کی بیویاں سینکڑوں ہزاروں کی جائداد لکھنے کو تیار تھیں۔ ادھر منجھلی کے سسرال والوں نے مارے تقاضوں کے ناک میں دم کر رکھا تھا لیکن سنجیدہ نے ایک دفعہ کھلم کھلا صاف جواب دیدیا۔ مگر کچھ عجیب قسم کے لوگ تھے کہ گھر کی مٹی ہے ڈالی سنجیدہ کا انکار اس وجہ سے نہ تھا۔ کہ وہ پردیس میں بیٹی دینا گناہ سمجھتی ہو۔ لڑکے کے گن ہی اس قابل نہ تھے کہ نسیمہ جیسی بیوی کا خاوند ہوتا۔ روپیہ کی افراط ضرور مگر سنجیدہ اس کی بھوکی نہ تھی۔ سو عیبوں کا عیب اور ہزاروں نقصوں کا نقص یہ تھا کہ صاحبزادہ کی کل علمیت اردو کی دو چار کتابیں تھیں۔ ایسی جگہ تو لوگ اگر آنکھیں پھلتے اور سوتا لٹاتے تو سنجیدہ بیٹی دینے والی نہ تھی۔ جن صفتوں کا لڑکا اسے مطلوب تھا۔ وہ علانیہ کہہ چکی تھی۔ اس پر منجھلی والوں کا اصرار بالکل بے سود اور قطعی بیکار تھا۔ مجبوراً ایک دن صاف کہہ دیا۔

"بیوی مجھ کو کیوں پریشان کیا۔ کئی دفعہ کہہ چکی ہوں کہ مجھ کو روپیہ پیسہ نہیں

چاہیئے میں تو صرف لڑکا پڑھا لکھا چاہتی ہوں "۔

بیچ والی :- "تو پھر بیگم بگڑتی کیوں ہو۔ کس بھتے پر یہ شوں شاں۔ ایسے لڑکی میں کیا لال لگے ہوئے ہیں۔ علم علم علم، علم نہ ہوا میرزا گوڑا کا تام جھام ہوا۔ اس کا امتحان پاس ہو ڈھم کا امتحان پاس ہو۔ بس تو اصل نسل ہڈی تو کچھ چیز ہی نہ رہی تقدیر میں نوکری نہیں تو پاس کو بیٹھی چاٹا کرنا۔ بڑے بڑے پاس والے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ اور کوئی بات تک نہیں پوچھتا۔"

مشاطہ تو خدا معلوم کیسی جلی اور کب کی بھری ہوئی تھی کہ گھر چڑھ کر آئی سر چڑھ کر رہی۔ اتفاق سے نند بھاوجیں دونوں ہی بیٹھی تھیں اور بھاوج کو تو غصہ ہی آ چلا تھا۔ مگر سنجیدہ بھاری بھر کم تجربہ کار عورت ہوں نہ کرلے دیں۔ جانتی تھی کہ اس کے منہ لگنا پرلے سرے کی بیوقوفی اور حد درجہ کی نادانی ہے۔ کیوں اندھا نیوتا اور کیوں دو بلائے۔ ایسی گھنی ساد ی کہ خبر ہی نہیں یہ کس کو کہہ رہی۔ بڑھیا کچھ دیر تک تو اس توقع پر کہ شاید کچھ جواب ملے منہ تکتی رہی۔ مگر جب دیکھا کہ یہاں کسی کے کان پہ جوں نہ چلی تو برقعہ سر پر ڈال سیدھی ہو لی۔ اتنے بڑے شہر میں لڑکوں کی کیا کمی مگر انٹرنس پاس سو روپے کی مستقل آمدنی۔ یہ دو چیزیں ایسی تھیں کہ سال پورا ہونے آیا اور ایک بات ڈھنگ کی نہ جڑی پیغام بیسیوں آئے مگر جو آیا وہ بے تکا، مالدار ہیں تو جاہل، پڑھے لکھے ہیں۔ تو مفلس دانتوں کریدنے کو تنکا تک نہیں۔ دولت پور کے رئیس کا نام سنکر تو ماں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور نند سے کہا بھی مگر سنجیدہ کچھ ایسی مستقل مزاج آدمی تھی کہ جو ایک دفعہ منہ سے نکل گیا۔ آخر تک اس پر اڑی رہی۔

میرزا احمد مرحوم کے چچا زاد بھائی کا لڑکا قسیم تیور س کے سال بی اے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ بچپن ہی سے کچھ ایسا سیدھا اور نیک واقع

ہوا تھا۔ کہ تمام جھگڑوں سے الگ تھلگ مدرسہ اور کتاب کے سوا تیسری چیز سے واسطہ ہی نہ تھا۔ چودھویں برس میں انٹرنس کیا سولھویں میں ایف اے۔ اٹھارویں میں بی۔ اے نتیجہ نکلتا تھا کہ نائب تحصیلداری میں نام درج ہوگیا اور اس سال مستقل جگہ مل گئی۔ سنجیدہ کی نگاہ تو قسیم پر کبھی کی پڑ چکی تھی خصوصاً بقرعید والے روز تو وہ دیکھ کر بالکل لٹو ہوگئی کہ بکرا ذبح کرنے کے واسطے کنبہ بھر نے زور لگایا مگر اس نے اپنے ہاتھ سے چھری نہ پھیری۔ کسی نے مرتد، کسی نے کافر، کسی نے لڑکی، کسی نے بزدل، غرض جو جس کے منہ میں آیا سب ہی کچھ بنایا۔ مگر ذبح کرنا تو درکنار، ذبح کے وقت کھڑا نہ ہو سکا۔ چونکہ سنجیدہ کا مذہب بھی تقریباً یہی تھا اس لئے قسیم کی عزت تو اس کی نگاہ میں اس وقت سے تھی جب وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اب تو بی۔ اے اور نائب تحصیلدار۔ کبھی چھپکی اور دُو دُو۔ مگر بیٹی کی ماں تھی کیا مجال جو اشارۃً یا کنایۃً کبھی کسی کے آگے زبان پر لائی ہو۔ ادہر قسیم کی ماں نسیمہ کا انتظام خانہ داری اور اس کے خیالات سن سن کر سو جان سے عاشق تھی، گو زبان پر نہ لائی مگر دل میں کہہ چکی تھی کہ اگر جان میں جان ہے تو بھابی جان سے بیٹی لوں۔ لوں اور پھر لوں۔ سنجیدہ کی شہرتیں اس کے کان تک پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔ اور اب تک اس کی خموشی غفلت نہ تھی۔ بلکہ بیٹے کی نوکری کا انتظار۔ نائب تحصیلدار ہونا تھا کہ وہ ایک روز پانچ روپیہ کی مٹھائی ساتھ لے صبح کی نماز سے فراغت پا، سنجیدہ کے ہاں آن اتری۔ نسیمہ تو سنتے ہی کرے میں چلی گئی۔ چبوترے پر دونوں گلے ملیں۔ اور دالان میں آکر ہنستی ہوئی بیٹھیں۔

سنجیدہ :۔ "آج کدھر راستہ بھول گئیں غنیمت ہے کہ ملنے کو جی چاہا۔ میں تو ایک ایک سے خیر صلاح پوچھتی تھی۔"

قسیم کی ماں :۔ "جی بجا ہے دل چاہتا تھا تو میں ایسی کونسی ہزاروں کوس تھی۔

بھی اچھی ہے۔

سنجیدہ۔ "ہاں خدا کا شکر ہے آپ کی دعا سے اچھی طرح ہے۔"

قسیم کی ماں:۔ "میرے اُٹنے کی شرم میرے بڈھے چونڈے کی لاج تمہارے ہاتھ ہے۔ فقط ملنے ہی نہیں آئی عرض لے کر آئی ہوں۔ قسیم کے عیوب اپنے دامن میں چھپاؤ اور اس کو غلامی میں قبول کرو۔ میں ہوں تو چھوٹی سی آدمی مگر یہ وعدہ کرتی ہوں کہ جب تک زندہ ہوں۔ پاؤں دھو دھو کر پیوں گی۔ زور نہیں، زبردستی نہیں، مگر یہ ارمان قبر میں ساتھ لے جاؤں گی۔ میرا دل نہ توڑنا۔ لاؤ لپیٹ کی باتیں تو مجھے آتی نہیں۔ تین ہزار روپیہ اسی نام کا میں نے الگ رکھا ہے۔ وہ حاضر ہے یہی جوڑا چڑھاوا سمجھو۔ مردہ بن کر آئی ہوں۔ زندہ بنا کر بھیجو۔ میری طرف نہ دیکھو۔ آپا جان ہنسی کی بات نہیں مجھے ہنسی میں نہ اڑاؤ۔ چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ مگر دروازہ پر آئی ہوں خالی نہ جاؤں گی۔"

سنجیدہ۔ "اِدھر کا خیال تم کو کہاں سے پیدا ہوا۔ کیوں زر جفت میں گاڑھے کا پیوند لگاتی ہو۔ کس بل پر ہاں کروں۔ روپیہ، پیسہ، ہنر سلیقہ، شکل صورت کچھ بھی تو نہیں۔ کیوں مجھ کو کہہ کر شرمندہ کرتی ہو۔ غریبوں کی کھپت تو غریبوں میں ٹھیک ہوتی ہے۔ قسیم، اللہ اس کی عمر دراز کرے اور تمہارا کلیجہ ٹھنڈا رکھے جیسے تمہارا بچہ ویسے میرا، مگر کیا کروں عقل کام نہیں کرتی۔ خیر ابھی اس کا انکار اقرار تو کچھ کرتی نہیں۔ ہاں اتنی مہلت دو کہ اس کی ماں کا بھی عندیہ لے لوں۔"

بظاہر تو سنجیدہ نے پانی کے آگے خوب پاڑ باندھی مگر دل کی کیفیت یہ تھی کہ قسیم کا نام سنتے ہی سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ قسیم کی ماں کیسی ہی سیدھی اور بھولی بھالی کیوں نہ ہو۔ ایسی بچہ بھی نہ تھی کہ معاملہ اِدھر نہ اُدھر اُدھر میں ڈال چلتی ہوتی۔ سنجیدہ کی گفتگو سنکر پہلے تو ہنسی اور پھر کہنے لگی۔

"بھابی جان کا عندیہ کیا۔ اصل عندیہ تمہارا ہے۔ جہاں تم راضی ہو۔ وہاں وہ خوش۔ اور اگر خیران ہی پر دارومدار ہے تو وہ کون سے کالے کوسوں ہیں۔ جانا پڑے گا ہی ذرا بلانا۔ کل پندرہ دن کی چھٹی ہے۔ جس میں سے آج تین دن تو ہو ہی گئے۔ ان ہی بارہ دن میں سب کچھ کرنا دھرنا ہے۔ اچھی مہلت نانی ہے"

قیاس تو یہی کہتا ہے کہ سنجیدہ ایسی جلدی ہاں کرنے والی نہ تھی اور اگر قسیم کی ماں غیر ہوتی تو یقیناً پُرے پھٹتے اور جوتیاں ٹوٹتیں۔ گو اپنی کرنی میں اس وقت بھی کسر نہ رکھی اور ہر چند چاہا کہ کسی طرح اس وقت ٹال دے۔ مگر قسیم کی ماں برابر کی سہیلی اور قریب کا رشتہ، ان ٹالے بالوں میں کیا آنے والی تھی۔ صبح کی نماز پڑھ کر آئی۔ اور ظہر کے بعد ہاں کروا کر اٹھی۔ شادی کیا ہتھیلی پر سرسوں جمائی تھی کہ اس پیر کو بات ٹھہری اگلے پیر کو ساچق منگل کی برات بدھ کی وداع۔

سنجیدہ کے دور اندیش اور سمجھدار ہونے میں انکار نہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اگر نسیمہ چاہتی تو سنجیدہ ہی کے ہاتھوں اشرفیاں مٹی کروا دیتی، ایک کاٹ کباڑ ہی میں جس کو کوئی کوڑیوں کے مول نہ پوچھتا دو چار سو روپے اُٹھ جانے کوئی بڑی بات نہ تھے اور سچ یہ ہے کہ سنجیدہ جھکی ہوئی تھی۔ اس طرح تھی کہ تھوڑی بہت برات کی شوبھا ہو جائے۔ مگر نسیمہ نے پھوپی سے صاف صاف کہہ دیا کہ لمبی لمبی کشتیاں اور چکلے چکلے خوان بڑی بڑی گھڑونچیاں اور بھاری بھاری لگن سوا اس کے کہ گل گرا آتا ہوں اور کس کام کے۔ ہاں تانبے کے برتنوں کا مضائقہ نہیں۔ وہ بھی ضرورت کے موافق اور حیثیت کے لائق یہ نہیں جو چیز نکلی تار بندھ گیا۔ برتنوں کی جائل تھوڑی ڈالنی ہے۔

یوں تو جس دن سے بھتیجی بیٹی بنی اسی دن سے گلہری کے گودڑ کی طرح ایک ایک چیز سنجیدہ نے سینت سینت کر رکھنی شروع کر دی تھی۔ مگر لکڑی کی

چیزیں اس خیال سے کہ زیادہ دن ہو گئے اب نہ معلوم ہوں ابھی نہ لی تھیں۔ لیکن نقد پانسو روپے اس کام کے لئے الگ رکھ چھوڑے تھے۔ نسیمہ کا یہ حال دیکھ کر اس کو کیا غرض پڑی تھی کہ گرہ سے اٹھاتی اور بے وقوف بنتی۔ سو سوا سو روپے میں لٹکن گھڑونچی کر کرا کورے چار سو روپیہ بچا لئے۔

جوڑوں کا ذکر آیا تو لونڈی کی معرفت پھوپی کے کان میں یہ بات ڈلوادی کہ وہاں بھی کہلا بھیجئے۔ چوتھی کا جوڑا نہ کار چوبی چاہیئے نہ مصالحہ سے لپا۔ گوٹے ٹھپے میں زیادہ رقم لگانا روپے کے چار آنے کرنے ہیں اس کے بدلے زیور میں ایک چیز بڑھ جائے تو بہت اچھا۔ بیٹے والوں کا کیا ہرج تھا جوڑا معمولی کر سہارے بڑھائے بھتیجی کا عندیہ دیکھ کر پھوپی نے بھی دولہا کا جوڑا فقط کر ڈھائی سو روپے نقد حوالے کئے۔ جہیز کے جوڑوں میں بھی ایسی ہی کتر بیونت کر کرا دو ہزار روپے کا ایک مکان نسیمہ کے نام خرید لیا گیا۔ زیادہ سے زیادہ پانسو روپے اوپر لگے ہوں گے۔ پانسو کا کھانا دانہ ایک ہزار کا زیور۔ چار ہزار کی شادی ایسی ہوئی کہ ادھی کی کوڑیاں بھی بیکار نہ گئیں۔

وداع کا دن آیا۔ تو پھر محلہ کی عورتیں گھر میں بھری تھیں اور کوئی ایسی نہ تھی جس کی آنکھ میں آنسو اور لب پر دعا نہ ہو۔ خوش نصیب بچی تھی نسیمہ بیٹی بنی تو ایسی ہوئی کہ محلہ بھر کے دل میں گھر کیا۔ اور بہو بننے کا وقت آیا تو پڑوسنوں تک کو خون کے آنسو رلا گئی۔ چاروں طرف سے یہی صدائیں آرہی تھیں "الٰہی نہائے پوتوں پھلے" ماں اور پھوپی کی تو جو کچھ کیفیت تھی وہ تھی ساتھ ساتھ پینسٹھ پینسٹھ برس کی بڑھیا جنہوں نے اپنے ہاتھ سے بیٹیاں اور نواسیاں تک بیاہ دیں۔ کلیجے سے لگا لگا کر زار زار رو رہی تھیں۔ نسیمہ کی محبت نے کچھ ایسا گرویدہ کر لیا تھا کہ سنجیدہ کی بیٹی محلہ بھر کی بیٹی معلوم ہوتی تھی۔

خدا کا شکر ہے۔ دلہن بنی بیٹھی ہو۔ سولہ برس کا زمانہ خواب و خیال ہوگیا اس وقت جو کچھ میری کیفیت ہے۔ اور جس دل سے تم کو رخصت کر رہی ہوں۔ وہ بیٹی والیوں ہی کے دل جان سکتے ہیں اور جو حالت تمھاری اس وقت ہوگی وہ میں خوب سمجھتی ہوں۔ کیونکہ تمھاری ہی طرح ایک دن میں بھی دلہن بنی تھی۔ اماں جیسی چاہنے والی۔ بہن بھائی جیسے پیار کرنے والے۔ غرض سولہ برس کی رفیق و شفیق سب کو چھوڑ چھاڑ ایک ایسے محلے میں آئی جہاں آج کھڑی ہوں۔ مگر ابتدا میں دل ضرور گھبرایا۔ رفتہ رفتہ وہ الجھن اور گھبراہٹ سب جاتی رہی۔ جوں جوں دن بڑھتے گئے، طبیعت لگتی گئی۔ میکے کا زمانہ زندگی کا کوئی حصہ نہ تھا بلکہ کھیل کود کے دن تھے۔ غور سے دیکھو تو زندگی آج ہی شروع ہوئی۔ میں اپنے ہاتھوں تمھارے کندھے پر ایک بڑی ذمہ داری کا بوجھ رکھتی ہوں۔ اس گھر سے چھوٹ کر اب تم کو ایسا گھر آباد کرنا ہے۔ جہاں حق ہمسایہ ماں کا جایا کوئی نہیں جو ہے وہ نیا اور اجنبی مگر سچ پوچھو تو زندگی میں تم کو جو کچھ کرنا ہے اس کا پہلا کام یہی ہے اور اصل دنیا و بی غیروں کے دل میں گھر کرنا مشکل ہو۔ مگر تھوڑی بہت ہمت کرو گی تو بیڑا پار ہے میں بھگت چکی اور جانتی ہوں کہ رنگ برنگ کے لوگ طرح طرح کی بولیاں بولیں گے۔ مگر ان کا رام کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر عمر بھر راج کرنا۔

سب سے پہلا مرحلہ ساس نندوں کا ہے۔ جن کو نادان لڑکیاں دوسرے ہی دن سے جان کا دشمن بنا لیتی ہیں۔ مگر مجھ

سمدھنوں کا اترنا تھا کہ نسیمہ کی طبیعت دفعتہً بگڑ گئی۔ بیٹھے بیٹھے یہ خیال آیا۔ کہ جس گھر میں پلی۔ آج اس کا کونا کونا اور پاکھا پاکھا سب چھوٹے اور سولہ برس کا ساتھ ختم ہوا۔ عمر کا یہ حصہ بھلا یا برا جیسا گزرنا تھا گزر گیا۔ افسوس یہ ہے کہ جو کام کا وقت تھا۔ وہ پورا ہوا۔ آگے چل کر تو دنیا کے دھندے ہیں اور میں ہوں بزرگوں کی خدمت کے دن تو یہی تھے۔ اب بھلا میں ان کی اطاعت کرنے کہاں سے آؤں گی۔ اور تو اور پھوپی اماں تک کو کئی دفعہ میں نے کیسے سخت جواب دیئے کہ وہ میرا منہ دیکھ کر چپ ہو گئیں۔ اب وہ کہاں اور میں کہاں؟ وہ کیا ہمیشہ باتیں سننے کو میرے پاس بیٹھی ہیں۔ ایک پھوپی اماں ہی پر کیا خدا معلوم کس کس کی شان میں کیا کیا گستاخی اور کس کس کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا ہے۔

نسیمہ ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی کہ باہر سے نکاح کی خبر آئی۔ اور چاروں طرف سے مبارک سلامت کی دھوم دھام ہونے لگی۔ سمدھنوں نے وداع کا تقاضا شروع کیا۔ آرسی مصحف کے واسطے دولہا اندر آیا تو سنجیدہ نے بیویوں کو قرینہ سے بٹھا کر کہا۔

"میں اپنی بچی کو رخصت کرنے سے پہلے کچھ کہنا چاہتی ہوں گو آپ سب کو تعجب ہو گا کہ میں انوکھی بات کر رہی ہوں اور مجھے جو کچھ کہنا تھا تنہائی میں کہتی تخلیہ میں کہتی۔ مگر مجھے اس محفل میں بہت سی لڑکیاں ایسی نظر آ رہی ہیں۔ جن کو بہت جلد میکے سے رخصت ہونا ہے۔ اس لئے میری یہ تقریر ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں گے۔

نسیمہ بیگم!

"آخر وہ دن آ گیا جس کے دھڑکے میں میری ساری ساری رات آنکھوں میں کٹی ہے۔ کل کی بات ہے کہ تم میری گود میں تھیں۔ اور آج

کو تمھاری دانشمندی اور دور اندیشی سے یقین ہے۔ کہ ساس کی عزت مجھ سے زیادہ کروگی۔ جس قدر تم نے میری اطاعت کی ہے میرا منہ نہیں کہ اس کی تعریف کروں۔ آج اتنی ہی اطاعت کی توقع پر میں تم کو سسرال بھیجتی ہوں۔ نسیمہ بیگم میں کہتی ہوں اور سچ کہتی ہوں کہ اگر ساس کی اطاعت میں غفلت نہ کی تو سسرال میں بیٹھی حکومت کروگی۔ ہاں چند نامرادیں تم کو ایسی بھی ملیں گی۔ جو ادھر اُدھر کی باتیں لگا کر اور بات کے بتنگڑ بنا کر دلوں میں فساد ڈلوانے کی کوشش کریں۔ ان سے البتہ ہوشیار رہنا۔ اس سے زیادہ بدنصیب لڑکی اور کون ہوسکتی ہے۔ جو شادی ہوتے ہی ساس سسروں سے علیحدگی کی خواہش مند ہو۔ میری رائے میں ساس کی زندگی بہو کے واسطے ایک سرپوش یا جھاڑو کا بند صندوق ہے۔ اور مجھے پورا یقین ہے کہ تم اس نعمت کو ہمیشہ وقعت کی نظر سے دیکھوگی۔ میں خدا کو گواہ کرکے کہتی ہوں کہ ماں کے بعد جو شفقت مجھ پر میری ساس نے کی دنیا میں اور کسی نے نہ کی۔ چند روز کی مہمان کو دکھ نہ دینا۔ اور یاد رکھنا کہ ساس کی رضامندی سسرال کی پہلی منزل ہے۔ یہ مہم جیت لی تو نندوں کا سر کرلینا بڑی بات نہیں۔

نسیمہ بیگم! اب نیا گھر ہوگا۔ اور تم ہوگی۔ کنوارپنے کا زمانہ ختم ہوا اور خدا کا شکر ہے کہ بہ عزت و حرمت ختم ہوا میں تو آج کیا کئی مہینہ سے رو رہی ہوں۔ مگر تمھاری جدائی پر سارا محلہ آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہے۔ میری پیاری نسن یہ وقت تیرے رونے کا نہیں۔ میرا دل دیکھ نسیمہ جیسی بیٹی جس کو کبھی دم بھر کے واسطے آنکھ سے اوجھل نہ کیا۔ آج

مجھ کو روتا چھوڑ کر اپنا گھر الگ بسا رہی ہے۔ نسیمہ بیگم میں تمھارے پاس نہیں، ساتھ نہ سہی۔ تم کہیں سہی، میں کہیں سہی۔ مگر جب تک جیتی ہوں میرا دل میرا خیال سب تم میں ہے۔ جانتی ہو یہ تکلیف یہ مصیبت میں نے کیوں اپنے سر لی۔ میں تم کو ایک زبردست امتحان میں کھینچتی ہوں۔ اور ایک اجنبی شخص کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ اس امید پر دیتی ہوں کہ تم اپنی خدمت گذاری اور سلیقہ شعاری سے اس کو رضامند رکھوگی۔ یہ وہ شخص ہے۔ جس کے اوپر تمھاری زندگی کا دارومدار رہے اور جس کے ساتھ عمر بسر کرنی ہے۔ تم اور وہ دونوں مل کر دنیا میں ایک آدمی سمجھے جاؤگے۔ کہنے کو دو مگر اصل میں ایک۔ ہر رنج میں دونوں شریک اور ہر خوشی میں دونوں ساتھی۔ تمھارے جہیز میں جوڑے اور زیور تو خیر جیسی میری حیثیت تھی۔ اس کے موافق دیئے ہی ہیں مگر ایک بیش بہا رقم بھی ساتھ جا رہی ہے اور یہی وہ چیز ہے۔ جس پر ہزاروں لاکھوں روپے اشرفیاں قربان، بتاؤ کیا چیز ہے؟ یہ جوہر شرافت ہے۔ امیری فقیری تقدیری امر ہیں۔ مگر شریف ماں باپوں کی بیٹیاں ہر حال میں خاوندوں کے ساتھ خوش ہیں۔ فاقے کریں۔ پیوند لگائیں۔ اور بڑوں کی عزت ہاتھ سے نہ دیں۔ سنا ہوگا "لائیے بھلوں کی بیٹیاں جو رکھیں پنچوں کی لاج" آج یہی شرافت تمھارا جہیز ہے۔ اور مجھ کو یقین ہے۔ کہ چاہے تکلیف سے جان پر بن جائے اور فاقوں سے دم ناک میں آ جائے مگر اس جوہر کو ہاتھ سے نہ دوگی۔ اور جب تک میں زندہ ہوں کبھی تمھاری شکایت نہ میرے کان تک آئے گی نہ کسی کی زبان تک۔

میری پردیسن بچی! مسافر بیٹی! مہمان بھتیجی۔ میں تیری خدمت

اچھی طرح نہ کرسکی۔ آہ! نسیمہ اگر بھولے سے تربیت میں کوئی غفلت ہوئی یا کوئی تنبیہ ناگوار گذری ہو تو معاف کیجیو۔ نسیمہ بیگم! تمھارا رنج چند روز میں بہل جائے گا۔ مگر پھوپی کے دل سے پوچھو جس کا بھرا گھر آج سونا ہو گیا۔"

اتنا کہہ کر سنجیدہ نے سمدھن کی طرف رخ کیا اور کہنے لگی:۔

"لو یہ سولہ برس کی امانت تمھارے سپرد ہے۔ صاحب اولاد ہو، میرے دکھیے دل کی مدد کرنا۔ خدا تم کو بہو سے جانی نصیب کرے مگر میری دُکھیا کی بیمار آنتوں میرے کلیجہ پر سوئی اور سینہ پر لوٹی ہی میرے بڑھاپے کی لاج رکھنا اور اگر کوئی بات خلاف مزاج ہو تو معاف کر دینا۔ کیا کروں دنیا کا یہی دستور ہے۔ اسی دن کو میں نے کبھی پال پوس کر بڑا کیا تھا کہ تمھارے ہاتھ میں ہاتھ دے اپنا ہاتھ جھاڑ خالی ہو بیٹھوں۔"

نسیمہ بیگم آؤ سولہ برس کی کھلائی خدمت گار پھوپی ہرائے نام ماں کے کلیجہ سے لگو اور بسم اللہ کہہ کر اپنے گھر سدھارو۔

"الہ العالمین! اس کٹھن منزل میں تو ہی مددگار ہے دنیا کی بہار اس کے واسطے موجود ہو اور یہ زندگی جس کی اس وقت صبح ہے۔ عزت او ذبیعہ کے ساتھ بسر ہو جائے۔"

وداع کا سماں یوں ہی دردانگیز تھا اس پر سنجیدہ کی تقریر پر ہچکیاں بندھ گئیں۔ آرسی مصحف کے بعد سامان نکل کر باہر آیا۔ اور نسیمہ بیگم گم سم، ماں کو خاموش پھوپی کو بیقرار، مہمانوں کو روتا چھوڑ، ظاہری اسباب کے ساتھ، دعاؤں کا بھاری جہیز لے کر سسرال سدھاریں۔

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری کی چند نادر کتابیں

آمنہ کالال اردو زبان کا سب سے بہتر مولود شریف حضرت علامہ مرحوم کی وہ تصنیف جو اپنے رنگ میں جواب نہیں رکھتی۔ اب پڑھی لکھی عورتوں کی مجلس میلاد میں یہی کتاب پڑھی جاتی ہے۔ اور وہ غیر مسلم سہیلیوں کو بڑے فخر کے ساتھ بلاتی ہیں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مرد بڑے ذوق و شوق سے آمنہ کے لال کا مطالعہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے۔ جو خلاف عقل کہا جا سکے۔ نثر کے ساتھ جہاں نظم ہے وہ بھی اسی قدر موثر ہے کہ اہل دل تڑپ اٹھیں کیونکہ تمام اشعار علامہ کے ہیں۔ آمنہ کے لال میں علامہ راشد الخیری کا بہترین لٹریچر ہے۔ ناشر نے اس میں حفیظ جالندھری کے سلام کا بھی اضافہ کیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

سیدہ رضؓ کالال شہادت کی مفصل و مکمل تاریخ حضرت علامہ کی بےمثل کتاب حصہ اول مکمل تاریخ شہادت ہے۔ حضرت امام حسینؓ کی نانی ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے اسلام پر احسانات جناب سیدہ رضؓ کے فضائل۔ سرورِ کائنات کی رحلت حضرت عثمان غنی رضؓ اور حضرت علی رضؓ کی خلافت حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کی شہادتیں اور دردناک مرثیے۔ جنگ جمل۔ جنگ صفین کا مکمل بیان۔ شیعہ سنی اختلاف کی ترقیاں بنی امیہ کی کوششیں۔ امیر معاویہ رضؓ کی سیاست امام حسن رضؓ کی شہادت۔ یزید کی حکومت کی پوری کیفیت غرض پہلے حصہ میں معرکہ کربلا کے تمام صحیح اور مستند واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جن سے واقعہ کربلا کے صحیح واقعات ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ تاریخ شہادت یا سیدہ کے لال کا دوسرا حصہ مراثی کربلا ہے۔

حضرت مسلمؓ اور ان کے بچوں کی شہادت سیدہ کے لال کی مدینہ سے روانگی۔ حضرت
کی شہادت۔ بی بی زینبؓ کا میدان کربلا میں بے مثال ایثار۔ ان کے بچوں کی شہادت
حضرت عباسؓ کی شہادت حضرت علی اکبرؓ کربلا کا ننھا شہید بیمار صغریٰؓ کا قاصد سیدہ
کے لال کی شہادت۔ خانماں برباد سیدانیاں ابن زیاد اور یزید کے دربار شیعہ سنی اختلاف
پر تبصرہ۔ قاتلان حسینؓ کا انجام اور خدائی فیصلہ یوں تو تمام کتاب اس قدر درد انگیز
کہ بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھی جا سکتی۔ مگر نثر میں جو مرثیے علامہ لکھ گئے ہیں۔ ان
ایک ایک سطر کلیجہ کے پار ہو جاتی ہے۔ آمنہ کے لال کی طرح سیدہ کے لال میں بھی کوئی
واقعہ خلاف عقل نہیں ہے۔ ادب لطیف کے علاوہ جو کتاب کی جان جان ہے۔ شہادت
کا اس قدر مفصل اور مکمل درد انگیز اور موثر بیان کسی کتاب میں نہیں۔ تعلیم یافتہ عورتیں
مرد شیعہ ہوں یا سنی شہادت کی یہی کتاب پڑھتے ہیں۔ قیمت دو روپے۔

صبح زندگی یہ شام زندگی کا پہلا حصہ ہے شام زندگی میں نسیمہ بیگم کی شادی سے موت
تک کے حالات پڑھنے سے پہلے ذرا ان کا کنوار پتہ بھی دیکھ لو اس
تمہیں پتہ لگے گا کہ ایک لڑکی کی پیدائش سے شادی تک کیونکر تعلیم و تربیت کرنی چاہئے
حضرت علامہ راشد الخیری اس قسم کے مضامین کو دلچسپ اور موثر بنا دینے میں جو ملکہ
رکھتے تھے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں صبح زندگی لڑکیوں کی اتالیق، بیویوں کی مشیر
مردوں کے لئے لٹریچر کا بیش بہا خزانہ ہے قصہ اس قدر دلچسپ کہ شروع کر کے ختم کئے بغیر
نہ رہا جائے۔ صبح زندگی میں درد بیان کیف زبان، اور زندگی کا سامان سب کچھ موجود ہے
لڑکیوں کی تربیت پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی۔ قیمت دو روپے۔ (عاشر ما

شام زندگی اس کتاب سے زیادہ گذشتہ ۳۰ سال میں اردو کی کوئی کتاب مقبول
نہیں کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ لیکن مانگ کا وہی حال ہے جو شروع میں
تھا جو مرد چاہتے ہیں کہ ان کی بیویاں ان کے مزاج کے موافق ہو جائیں شام زندگی انھیں

اتے ہیں اور جو عورتیں آرزو رکھتی ہیں کہ ان کا گھر رشک جنت بن جائے وہ شام
گی کو پڑھتی ہیں جنہیں اولاد کی تربیت کا خیال ہے ان کے نزدیک شام زندگی
بن اتالیق ہے۔ شام زندگی میں قصہ کے طور پر ایک لڑکی کا حال لکھا ہے کہ اس نے
سے لے کر مرنے کے وقت تک کیونکر زندگی بسر کی زندگی کے کسی شعبہ اور حیات کے
رحلہ کو جس سے ہو کر انسان گذرتا ہے نظر انداز نہیں کیا گیا پھر یہ پیرایہ بیان اس
چسپ کہ چند صفحے دیکھ کر کتاب ہاتھ سے ہاتھ چھوڑ دیجئے تو ہم قیمت مع محصول واپس
کو تیار ہیں اور موثر اتنی کہ قوم نے اسی کی وجہ سے مصنف کو مصور غم کا خطاب دیا۔
زندگی نے ہزاروں جانوروں کو انسانیت سکھادی لا مذہبوں میں مذہبیت پیدا
اور گم گشتہ راہوں کو راہ پر لگا دیا۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

زندگی حصہ اول صبح زندگی میں نسیمہ کی پیدائش سے شادی تک کا زمانہ دکھایا
گیا ہے۔ شام زندگی میں اسے آخری منزل تک پہنچایا ہے
زندگی حصہ اول میں موت کے بعد کے حالات پڑھو جن سے معلوم ہوگا کہ نسیمہ
ہیں وہ کون سے کام کئے تھے کہ حوریں اس کا استقبال کرتی ہیں اور وہ کونسی
ہیں جن میں ایک دوزخ میں بھی خوش اور دوسری جنت میں بھی مقید ہے۔
سو نسیم دلہن کی جگر خراش داستان اور اس کی سوکن نسترن کے مفصل بیان سے
ہیں کہ دل پر اثر نہ ہو۔ صبح زندگی۔ شام زندگی۔ شب زندگی خود پڑھو
ی بچوں کے سامنے نسیمہ کا پاک نمونہ پیش کرکے انھیں اس جیسا بناؤ تاکہ وہ
ندگی گذاریں۔ دنیا کے ساتھ آخرت بھی حاصل کریں۔ یہاں بھی اچھے بیج بوئیں
ں بھی اچھے پھل کھائیں۔ یہ کتاب بھی کئی مرتبہ چھپ چکی ہے قیمت ایک روپیہ چار آنے

زندگی حصہ دوم یہ بتلائے گی کہ دنیا کی بدترین مخلوق نسیم دلہن کس طرح
ایک خدا ترس اور نیک بی بی بن جاتی ہے۔ اور اس

کے بچھڑے ہوئے لال کس طرح اس سے ملتے ہیں۔ کتاب کی ہیروئین فاطمہ ساس اور نند کے تمام مظالم سہتی اور ایسی ایسی قربانیاں کرتی ہے کہ آپ ونگ رہ جائیں گے۔ پلاٹ دلکش کہ آپ بار بار لطف لیں گے۔ یہ کتاب بھی کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ قیمت ایک روپیہ

نوٹ:۔ علامہ راشد الخیری کی تمام تصنیفات کتب خانہ رضوی بلیماران دہلی سے مل سکتی

"شیر دل خاتون" یعنی دور فاروقی کا سچا تاریخی افسانہ

یہ وہ تاریخی ناول ہے جس کی ہندوستان و پاکستان میں دھوم

یہ شہید ملت مولانا محمد مظہر الدین کی وہ تڑپا دینے والی تصنیف ہے جو شخص ایک حصہ پڑھ لیتا دوسرے کیلئے بے چین رہتا ہے حضرت فاروق اعظم رض کے زمانہ کے دلچسپ حالات فتوحات اسلامی حیرت انگیز ترقی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سرفروشانہ جد وجہد کا نظارہ اور حسن وعشق کی داستان پڑھنے کا شوق ہو تو اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔ یہ مسلم خواتین کیلئے درس حیات ہے سیف الاسلام حضرت خالد رض اور غازی حضرت ابو عبیدہ نیز ایک غازیہ حضرت خولا اور پُر اسرار جنگی سوار سچی روح پھونک دیتی ہیں تو دوسری طرف شہزادی جوزلیفائن کے حسن وعشق کی سچی داستان دلوں میں جگہ لیتی ہے۔ قیمت مکمل ساڑھے چھ روپے۔ ڈاک خرچ الگ۔

فتح ہند کی ملکہ یا سندھ کی راجکماری

شہید ملت مولانا محمد مظہر الدین کی تصنیف ہے یہ وہ ہنگامہ خیز ناول جس کا انتظار ہلال عید کی طرح کیا جاتا تھا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے جہاں مسلمانوں کو تابعین کے جنگی کارناموں اور سترہ سالہ نوجوان محمد بن قاسم کی حیرت انگیز شجاعت سے درس حیات ہوگا وہاں بہت سی وہ غلط فہمیاں بھی دور ہو جائیں گی جو مسلمان فاتحین کے متعلق ہیں کتاب کے پڑھنے سے جذبہ اسلامی تازہ ہو جاتا ہے قیمت مکمل سات روپے۔ فہرست مفت طلب

ملنے کا پتہ: سید رضی حسن مالک کتب خانہ رضوی۔ بلیماران۔ دہلی